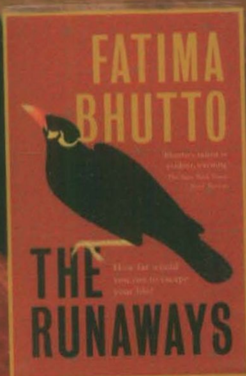
فاطمہ بھٹو

مفرور



مترجم۔ ہما انور

The Runaways

مفرور

فاطمہ بھٹو

مترجم۔ ہما انور

جمہوری پبلیکیشنز

Independent & Progressive Books



• نام کتاب۔ مفرور	• مصنفہ۔ فاطمہ بھٹو
• مترجم۔ ہما انور	• اشاعت۔ 2023ء
• ناشر۔ جمہوری پبلیکیشنز لاہور	• جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ISBN:978-969-652-204-1

قیمت 1380 روپے

درج بالا قیمت صرف اندرونِ پاکستان

اہتمام: فرخ سہیل گوئندی

Find us on 

Jumhoori Publications

2 Aiwan-e-Tijarat Road, Lahore-Pakistan

T: +92-42-36314140 +92-42-36283098

WhatsApp: 0333-4463121

info@jumhooripublications.com

www.jumhooripublications.com

Fatima Bhutto

The Runaways

First published in 2019 by Penguin Books Ltd, London

Urdu Translation "Mafroor"

by Huma Anwar

Published by Jumhoori Publications - Pakistan

January 2023

Publisher : Farrukh Sohail Goindi

فاطمہ بھٹو

فاطمہ بھٹو 1982ء میں کابل، افغانستان میں پیدا ہوئیں۔ وہ شام اور پاکستان میں پلی بڑھیں۔
فاطمہ بھٹو متعدد کتابوں کی مصنفہ ہیں۔
اُن کی انتہائی سراہی جانے والی مقبول تصنیف The Shadow of the Crescent Moon
کو 2014ء میں Bailey's Women's Prize for Fiction کے لیے طویل فہرست میں شامل کیا گیا۔
''مفرور'' اردو زبان میں شائع ہونے والا فاطمہ بھٹو کا پہلا ناول ہے۔ یہ ان کے انگریزی زبان
میں شائع ہونے والے ناول "The Runaways" کا ترجمہ ہے۔

بہادروں اور سرکشوں کے نام جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا:

شہید اعتزاز حسن بنگش (1998-2014ء)

شہید مشال خان (1994-2017ء)

اور ہمیشہ، ابدی، محبوبِ ازل کے نام

اور میں دو سال تک ریتا میں گم رہا
اور دو برس وہ میری بانہوں میں سوتی رہی
اور ہم نے عہد و پیاں کیے
سب سے حسین جام پر
اور ہم اپنے لبوں پر مے میں راکھ ہوئے
اور ہم نے دوبارہ جنم لیا۔
۔ محمود درویش

انیتا روز

کراچی، اپریل 2016ء

رات میں چاند بہت قریب محسوس ہوتا ہے۔

انیتا روز جوزف آنکھیں موند لیتی ہے۔ وہ انہیں کھولتی ہے۔

کراچی کی گرد اور دھواند کے لامتناہی مرغولوں، ٹرمینل کی چمک اور جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی طرف جانے والی سڑک کو چکاچوند کرنے والی فلڈ لائٹس میں، ستارے غرق ہو گئے ہیں۔

انیتا روز، گلف ایئر لائنز اور رنگ گورا کرنے والے کریموں کی تشہیر کرنے والے بلند و بالا بل بورڈز سے پرے اپنی نظریں جھکائے رکھتی ہے۔ ''زیادہ گوری رنگت، زیادہ اعتماد کے لیے''، ایک پرپل اور سیاہ اشتہار ایک مشہور گورے کرکٹر کے مسکراتے چہرے کے ساتھ یقین دہانی کرواتا ہے۔ روانگی ٹرمینل کی طویل ڈھلان پر چڑھتے ہوئے وہ بے صبری سے اور بے مقصد ہارن بجاتی قطار میں کھڑی سیجیرو اور ٹویوٹا کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

اندھیرے کی آڑ میں، اس سے پہلے کہ فلڈ لائٹس کی روشنی صبح کاذب کے سامنے جان دے دے، اپنی زرد نوکیلی چونچ اور بھدے سیاہ پروں میں سے جھانکتی نارنجی آنکھوں والی مینا گاتی ہیں۔

انیتا نے تنہا پرندے کی تلاش میں لمحے بھر کے لیے نگاہیں اٹھائیں۔ لیکن صبح کے اوائلی لمحات میں وہ تاریک، خالی آسمان پر کچھ نہ دیکھ سکی، یہاں تک کہ مینا کی طرح ملبوس ڈاکو بھی نہیں۔ سیاہ آسمان میں معلق چاند شہر کا صرف بوجھل پن لیے ہوئے ہے۔

انیتا نے اپنے دوپٹے کو اپنے چہرے کے گرد کس لیا۔ وہ آنکھیں بند کرتی ہے، چندھیا دینے والی فلڈ لائٹس سے دق ہو کر وہ آنکھیں بند کرتی ہے، پھر آہستہ سے سانس لیتے ہوئے خود کو یاد دلاتے ہوئے کہ اسے کیا کرنا ہو گا، وہ آنکھیں کھولتی ہے۔

وہ اپنے پاسپورٹ اور سرخ نوٹ بک کو سختی سے اپنے سینے سے بھینچے ہوئے ہے اور گہری سانس خارج کرتی ہے۔ ایک چھوٹے بیگ کے علاوہ جس میں تبدیل کرنے کو ضروری لباس اور کچھ میک اَپ ہے، اس کے پاس کوئی دوسرا سامان نہیں۔

سامنے، ایک پجیرو آگے بڑھتی ہے، مسلح کمانڈوز کے زیر انتظام چیک پوائنٹ پر اس نے بریک لگائی۔ مشین گن سے مسلح ایک رینجر پجیرو کی طرف بڑھا، لیکن سواری سے کوئی بھی باہر نہ نکلا۔ اگلی کھڑکی کا شیشہ نیچے ہوا، جس سے ڈرائیور کی جانب سے وی آئی پی کا نام بتانے کے دوران انگریزی پاپ میوزک کا دھماکہ آمیز شور سنائی دیا۔ انیتا کسی کی توجہ میں نہیں آنا چاہتی، اس لیے آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ جیپ کے قریب پہنچنے سے پہلے وہ رکتی ہے اور اس کے گزرنے کا انتظار کرتی ہے۔

موسیقی کی بلند آہنگ آواز، چلتے انجن کے شور اور کمانڈوز کے کار میں گھومنے، کسی دھماکہ خیز مواد کی تلاش میں بونٹ اٹھانے، پچھلا حصہ کھول کر دیکھنے کے دوران بھی انیتا روز، مینا کو سن سکتی ہے۔

میٹی جیٹی پر، بحیرۂ عرب سے عین پہلے مینگرووں سے پرے، چیلوں نے گھنے بادلوں کی طرح آسمان کو ڈھانپ دیا ہے، منتظر کہ محبت کرنے والے ان کی طرف گوشت کے ٹکڑے اچھالیں گے... اور اگر وہ پُل پر فروخت ہونے والی خون آلود تھیلیاں خریدنے کے متحمل نہیں ہوسکتے تو پھر روٹی کے چورے کی گولیاں۔ کراچی کی گنجان ٹریفک کی افراتفری میں، ننگے پیر لڑکوں میں گھرے ہوئے جو اونچی آواز میں یہ یقین دہانی کرواتے تھے کہ اگر آپ بھوکے کو کھانا کھلائیں گے تو آپ کے خواب سچ ہوجائیں گے، انیتا نے ہمیشہ چیلوں کی پرواز کے باعث خود کو محفوظ محسوس کیا۔ اور اگرچہ اسے اس بات کا تقریباً یقین ہے کہ وہ اتنی دیر سے جس مینا کی آواز سن رہی ہے، وہ بالکل تنہا ہے۔ لیکن اسے تقریباً یہ یقین بھی ہے کہ وہ اپنے زرد پیروں اور نوکیلی چونچ کے ساتھ اُسے ہوائی اڈے تک، اور ہمیشہ کے لیے اس شہر سے باہر سلامتی سے چھوڑنے آئی ہے۔

پجیرو کا انجن ابھی تک چل رہا ہے اور اس سے نکلنے والے دھویں نے انیتا کے آس پاس کی ہوا کا دَم گھونٹ دیا ہے۔ اپنی ہتھیلی منہ کے آگے رکھ کر کھانستے ہوئے وہ اہم شخصیت کا نام سن نہیں پائی، لیکن وہ ایک نوجوان عورت کا سایہ سا دیکھ سکتی ہے، جس نے اپنے گھنے بال سر پر سجائے دھوپ کے چشمے سے پیچھے کر رکھے ہیں۔ وی آئی پی ایک بٹن دباتی ہے اور اس کی کھڑکی کا شیشہ کھلنا شروع ہوتا ہے۔ کوئی بھی موسیقی کی آواز کم نہیں کرتا، یہ پورے والیم، چوٹ اور دھمک کے ساتھ چلتی رہتی ہے۔ جیسے ہی وی آئی پی آگے بڑھتی ہے، تمام اطراف میں ست رنگی روشنی کی ہزار کرنوں میں کوئی زیور جھلملاتا ہے۔

ہیکلر اینڈ کوچ کرین والا رینجر تنگ جھری سے دیکھنے کی خاطر اپنی گردن اٹھاتا ہے۔

''السلام علیکم!'' وہ تیز رفتاری سے وی آئی پی کو سلام پیش کرتا ہے۔

انیتا نے اپنے پیچھے دیکھا، وہاں کوئی نہیں ہے۔ یہاں تک کسی نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔

جیسے ہی پیجیرو نے اپنی کھڑکیوں کے شیشے بند کیے، موسیقی کی آواز دب گئی، اور وہ ٹرمینل کی طرف چڑھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ ہوائی اڈے کی سیکیورٹی اسے دیکھ سکے، انیتا اپنے سینے سے اوپر شہ رگ کے قریب صلیب کا نشان بناتی ہے۔ کسی نے بھی توجہ نہ دی کہ وہ جا چکی ہے۔ پرندوں کے سوا کسی نے نہیں۔

انیتا روز وہ انگوٹھا جس سے مقدس صلیب کا نشان بنایا ہے، اپنے ہونٹوں تک لاتی اور اسے چومنے کے لیے آنکھیں بند کرتی ہے۔

یہ شہر تمہارا دل لے لے گا، اسامہ نے اسے بتایا تھا۔ تم نہیں جانتی کہ کراچی ہم جیسے لوگوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ دل لے لیتا ہے، سنا تم نے؟

انیتا اس وقت اس کی آواز میں موجود غیظ و غضب کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس کے لیے خفا ہے، اس سے بہت پہلے کہ کسی نے اسے تکلیف دی ہو۔ انیتا کو جب اسامہ کی سمجھ نہ آتی تھی تو اسے اچھا نہ لگتا تھا۔ اس کی عمر کچھ بھی رہی ہو، وہ لمحات اسے اتنا ہی حقیر اور چھوٹا بنا دیتے، جیسے تب جب اس نے اتنے برس پہلے اسامہ کے جستی دروازے پر دستک دی تھی۔

رات گئے کا وقت تھا اور انیتا، اسامہ کا مرید صاحب سے ملنے کے لیے اپنی ماں کے دَم گھونٹ دینے والے گھر سے چوری چھپے نکلی تھی۔ اس کا واحد حلیف۔ اس کا واحد سچا دوست۔ شام چمپا کے پھولوں کی خوشبو سے معمور تھی جو مچھر کالونی میں کچرے کے درمیان کھلتے تھے اور اس موسم گرما میں، مون سون سے ذرا پہلے، سفید پھولوں کی خوشبو اتنی تیز تھی کہ انیتا اب مزید سمندر کی مہک نہیں پا سکتی تھی۔

''میں اپنی حفاظت کیسے کروں؟'' اُس نے اسامہ سے پوچھا تھا۔

اسامہ نے اپنے بکھرے ہوئے سفید بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ اس نے اپنا حوصلہ بحال کیا اور اپنی انگلیوں کے نشانات والا گلاس اپنے گھٹنے پر رکھنے سے قبل شفا بخش مشروب آہستہ آہستہ پینے لگا۔ اس کے بعد وہ آگے کی جانب جھکا، اس قدر قریب کہ انیتا اس کی آنکھوں کی پتلیوں کی باریک رگوں کو گن سکتی تھی، وہ جھریاں جو اس کی گرم جوش بھوری آنکھوں کو رنگ دیتی تھیں۔

''تم ان کا دل پہلے لے لو۔'' اس نے سرگوشی کی، اگرچہ چھت پر کوئی بھی انہیں سن نہ سکتا تھا۔ نہ ہی وہ درخت جو گرمی میں مرجھا گئے تھے، نہ ہی بارش میں کھلنے والے پیلے اور سفید پھولوں کے گچھے۔

''انیتا روز۔'' اسامہ نے خود کو اس کا نام لینے سے روکا، ''مجھ سے وعدہ کرو: تم ان کا دل پہلے لے لو گی۔''

کراچی کی اس خنک، ستاروں بھری رات میں اسفالٹ پر بجتی سینڈل کے ساتھ انیتا تیزی سے پلکیں جھپکتی ہیں۔ اس کے سامنے، فلڈ لائٹس کی روشنی میں، اپنے کیموفلاج والے یونیفارم میں ملبوس رینجرز کے آس پاس، مسلح شخص کے قریب سے جو انیتا کا پاسپورٹ لینے کے لیے اپنی خشک ہتھیلی کو پھیلائے ہوئے ہے، کراچی سے پرے۔ یہ شہر اتنا تھکان زدہ ہے کہ مون سون پھولوں کی خوشبو سے زیر ہو سکتا ہے،

اس قدر خوب صورت شہر کہ انیتا اس کی طرف پلٹ کر دیکھنا برداشت نہیں کر سکتی، خصوصاً اب جبکہ وہ جانتی ہے کہ وہ جا رہی ہے۔ چاند آسمان میں معلق ہے۔

اپنا ہاتھ آزاد کرنے کی خاطر انیتا اپنا بیگ آہستہ سے زمین پر رکھتی ہے تا کہ اپنے دوپٹے کو کھینچ کر اپنے چہرے کے گرد لپیٹ سکے تا کہ کمانڈو اسے ٹھیک سے نہ دیکھ سکے۔

رینجر نے انیتا کے پاسپورٹ سے اپنی نگاہیں اٹھائیں، جس کے ہلکے سبز صفحات تازہ ہیں اور ان پر نسبتاً کم ہی مہریں ہیں، اور اپنے سامنے کھڑی پیلے رنگ کی شلوار قمیص میں ملبوس لڑکی کو دیکھتا ہے۔ وہ تصویر پر اپنی انگلی پھیرتا اور اپنے ناخن سے لیمینیشن شدہ صفحے کو کھرچتا ہے۔

انیتا نوجوان رینجر کو دیکھتی ہے۔ اس کے چہرے کے بال ہلکے بھورے ہیں، اگرچہ اس کی ٹھوڑی کے خشخشی بالوں اور کنپٹیوں پر سفیدی کی ہلکی سی چمک ہے۔ اس کی پیشانی پر بل اور بھنوؤں کے بیچ تفکر کی لکیریں نہ ہوتیں تو وہ وجیہہ ہوتا۔

اس کے واکی ٹاکی سے متواتر شور کی آواز اٹھتی ہے اور انیتا کی نگاہیں کمانڈو کے جوتوں کی گھسی ہوئی سیاہی کی جانب جھک جاتی ہیں۔ وہ اپنی سانسیں تھام لیتی ہے اور انتظار کرتی ہے کہ وہ اسے پہچان لے۔

کیا وہ پہچانتا ہے؟

انیتا ایک بار پھر اپنے پیچھے دیکھتی ہے۔ کوئی نہیں۔ کسی نے ایئرپورٹ کو چیک کرنے کا نہیں سوچا۔ کسی نے توجہ نہیں دی کہ وہ چلی گئی ہے۔

کمانڈو، انیتا کے پاسپورٹ پر نام تقریباً زیر لب پڑھتا ہے، اور ایک بار پھر صفحات پلٹتا ہے کہ اگر اس سے کچھ چھوٹ گیا ہو۔ وہ اسے واپس حوالے کرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں میں الٹتا پلٹتا ہے۔

''کیا آپ تنہا سفر کر رہی ہیں؟'' رینجر نے انیتا کے قریب قدم بڑھا کر آہستگی سے پوچھا، اس کی آواز میں تشویش کا شائبہ ہے۔ ''یہ جگہ محفوظ نہیں۔'' وہ ان کے سامنے فلڈ لائٹس کی روشنی میں خالی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہوا میں سگریٹ کے دھوئیں اور نیند کی بُو ہے، بوجھل اور میٹھی۔ ''کسی نوجوان لڑکی کے لیے محفوظ نہیں۔''

انیتا جبلی طور پر ایک قدم پیچھے ہٹتی ہے اور اپنی نوٹ بک کی آڑ لے کر اپنی انگلی سے اپنی آنکھ کے گوشے پونچھتی ہے۔ دس منٹ میں وہ اس چیک پوائنٹ سے باہر ہوگی، اپنا بورڈنگ پاس لے گی، سیکیورٹی سے گزرے اور چلی جائے گی۔ ہمیشہ کے لیے۔

اسے ایک بار پھر کامریڈ صاحب کے الفاظ یاد آئے؛ جو کچھ اُس نے سکھایا، وہ کبھی بھی نہیں بھولی۔ ہر سطر، ہر لفظ، ہر نظم اُس کی اِس نوٹ بک میں درج ہے۔ ''اگر تم نے اسے اجازت دی تو یہ شہر تمہیں ریزہ ریزہ کر دے گا۔ یہ کسی ٹرافی کی طرح تمہارا دل لے لے گا، جیسے سالومی نے یوحنا کا سر

وصول کیا تھا۔''

لیکن صبح چار بجے جناح انٹرنیشنل کے سامنے چمپا کے سے زرد رنگ میں ملبوس تنہا کھڑی دراز قد اور نازک، انیتا روز باقی سب کی طرح نہیں تھی۔

ایک روز شہر جل اٹھے گا اور کوئی اس سے پوچھے گا: کراچی؟ کیا وہ تمہارا گھر نہیں تھا؟ اور وہ آہستہ سے سر ہلائے گی، نہیں۔ حتیٰ کہ مسکراتے ہوئے، بالکل بھی نہیں۔

''بیٹا؟''

انیتا روز نظریں اٹھاتی اور نوجوان کمانڈو کو دیکھتی ہے، جو اتنی عمر کا نہیں کہ اسے بیٹا کہہ کر پکارے۔ شاید اس کی ٹھوڑی کے خشخشی بال سفید نہ ہوں، شاید کراچی کے سورج کی سخت دھوپ سے ان کا رنگ ہلکا ہو گیا ہو۔

''شکریہ، انکل۔'' وہ اپنا بیگ اٹھاتی ہے۔''میں جلد ہی محفوظ ہو جاؤں گی۔''

حصہ اوّل

وہ مجھے شیرنی کہتے ہیں

2014-16ء

انیتا روز

کراچی، 2014ء

تنہا عریاں بلب سے روشن، سرمئی سیمنٹ والے چھوٹے سے کمرے میں، زنوبیا نے اپنے ناریل کے تیل سے چمکتے ہاتھ اپنی بیٹی کے لمبے بالوں میں پھیرے۔ انیتا روز نے آنکھیں بند کیں اور خود کو اُن عورتوں میں سے ایک تصور کرنے کی کوشش کی جن کو اس نے ٹی وی ڈراموں میں دیکھا تھا جو سیلون میں گلابی کرسیوں پر بیٹھتیں اور ان کے خوب صورت ہلکے بھورے بالوں کو دھو کر خشک کیا جاتا تھا۔

''انیتا...'' زنوبیا نے سرسوں کے تیل کی پتلی سی شیشی ہلا کر تلخ بُو والے مائع کو اپنی ہتھیلی پر ٹپکایا۔ اس نے آگے بڑھنے سے پہلے تیل کو گرم کرنے کی خاطر اپنے ہاتھوں کو رگڑا۔ ''کھانا پکانے کے لیے ہمارے پاس گیس نہیں بچی۔''

اس کی ماں نے انیتا کے بالوں کی الجھی لٹوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے، اس کے سر کو پیچھے کی طرف جھٹکا اور اس کے دماغ کو ان میں تیرتے خوابوں سے دُور کیا۔ انیتا نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کیں اور اپنے خالی کمرے میں نم سردی کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے توجہ مزید مرکوز کی۔ اس نے اپنی ماں کی اداسی بھری آواز کا اپنے بالوں کی الجھی لٹوں میں کھو جانے کا تصور کیا۔

''بے بی؟''

زنوبیا کا براؤن بیضوی چہرہ پچھلے کچھ برس میں ڈھل گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے بنی تھیلیاں اب بھاری لگ رہی تھیں اور اس کے پہلے سے سوجے ہوئے ہونٹ اب پھول گئے تھے، جیسے کوئی چہرہ رونے اور بہت سارونے پر دکھائی دیتا ہے۔

''ہمیں پکانے کے لیے کچھ گیس کی ضرورت ہے۔''

انیتا نے سر ہلایا۔ اس کے بالوں سے ناریل اور سرسوں کے تیل کی طرح شیریں اور تلخ خوشبو

اٹھ رہی تھی۔

''انیتا۔'' اس کی ماں کی آواز مزید سخت، مزید ناراض تھی۔

انیتا روز نے دوبارہ آنکھیں بند کیں اور خود کو روئیں دار گلابی تولیہ پہنے ہوئے تصور کیا، ان گلابی کرسیوں میں سے کسی پر بیٹھی ہوئی، خوشبو میں بسی اور ناز اٹھواتی ہوئی اور اسے دودھ سے گاڑھی چائے اور چھوٹی چھوٹی کیوبز کی صورت میں چینی پیش کی جا رہی تھی۔ وہ جسے آپ نقرئی چمٹے سے اٹھاتے ہیں۔ اس نے بہت پہلے ایک شو میں وہ دیکھی تھی۔ ایک شخص نے اسے دھات کی بالٹی سے برف اٹھانے کے لیے استعمال کیا تھا۔

''میں نہیں جانا چاہتی۔'' انیتا نے نرمی سے کہا تاکہ ان کی ماں اس کے بدتمیز ہونے پر اس پر چلائے نہیں۔ اس نے دھیرے سے کہا، کیوں کہ وہ چاہتی تھی کہ اس کی ماں کو معلوم ہو جائے کہ وہاں جا کر مانگنے سے اس کے پیٹ میں اینٹھن ہوتی تھی۔

انیتا جب پہلی بار اسامہ شاہ کے فلیٹ میں ایک نوعمر لڑکی کی حیثیت سے گئی تھی تو اُس نے اس کوشش میں کہ جتنا ممکن ہو سکے شور نہ ہو، بوڑھے شخص کے گھر کی سیڑھیاں جھجکتے ہوئے دبے پیر چڑھی تھیں۔ سیڑھیوں پر وہ دیوار پر فٹ بال مارتے اکیلے کھیلتے ایک لڑکے کے پاس سے گزری۔ وہ اس سے عمر میں کچھ سال بڑا تھا اور اس کی سیاہ آنکھیں خفا تھیں اور اس کی تیوری چڑھی ہوئی تھی، وہ غصے سے گیند کو لات مارتا اور پھر اسے اپنے سینے پر روکتا۔ اس نے یہاں تک کہ قریب سے گزرتی انیتا پر توجہ ہی نہیں دی۔ ''ہیلو، میری پیاری۔'' ان کے پڑوسی اسامہ نے انیتا کو محبت سے دیکھا، جو چاول مانگنے آئی تھی۔ اس سے پہلے کسی نے بھی اسے ''پیاری'' کہہ کر نہیں پکارا تھا۔

تب سے زنوبیا گلی پار کے اس بوڑھے مارکسسٹ کو اپنی سپلائی شاپ سمجھنے لگی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسامہ تنہا رہتا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اس شخص کا کوئی خاندان نہیں اور وہ پاکستان ریلوے سے ملنے والی اپنی پنشن میں گزر بسر کرتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسے اپنی بیٹی سے محبت تھی، حالاں کہ انیتا کوئی بھی چیز کسی سے مانگنے سے گریز کرتی تھی۔ وہ پانی مانگنا بھی پسند نہ کرتی، چاہے اس کا حلق کتنا ہی خشک ہو۔ وہ اس کے گگر کے استعمال کی درخواست کرنا نہیں چاہتی تھی- یا تیل یا چینی ادھار لینا نہیں چاہتی تھی- اسے خاص طور پر ایسا کرنا ناپسند تھا۔

انیتا کو اپنے بوڑھے پڑوسی کو پریشان کرنے میں بے آرامی محسوس ہوتی جو ہمیشہ تنہا ہوتا- چاہے وہ کسی بھی وقت اس کے دروازے پر دستک دیتی۔ وہ اس کی زندگی کے خالی پن، اس کے سادہ گھر، کتابوں کے زرد صفحوں اور خستہ حال پشتوں پر جمع دھول، پلاسٹک کی تھیلیوں میں خراب ہوتے اور ڈبوں میں باسی ہوتے کھانے اور سب سے بدترین، اس کی شراب کی بُو کو محسوس کر سکتی تھی، ایک شفاف مائع جو وہ ایک لمبے گلاس میں انڈیلتا، اور اسے اپنے ہاتھ میں یوں جھلاتا جیسے اس سے چھپا رہا ہو، وہ بُو جو پسینے اور

پینٹ کی طرح ہوا میں منڈلاتی تھی۔

اسامہ شاہ کے دروازہ کھولنے پر انیتا اپنی نظریں جھکا لیتی تا کہ وہ اس کے دوبارہ مانگنے کے لیے آنے پر اس کی جانب سے تحقیر کو نہ دیکھ پائے۔ وہ اپنی والدہ کی درخواست دہرا دیتی اور اسامہ باورچی خانے کے شیلفوں میں وہ کچھ تلاش کرتے ہوئے جو اُس نے مانگا تھا، کچھ نہ کہتا۔

انیتا اس مہربانی کے لیے شکر گزار تھی، وہ اس کی شکر گزار تھی کہ وہ اس کی موجودگی پر کبھی حیران یا ناراض دکھائی نہیں دیا۔ اس نے کبھی بھی اس کے حالات میں دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا، کبھی بھی اس کی پڑھائی یا موسم کے بارے میں اِدھر اُدھر کی باتیں یا بے معنی گپ شپ نہیں کی۔

لیکن پھر بھی، اس نے اپنے دبلے پتلے بازوؤں کو اپنے پیٹ پر باندھ لیا۔ وہ وہاں نہیں جانا چاہتی تھی۔ انیتا کبھی بھی نہ جانتی تھی کہ بوڑھے سے کیا کہے، حتیٰ کہ ابھی تک نہیں جب وہ بڑی عمر کی ہو چکی تھی، تقریباً سولہ برس کی۔

''وہ آدمی تمہیں پسند کرتا ہے۔ تمہیں جانا ہوگا۔''

بچپن میں، ایذرا نے انیتا کو بتایا تھا کہ ڈرامے میں کوئی شخص دھات کی بالٹی سے نقرئی چمٹے سے برف کی کیوب اٹھا کر شراب پی رہا تھا۔ لوگ شراب کیوں پیتے ہیں؟ انیتا نے اپنے بھائی سے پوچھا تھا۔ اس نے پہلے اس نے کبھی کسی کو مے نوشی کرتے نہیں دیکھا تھا۔ کیا وہ میٹھی ہوتی ہے؟

ایذرا نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، ''لوگ شراب پیتے ہیں کیوں کہ اس کا ذائقہ جنت کا ہے۔'' اگرچہ وہ اپنی بہن سے محض چھے سال بڑا تھا، لیکن وہ اس پر اپنی عمر اور زیادہ تجربے کا خوب رعب جماتا تھا۔ ''کیوں کہ یہ پینے والے کو اپنے تمام دُکھ بھلا دیتی ہے۔''

اُسی نے اسے بتایا تھا کہ پڑوس والا آدمی روزانہ شراب پیتا تھا۔ حالاں کہ وہ غریب تھا۔

تب انیتا چوتھی جماعت میں تھی، اس کی اپنی پریشانیاں تھیں۔ اس کے پاس غریب ہونے کی فکر کرنے کا وقت نہیں تھا۔ سکول میں، اس کے ساتھ بنچ پر بیٹھنے والی لڑکیاں اس کو ایڑیاں مارتی تھیں۔ انیتا نے ٹانگ پر ٹانگ رکھنا، انہیں ایک دوسرے سے لپیٹ کر بیٹھنا سیکھ لیا تا کہ اپنے ٹخنوں کی پتلی نسوں کی حفاظت اپنے سکول کے سیاہ مضبوط جوتوں سے کر سکے۔ لیکن لڑکیوں نے انیتا روز کو یہ بتانے کے کچھ اور مبہم طریقے ڈھونڈ لیے کہ اس کے بارے میں ان کا کیا خیال تھا۔ ''گھر جاؤ۔'' میرا ڈیسک سے انیتا کی کاپی کھینچ کر پھنکارتی۔

لیڈی گرلز انگلش میڈیم کالج کے پریپ سے میٹرک کلاس روم کے سامنے، ایک استانی جس ہاتھوں کے ناخن بے رنگے اور خمیدہ ہیں، بلند آواز میں پہاڑے پڑھ رہی ہے: ''دو دونی چار، تین تیا نو، چار چو کے سولہ، پانچ پانچے پچیس۔'' ہر پہاڑے کے ساتھ، استانی رولر اپنی ہتھیلی پر مارتی ہے۔ ''چھے چھکے چھتیس، سات ساتے انچاس۔''

بنچ والی لڑکیاں انیتا کو سکوڑتے ہوئے، ساتھ ساتھ مل کر بیٹھ جاتیں۔ انیتا اپنی کہنیوں سے انہیں پیچھے دھکیل کر اپنی جگہ کا دفاع کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی، لیکن جب وہ اس پر دباؤ ڈالتی رہتیں تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی آگے ہو جاتی اور لکڑی کی سخت نشست کے کنارے پر ٹک جاتی۔ نئی، برمحل حرکتوں کے ساتھ، کوئی اس کی گردن پر چٹکی کاٹتی یا اس کی قمیص کے کالر پر تھوک دیتی۔ لیکن میرا عام طور پر اس کے بال کھینچتی۔ انیتا پیچھے مڑے بغیر اس صبح پونی ٹیل کی صورت باندھے ہوئے بال اکٹھے کرتی اور اپنے سر کے عین اوپر انہیں ربر بینڈ سے ایک جوڑے کی صورت میں سمیٹ لیتی۔

''کتے کی بچی۔'' میرا سرگوشی کرتی، اس کی آواز ٹیچر کے پہاڑہ پڑھنے کی بھنبھناہٹ میں دب جاتی۔ صبح سویرے اس کی سانس میں ہمیشہ پیاز اور اچار کی بُو ہوتی تھی۔ ''یہاں تمہیں کوئی نہیں چاہتا۔''

اشارے پر، بنچ پر بیٹھی دوسری لڑکیوں میں سے ایک اپنا گھٹنا سیدھا اپنے سینے تک اٹھاتی اور انیتا کی پیٹھ پر سختی سے مار کر اسے زمین پر گرا دیتی۔ انیتا آسانی سے اپنی سیٹ سے پھسل جاتی اور زمین پر گرتے ہوئے اس کا رخسار میز سے ٹکرا جاتا۔

''انیتا!'' زنوبیا نے اپنا چکنا تیل بھرا ہاتھ اپنے کولہوں سے صاف کیا۔ اس کی قمیص سرسوں کے پھولوں کی ڈنڈیوں کی طرح ہلکے سبز رنگ کی تھی۔ انیتا اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی اور کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ کونے میں وہ تین رلی رکھی تھیں جنہیں وہ روزانہ رات سونے کے لیے پھیلاتے تھے، اس کی ماں کا تیلوں کا بوسیدہ پلاسٹک بیگ، ان کا چھوٹا ککر، پلیٹوں کا ایک ڈھیر جسے اس کی ماں نے پھٹے ہوئے دوپٹے میں لپیٹ رکھا تھا۔ دیوار پر، چھوٹی سی ایک الماری کے اوپری حصے پر جہاں وہ اپنے کپڑے اور سکول کی کتابیں رکھتے تھے، مڑی تڑی مسلی ہوئی تصویر کے سائز کا چمک دار کاغذ کا ایک ٹکڑا دھرا تھا۔ اپنے نیلے لباس میں، یسوع مسیح کا دل فروزاں تھا۔ ایک ہاتھ سے انہوں نے شعلوں کی طرف اشارہ کیا، دوسرے ہاتھ سے وہ اسے دنیا سے پناہ دیئے ہوئے تھے۔

سنی

پورٹسماؤتھ، 2015ء

کرکٹ سنی کی زندگی کی پہلی محبت تھی۔ یہ جینٹل مین کا کھیل تھا، ایک سست رفتار، نفیس کھیل جس سے نہ صرف کسی کھلاڑی کی جسمانی قوتِ برداشت میں اضافہ ہوتا بلکہ شعور میں بھی۔ لیکن جب پورٹسماؤتھ یونیورسٹی میں اسے معمولی ایتھلیٹک سکالرشپ ملا، تو یہ فاسٹ باؤلنگ کی بجائے باکسنگ تھی جس کے زور پر سنی کو منتخب کیا گیا تھا۔

اپنی ذاتی ناکامیوں سے قطع نظر، سلیمان جمیل کو اپنے بیٹے کی کامیابیوں نے ہمیشہ مسرور کیا۔ سنی کی فتوحات اس سے زیادہ تیزی سے نہیں ہوسکتی تھیں۔ پہلے ایک شاندار یونیورسٹی سے بیچلر ڈگری، پھر پھلتی پھولتی صنعت میں اچھی ملازمت، پھر شہر میں ایک دفتر، ایک جیکوار، ایک پُرشوق اور محبت کرنے والی بیوی، کچھ بچے۔ مخلوط نسل، ہندو، مسلمان... سلیمان جمیل کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

یہی سب تھا جو سنی نے کبھی گھر میں سنا تھا۔

کچھ اور بنو۔ کچھ اور کرو۔ بہتر بنو۔ زیادہ سے زیادہ موزوں رہو۔ زیادہ کوشش کرو، سخت محنت کرو۔ کسی لگی بندھی ملازمت میں مت پھنسے رہو۔ راہ میں ملنے والی پہلی ہی لڑکی سے شادی مت کرلو۔ زندگی بھر غلام مت بنے رہنا۔ اپنی زندگی کی اپنی ناکامیوں سے خود کو غائب کرتے ہوئے، اپنے ذاتی صدموں کو عمومی مشوروں میں بدلتے ہوئے ''پا'' نے اپنے بھورے نرم بالوں کو درست کرتے ہوئے، جن کا رنگ عمر کے ساتھ اڑتا جارہا تھا، اپنے بارہا کہے اقوال کو پھر دہرایا۔

میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو، اُنھوں نے اپنے بیٹے سے بار بار کہا۔ کون باپ اس وقت سے پہلے آرام کرسکتا ہے جب تک کہ وہ اپنے لڑکے کو آباد نہ دیکھ لے؟

جب وہ پارک میں دوڑ لگانے کے بعد گھر پہنچا تو پا کو کچن کی میز پر بیٹھے دیکھا۔ ان کے

سامنے سیکنڈ کلاس مہر والا منظوری کا خط تھا، اسے ہنسی آ گئی۔ یوں محسوس ہوا، پہلی بار ان کے ہاتھوں کچھ ٹھیک ہوا تھا۔ وہ پپا کے لیے ہی بزنس سٹڈیز کی تعلیم حاصل کرے گا۔ وہ خود اسلامی تاریخ یا سپورٹس تھراپی کو ترجیح دیتا، لیکن اس میں پیسہ نہیں تھا، مستقبل بھی نہیں۔ اور مستقبل ہی تھا جو کوئی آدمی وا قعتاً رکھ سکتا تھا۔

اس کے رنڈوے پپا، سلیمان جمیل اپنے ہاتھوں میں منظوری کا خط تھام کر دھیرے سے گنگنائے، ''میرے بیٹے۔'' سنی سیکنڈ کلاس مہر والا لفافہ اپنے والد کو دکھانے کے لیے کچن کے کاؤنٹر پر چھوڑ گیا تھا۔ یہ ان چند بار میں سے ایک تھا جب اس نے ان کی اجازت چاہی تھی۔ ''کیا کام کیا ہے تم نے؟... تم نے کیسا حیرت انگیز کام کیا ہے... '' یوں جیسے پپا کو اس جگہ کے بارے میں سب کچھ معلوم تھا، جیسے وہ خود گئے ہوں۔ وہ یونیورسٹی نہیں گئے تھے، اپنے پرانے ملک میں صرف کسی پولی ٹیکنیک میں، لیکن ان کے والدین اس کے بھی متحمل نہیں تھے اور ایک سال بعد پپا کو اسے چھوڑنا پڑا۔ اپنی زندگی کے ڈرامے کو ہر بار اضافی تفصیلات کے ساتھ آراستہ کرتے ہوئے، یہ وہ کہانی تھی جو انہوں نے سنی کو بارہا سنائی تھی۔

یہ اُن کی زندگی کے المیہ واقعات میں سے پہلا تھا۔

سلیمان جمیل نے تعلیم حاصل نہیں کی تھی، لہٰذا وہ جس زندگی کے مستحق تھے، وہ انہیں نہ ملی۔ اپنی نوجوانی میں، انہوں نے بیڑی کی میٹھی خوشبو، مصالحہ چائے اور آلو کے سموسے کی مہک سے بسے سینما گھروں میں اپنے وقت کی تمام عظیم جیمز بانڈ فلمیں دیکھی تھیں۔Moonraker، Live and Let Die، Octopussy دیکھیں اور دوبارہ دیکھیں۔ لائبریری میں آئن فلیمنگ کی تمام کتابیں تلاش کیں۔

وہ ان کا طویل عرصے سے گمشدہ بہترین دوست نور محمد تھا، سلیمان جمیل نے جس کے ساتھ پہلی جیمز بانڈ فلم دیکھی تھی۔ سینما کی خستہ حال چرمی نشستوں میں جکڑے ہوئے، انہوں نے ساتھ مل کر ski کا تعاقب کرتی کار، فوراً بے لباس ہونے والی عورتوں اور 007 کو دیکھا جو ایک کے بعد ایک اعلیٰ افسر کی نافرمانی کرتے ہوئے اور اس دوران سیکریٹریوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے، چمکتے دمکتے نفیس MI6 دفاتر کے نوٹس لیتا۔ جب پروجیکٹر کی روشنی کو دھندلاتے ہوئے ان کے گرد بیڑی کا دھواں بڑھ جاتا، دونوں دوست اپنی سیٹوں کے بازو تھام لیتے اور ایک لفظ بھی نہ بولتے۔ فلم کے ختم ہونے کے بعد شرلی باسی کا گیت گونجنے لگا۔ اور جب وہ نیم تاریک کاریڈور سے ہوتے ہوئے سینما کے صحن میں پہنچے، ان کی آنکھیں سہ پہر کی تیز روشنی سے مانوس ہو رہی ہوتیں، تب نور محمد نے ان کی مرعوب خاموشی کو توڑا۔

''بھائی، وہ دفتر۔'' وہ کہہ اٹھا، ''وہ بہت صاف ستھرے تھے۔''

لکھنؤ میں پولی ٹیکنک کے بعد، لیکن پورٹسماؤتھ اور ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کر کے وہاں پہنچنے سے پہلے، دہلی کے جنپتھ میں ٹریول ایجنٹ کے اسے دھوکہ دینے سے پہلے، ایئر انڈیا کی ایک فلائٹ سے جس میں ساری پہنے ہوئے اعلیٰ مگر نااہل سٹیورڈس عملہ تعینات تھا، جو چیخم دھاڑ کرتے بچوں اور سِک بیگز کی بُو سے بھرا تھا، اور جس میں سلیمان جمیل اتنا مضبوط ہونے کا تصور نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی توقعات کا

بوجھ جلاوطنی کے کالے پانیوں میں لے جاسکے... ان سے پہلے کہ جب اس نے ایک ہی براؤن سوٹ کیس میں اپنی زندگی باندھی، سلیمان جمیل کو اپنی زندگی کا دوسرا المیہ دوچار تھا: شادی۔

اس کی سیکنڈ کزن، راج ہنس سی ایک لڑکی - چپل پہن کر بھی وہ سلیمان سے زیادہ لمبی تھی - قابل عقد نہ تھی۔ صفیہ بیگم نہایت سانولی رنگت والی، سخت مزاج اور اتنی کم آمیز تھی کہ اسے اپنے ساتھیوں میں کوئی جوڑ نہ ملا۔ اس کے غریب مسلمان کنبے نے ستاروں کو اس کے حق میں کرنے کی امید میں اسے کسی مغل شہزادی کے لیے موزوں نام کا تحفہ دیا تھا۔ لیکن انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ قرض اور عدم اداشدہ ادھار کا معاملہ برابر کرنا، صفیہ بیگم کی قسمت بدلنے کے لیے کافی تھا۔ ''ضروری نہیں کہ تم اس سے محبت کرو۔'' سلیمان جمیل کے والد نے شادی کی رات اپنے بیٹے سے کہا۔ ''تم سے ایسے کسی عہد کی توقع نہیں۔'' جمیل سینئر نے اپنے بیٹے کو صلاح دی۔

لیکن سلیمان جمیل اپنی بیوی سے شدت اور جوش و ولولے سے محبت کرنا چاہتا تھا، جس طرح اس نے جیمز بانڈ کو مس منی پینی اور ان تمام لچکیلی جمناسٹس اور گلیمرس ولن سے کرتے دیکھا تھا۔ جب وہ شوہر اور بیوی بنے تو پہلی رات وہ بستر پر اس کے پاس بیٹھ گیا اور کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ صفیہ بیگم کے بالوں میں صندل کی خوشبو تھی اور اس کے ہاتھ مہندی سے رنگے ہوئے تھے... ایسی خوشبو جس سے وہ فطری طور پر دُور رہتا، لیکن پھر بھی وہ کوشش کرنا چاہتا تھا۔ جب سلیمان جمیل نے اپنی دلہن کا ہاتھ تھامنا چاہا تو اس نے ہاتھ پرے کھینچ لیا۔

المیہ نمبر دو: ضروری نہ تھا کہ وہ اس عورت سے پیار کرتا جس سے اس نے شادی کی تھی۔

المیہ نمبر تین: اس کی بیوی کو بھی اس سے پیار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

سلیمان جمیل کبھی بھی صحیح وقت پر صحیح جگہ پر نہ تھا۔ یہی زندگی کا کلیہ تھا، اسے ہمیشہ سے یقین تھا، ٹائمنگ۔ لیکن کاش یہ اتنا ہی آسان ہوتا۔ بہرحال، کون ہندوستانی وقت پر یقین رکھتا تھا؟

یہاں تک کہ یہ ہندوستانی، اپنی پیدائش کے وقت سے ہمیشہ فرار ہوتے، اپنے خاندانی گھر، اپنے پولی ٹیکنک کالج، انگلینڈ کی پرواز لیتے ہوئے، یہاں تک کہ اِس کے پاس بھی ایسی جرأت نہ تھی کہ خود کو وقت کی طاقت کے بارے میں فریب میں رکھے۔

نور محمد کا اصرار تھا کہ اس کا دوست غلط فیصلہ لے رہا تھا۔ ''سو فی صد، بھائی، تم غلط کر رہے ہو۔'' جب سلیمان جمیل نے انگلینڈ میں آباد ہونے کے اپنے منصوبوں کو بیان کیا تو اس نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ نور محمد نے استدلال کیا کہ ''ان کے پاس اب دنیا کو پیش کرنے کے لیے کچھ نہیں۔ وہ کپاس نہیں اگاتے، تمبا کو نہیں لگاتے، یہاں تک کہ انگریز کے اُن سرد علاقوں میں باسمتی کا ایک تنکا بھی نہیں اُگتا۔''

نور محمد، سلیمان جمیل کی طرح، انگلینڈ سے واقف نہیں تھا۔ اسے ہندوستان میں الگ تھلگ رہنے کے سوا کچھ معلوم نہ تھا۔ لیکن نور محمد وہیں ٹھہرتا، اس نے اپنا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ سلیمان جمیل کے

اکسانے میں نہ آتا۔ اس نے مستقبل کو مشرق کی طرف رخ کرتے دیکھا۔ بالآخر آزاد ہندوستان نے اپنے بازو دنیا کے لیے کھول دیئے تھے۔

''لیکن، نور محمد۔'' سلیمان نے اپنے عزیز دوست کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے آخری بار راضی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے متنبہ کیا، ''اگر تم ابھی نہیں چلتے تو تمہیں شاید دوسرا موقع نہیں مل سکے گا۔''

''میں بعد میں کیوں جانا چاہوں گا؟'' نور محمد نے معصومیت سے جواب دیا۔ وہ ایک تجارتی منصوبے پر کام کر رہا تھا، ایک اعلیٰ تجارتی منصوبہ۔ وہ ان بڑوں سے بات کر رہا تھا جو اسے اِدھر ایک لاکھ، اُدھر دس ہزار قرض دیتے، اور وہ ان کے پیسے لے کر ورانسی جا رہا تھا، جہاں وہ خصوصاً غیر ملکی سفر کرنے والوں کے لیے ایک ٹور کمپنی بنانے والا تھا۔ سلیمان جمیل نے نور محمد سے جو کچھ بھی کہتا، وہ ٹس سے مس بھی نہ ہوتا۔ نور محمد نے یقین دلایا کہ یہ ایک اعلیٰ کاروباری منصوبہ تھا۔ وہ نہیں جائے گا۔

حیرت انگیز اور شان دار بونڈ کا کردار نبھانے والے ٹموتھی ڈیلٹن کی License to Kill دیکھنے کے بعد سینما سے باہر نکلتے ہوئے، سلیمان جمیل نے آخری بار ملاقات میں اپنے دوست کو گلے لگا لیا۔ اس کے باوجود کہ وہ سمجھ چکا تھا کہ سنیما کی عظمت کی بنیاد جھوٹ ہے، سلیمان جمیل نے پھر بھی تصور کیا کہ جلاوطنی کے بعد جو دنیا اس سے ملاقات کرے گی، وہ (ترجیحی طور پر) راجر مور کی فلمی زندگی کے گلیمر اور جوش وخروش سے کچھ مماثلت رکھتی ہوگی۔ وہ احمق نہ تھا، لیکن اسے امید تھی کہ اگر رولے ٹیبلو، ٹکسیڈوز، ایسٹون مارٹنز اور طرح دار گیجٹ قریب نہ بھی ہوتے تو وہ کم از کم اپنے صاف ستھرے وجود یا زندگی کے قریب ہوگا۔

کم از کم، سلیمان جمیل ٹوئیڈ پہنے ہوئے، چاندی کے نقاشی والے سگریٹ کیس سے نفیس سگریٹ نکال کر پیتا اور ہر قسم کی جدت سے آراستہ چمکتے دمکتے مکان میں رہتا۔ یہ شرم کی بات تھی کہ نور محمد کو محسوس ہوا کہ وہ ان ہی چیزوں کا مستحق نہیں، اس سے بھی زیادہ شرم انگیز بات کہ وہ ان کے لیے قربانی دینے کو تیار نہیں تھا۔

''خدا حافظ۔'' سلیمان جمیل نے اپنی فکروں کو دل میں دباتے ہوئے، جدا ہوتے وقت نور محمد کو محبت سے دعا دی۔ اب سلیمان جمیل کے جانے کے بعد اس کے دوست کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ کاروبار ختم ہونے کے بعد کون اسے سنبھالے اور اس کی حوصلہ افزائی کرے گا؟

سلیمان جمیل نے نور محمد کے ہاتھ میں پانچ ہزار روپے دیئے۔ یہ کچھ بھی نہیں تھا، وہ مگر اسی کا متحمل ہوسکتا تھا۔ یہ رقم اُن کی شادی پر اسے اور صفیہ بیگم کو دی گئی سلامیوں میں سے تھی۔ ''بس کچھ تھوڑا سا۔'' اپنے دوست کا ہاتھ خجالت سے تھپتھپاتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔ اس نے غور کیا کہ نور محمد نے یہ عطیہ لینے سے انکار نہیں کیا تھا۔ نور محمد نے آداب سے کام لیتے ہوئے تحفے سے انکار کا دکھاوا نہ کیا۔ اس پر سلیمان جمیل کو حیرت ہوئی، بلکہ وہ غمگین بھی ہوا۔ یہاں تک کہ اپنے ''اعلیٰ کاروباری'' منصوبے پر کام کرنے سے پہلے ہی، نور محمد کو اس بات کا اعتراف تھا کہ ناکامی ہوگی۔ سلیمان جمیل نے اس مزید یقین کے ساتھ لکھنؤ کو

چھوڑا کہ اچھی زندگی صرف انہی کی منتظر ہوتی ہے جو ہمت کریں۔

لیکن جس لمحے وہ موسم خزاں کی ایک صبح ہیتھرو پر اترا، کے پی شاہانی اینڈ سنز کے سلے گیبرڈین سوٹ میں بھی سردی نے اسے فوراً ہی چھید دیا۔ یوں لگا جیسے اس نے ہندوستان کبھی چھوڑا ہی نہیں تھا۔ اس نے ایئر پورٹ پر صفائی کرنے والوں کو پنجابی میں باتیں کرتے سنا، امیگریشن کاؤنٹر پر ایک ہندو خاتون افسر نے بڑی سختی اور بدتمیزی سے اس سے پوچھ گچھ کی، جو ابھی بھی بظاہر ہندوستان کی تقسیم پر اس جیسے پڑھے لکھے مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرا رہی تھی۔ اسے ساؤتھ کی جانب ٹرین کا لمبا سفر کرنا پڑا، اپنے روابط گنوا کر، جنہیں غیر معقول حد تک تاخیر ہو گئی تھی، سلیمان جمیل اور اس کی نئی نویلی دلہن (جو déjà vu کے اس المیہ سلسلے پر کم حیران تھی) کو، آس پاس موجود گندے بالوں کی سڑی ہوئی بُو دیتے سیلانیوں کی طرح سرد ٹرین سٹیشن پر اپنے کپڑوں کے سوٹ کیس پر سکڑ سمٹ کر سونے پر مجبور ہونا پڑا، سیلانی جن کی بانہیں پیار سے اپنے سامان کے سیاہ رنگ تھیلوں کو گلے لگائے ہوئے تھیں اور ان کے اطراف میں شاپنگ ٹرالیاں کھڑی تھیں۔

اس کے برادر نسبتی نے اس کے لیے فریٹن سٹیشن پر ملازمت تلاش کی تھی، سلیمان جمیل نے اپنی بیوی کو سرگوشی میں بتایا جس نے رات کے گرتے ہوئے درجہ حرارت سے بچاؤ کے لیے بھیڑ کی اون کا اپنا کارڈیگن اپنے گرد لپیٹ لیا۔ وہ اناؤنسر ہوگا، لیکن اس نے ایک روز پہلے کی نسبت کم فخر کے ساتھ یہ لفظ ادا کیا۔ ایک اناؤنسر۔ اس نے لکھنؤ میں برٹش کونسل میں طرز تقریر پر اسباق لیے تھے۔ وہ یہ کام ٹھیک کر لے گا، سلیمان نے عزم کے ساتھ اپنا سر ہلاتے ہوئے عہد کیا۔ کہ وہ بالکل ٹھیک کرے گا، ٹھیک ہے۔

لیکن جو کچھ سلیمان جمیل کو پورٹسماؤتھ میں ملا تھا، وہ گھر کا Replica ہی تھا: کچن سے اٹھتی سالن کی خوشبو، دیواروں سے چپٹی میتھی کی تلخ خوشبو۔ ہر ایک۔ اس کی بہن، اس کے لکھنؤ کے سب ہی تارک وطن دوست اور ہمسائے، لیکن ان میں سے سب سے زیادہ وہ خود۔ اس سے زیادہ عظیم اور صاف ستھری زندگی کی مہیب توقع میں، جو کبھی ملتی دکھائی نہ دیتی تھی، اپنے سر جھکائے اور اپنی سانسوں کو تھامے ہوئے تھے۔

سات میں سے چار ایسے (یا اس کے مزاج پر انحصار کرتے ہوئے پانچ) جن میں سفر کی خجل خواری، ہجرت، مانوس زبان کے باوجود اس کے نئے لحن اور لہجوں میں مہارت کی تگ و دو شامل تھے، پورٹسماؤتھ میں اجنبی دکھائی دیئے، اور اس کے ساتھ اس کی بیوی کی مسلسل بڑھتی بیگانگی۔

اپنے نئے مکان کو گھر بنانے کے لیے سلیمان جمیل ہر اتوار کی صبح اپنی بیوی کے لیے پھول لاتا۔ پارک سے چنے گئے کچھ ڈیزی، کوئی فضول خرچی نہیں، لیکن اس کی اس ادا پر بھی توجہ نہیں دی گئی۔ اس نے ''آج کا دن کیسا گزرے گا'' صفحے پر دی نیوز کو کھلا چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنے برج کے متعلق پڑھ سکے، لیکن پرنسس ڈی کے مضامین کاٹ کر اور تراشے اکٹھا کرنے کے علاوہ، صفیہ بیگم اخبار کو صرف تازہ تلے ہوئے پیاز کا تیل جذب کرنے کے لیے استعمال کیا کرتی تھی۔

سلیمان جمیل کا حوصلہ بڑھا کہ صفیہ بیگم، مسحور کن انگریز شاہی خاندان میں دلچسپی لے رہی تھی، اسے راحت ملی کہ وہ آخر کار اپنے نئے ملک میں دلچسپی لے رہی تھی۔ اس نے دل کی گہرائیوں سے امید کی کہ اس کی وجہ سے اس کی بیوی ذرا کھل جائے گی اور اس نے سوچا کہ وہ کچھ کچھ اس کی پسندیدہ فلموں کی آزاد عورتوں کی طرح ہونے لگے گی۔

ایک صبح جب وہ سو رہی تھی، اس سے پہلے کہ وہ سمجھ پاتے کہ جسم کی حرارت کیسے کام کرتی ہے، بستر کی پائنتی پر بیٹھے سلیمان جمیل نے صفیہ بیگم کے پیر اپنے ہاتھوں میں لیے۔ اس کی ایڑیوں کو اپنی ہتھیلیوں میں بھرتے ہوئے اس نے انہیں دبایا اور اپنی بیوی کی جلد کو اپنے ہاتھوں سے گرم کرنے کی کوشش کی۔ کچھ منٹ تو صفیہ بیگم بالکل نہیں ہلی۔ وہ بستر پر لیٹی رہی، اس کے گھٹنے اس کے سینے سے لگے ہوئے تھے، اور اپنے شوہر کو اپنے پیروں کی مالش کرنے دی۔ تم نے دیکھا، سلیمان نے آہستہ سے کہا، ہمیں یہاں ایک دوسرے کی کتنی ضرورت ہے؟ یہاں صرف ہم ہی ہیں، صفیہ بیگم۔ ہمارے پاس اور کوئی نہیں۔

اس نے پہلے کبھی کسی کی ٹانگوں کی مالش نہیں کی تھی، سوائے اپنی ماں کی۔ اپنا انگوٹھا وہ نرمی سے صفیہ بیگم کے ٹخنے تک لے گیا، بالکل جیسے اس نے بچپن میں کیا تھا۔ سلیمان جمیل نے اپنے بدن کو جھکایا اور اپنے ہونٹ اپنی بیوی کے پیروں کی محراب کے اوپر نفیس جلد پر رکھ دیئے، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کے پاؤں چوم سکتا، صفیہ بیگم نے اپنی ٹانگیں سکیڑ لیں۔ ''مکروہ مت بنو۔'' وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے جھلا " کر بولی اور بستر سے اتر گئی۔ اس نے اپنے پاؤں چپل میں ڈالے اور اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس کو جسم پر سختی سے لپیٹ لیا۔ ''میں Fergie نہیں ہوں۔'' وہ بیڈروم کے دروازے کو زور سے بند کرتے ہوئے چلائی۔

اس نے بعد میں اپنے شوہر سے شکایت کی کہ انگلینڈ نے اسے جنسی طور پر گمراہ کر دیا تھا۔

پورٹسماؤتھ زیادہ بڑا نہیں تھا، وہ یقینی طور پر لندن نہیں تھا۔ لیکن یہ ابھی بھی ورانسی سے ایک قدم آگے ہی تھا۔

دس پاؤنڈ کا نوٹ سفید کاغذ کی تہ میں اس طرح لپیٹتے ہوئے کہ وہ ایئر میل کے نیلے لفافے سے ظاہر نہ ہو، سلیمان جمیل نے اس صاف ستھری زندگی کے بارے میں نور محمد کو لکھا کہ جو وہ آہستہ آہستہ مگر مستحکم طور پر بنا رہا تھا۔ یہ ایسے جھوٹ تھے جو کبھی نور محمد کی گرفت میں نہ آتے، کیوں کہ وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ انگلینڈ کتنا غریب تھا، اکثر حیران کن طور پر۔ اس کے چھوٹے چھوٹے مکانات، دھوپ سے محروم بندرگاہ اور بیئر کی بُو میں لپٹی ہوئی سڑکیں، یہاں تک کہ صبح سویرے بھی، یہ زندگی کی اُس نئی شروعات کو سامنے لانے میں ناکام رہا تھا، جس کا تصور سلیمان جمیل نے کیا تھا۔

تنہائی کی ایک خوشبو تھی کہ جس سے پورٹسماؤتھ میں سلیمان جمیل کو رفاقت مل گئی تھی۔ یہ کسی فٹ بال میچ کے بعد سڑکوں کی، بارش کی، بلیوں کے بالوں کی بُو یا بلیوں کے پیشاب کی بدبُو والے پنشنرز کی اداس باس تھی، تیز اور زیادہ طاقتور، جب آپ سپر مارکیٹ یا ڈاک خانے میں ان کے دھبے دار

جسموں کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے جن پر بڑھاپے کی نیلی اور جامنی خراشوں کے داغ ہوتے۔

اس نے انگلستان کی اس غربت سے تنفر محسوس کیا، ہندوستان کی غربت سے بھی زیادہ۔ سڑکوں پر پھیلے کھانے کے خالی ڈبوں کی غربت، بے حرارت گھروں اور جوئے کی دکانوں کی انتظار گاہوں میں ناسور کی طرح پکتی غربت، جینز سے جھانکتے زرد چوتڑ، Clingfilm (باریک پولی تھین کی تہ) تلے کاہل الوجود عورتیں، برصغیر کے لایعنی جان مارتے عوام پر بے وقوفانہ طور پر اپنے فائدے برباد کرتے۔

اس نے امید کی کہ ایک دن اس کا نوزائیدہ بیٹا اس مایوس کن نصیب سے بچ جائے گا۔ پڑھے لکھے اور کھاتے پیتے افراد کی اس غربت سے بچ جائے گا، جو ہندوستان کی کباڑیوں کی سی مفلسی سے کہیں زیادہ خوف انگیز تھی۔

لیکن سلیمان جمیل، پورٹسماؤتھ ہی کا متحمل ہوسکتا تھا۔ یہیں کے لوگوں کو وہ جانتا تھا، دوسرے لوگ جو لکھنؤ سے یہاں پہنچے اور اسے یہاں بلایا تھا، انہوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ نئی جواں مرد زندگی کی کنجیاں اس کے پاس ہوں گی۔ لیکن انگلینڈ، سرد اور بیزار کن اور خاموش تھا۔ بدترین خاموشی تھی، اس محبت سے عاری گھر اور ان گلیوں میں، جہاں مائیں اپنے بچوں کو خاموش کرواتیں اور مرد ایک دوسرے سے تو اونچی آواز میں بات کرتے، لیکن گزرتے کسی اجنبی سے کبھی نہیں۔

کوئی جانور نہ تھے، نہ بیل گاڑیاں، نہ گوبر کی آگ سے اٹھتی دھواں بھری بُو، نہ ہی نہروں میں تیرتے چیختے چلاتے بچے تھے۔ کچھ بھی نہیں۔ روزانہ موت کی سی خاموشی خیر مقدم کرتی تھی، دن اور رات کے درمیان طویل تنہا گھنٹے جن کا تسلسل صرف چرچ کی گھنٹیوں سے ٹوٹتا تھا۔

بیڑی کی بُو میں بسے سینما گھروں اور عرصہ پرانی جیمز بانڈ فلموں سے ابھرنے والا سلیمان جمیل ایڈونچر اور خوبصورتی کا خواہش مند تھا، لیکن اس کی بجائے اسے انگلینڈ میں ایک ایسی سرد طاقت ملی تھی جس نے محبت اور قربت کے تمام امکانات کو برباد کر دیا تھا۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو دلدلی اور کنکریوں بھری ٹوٹی گزرگاہوں اور دھول بھری سڑکوں کی چاہ کرتے پایا، وہی جن سے اس نے فرار ہونا چاہا تھا، بدبختی جس میں کبھی کسی طاقت ور کے لیے بھی یہ فراموش کرنا ممکن نہ تھا کہ وہ ایک انسان اور کمزور تھا۔

مجھے اس کی توقع نہ تھی، سلیمان جمیل نے اپنی بیوی سے اس کا اعتراف کیا۔ کچن کاؤنٹر پر کھڑی اپنے دبلے پتلے ہاتھوں سے آٹا گوندھتی اس کی بیوی نے اپنا رخ اس کی جانب موڑا۔ اس کے کندھے کا چھوٹا سا خم آٹا گوندھتے ہوئے بہت پُرکشش انداز میں متحرک ہوا، لیکن صفیہ بیگم نے کچھ کہا نہیں۔ وہ اس اجنبی، نامانوس سرزمین میں اپنے اکلوتے دوست، اپنے شوہر کو تسلی دینے کے لیے مڑی نہیں۔ اور تم؟ سلیمان جمیل نے بڑی چاہت سے، دوستی اور دردمندی کی جستجو میں، حتیٰ کہ عام سی بے تکلف یکجہتی کا اشارہ چاہتے ہوئے پوچھا تھا۔

صفیہ بیگم نے گوندھے آٹے کو جہاں تک ہوسکا، بیلتے ہوئے باورچی خانے کے کاؤنٹر سے اپنے پیٹ سے ٹیک لگائی۔ مجھے کسی چیز کی توقع نہیں تھی، آخر کار اس نے چہرے کا رخ اپنے شوہر کی جانب موڑے بغیر جواب دیا... شوہر جس کی جلد انگریز موسم سرما میں زرد اور راکھ سی ہو چکی تھی۔

سلیمان جمیل کی تنہائی صرف اس رنج سے کم ہوئی جس نے اس کے دل کو اس طور بھر دیا جس کی اسے امید نہیں تھی۔ صفیہ بیگم چھاتی کے کینسر کے ایک شدید اور فیصلہ کن حملے میں اچانک دم توڑ گئی، وہ ان کے دو سالہ بچے کو دیکھ بھال کے لیے پیچھے چھوڑ گئی۔

حتیٰ کہ بیماری میں بھی، کینسر کے پھیلنے اور اس کے جسم کو کھا جانے کے بعد بھی، تب بھی صفیہ بیگم اپنے شوہر کی طرف بڑھی نہ ہی اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے اپنی کینسر زدہ چھاتیوں، موت کی باس جو اسے گھیرے ہوئے تھی، بالوں کے نرم گچھے جو اس کے کندھوں پر خشکی کی طرح گرتے تھے، دیکھ کر شرمندگی ہوتی تھی، لہٰذا اس نے خود کو مزید اجنبی بنا لیا۔ آخر کار موت کی صورت، وہ اپنے شوہر سے آزاد ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ مجھے سکون سے مرنے دو، صفیہ بیگم نے سلیمان جمیل سے التجا کی۔ ایک بار ہی سہی، کیا تم مجھے جیسا میں چاہوں، نہیں چھوڑ دو گے؟

''اب دیکھو تمہیں۔'' سلیمان جمیل اپنے نوعمر بیٹے کو دیکھ کر مسکرایا۔ یہ کہانی کا اخلاقی سبق تھا: سلیمان جمیل نے اپنے پیارے اور اکلوتے لڑکے کے لیے کچھ نیا، کچھ بہتر بنانے کے لیے، اپنی زندگی کے مقدر سے لڑ گیا تھا۔ ''ہم ٹھیک رہے، ہے ناں؟''

سنی نے اپنے پپا کو دیکھ کر سر ہلایا۔

''آپ اور میں، ہم دونوں؟ ہم نے خوب کیا، ہے ناں؟''

کچن کاؤنٹر پر کھڑے، سنی نے اپنے والد کی آنکھوں کو آنسوؤں سے بھرتے دیکھا۔ اس نے اپنا سر جھکایا اور ایک بار پھر سر ہلایا۔

''تمہارا ایک گھر ہے، تمہارا ایک شہر ہے، یہاں تک کہ ایک ملک - دنیا میں ایک جگہ۔'' سلیمان جمیل کی آواز جذبات سے ٹوٹ گئی۔ ''تمہارے پاس باپ ہے جو تم سے پیار کرتا ہے۔ تمہارا بے چارہ پاپا اس سے زیادہ تمہیں کیا دے سکتا تھا؟''

صرف لمحہ بھر پہلے، یونیورسٹی آف پورٹسماؤتھ جان ڈو کا منظوری کا خط تھامے، وہ دونوں خوش تھے۔ سنی خوش تھا۔ اس نے یہ مسرت محسوس کی۔ لیکن وہ اب کھو گئی۔ خوشی رک نہیں پائی۔ سنی جمیل کے لیے کچھ بھی زیادہ دیر موجود نہ رہ پاتا تھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' سنی نے اپنے بوڑھے پپا کا کندھا دبانے کے لیے بازو آگے بڑھاتے ہوئے زیر لب کہا۔ انہیں گلے لگانے کے لیے آگے بڑھنے سے پہلے ان کا شانہ تھپتھپایا۔ اس کے پپا۔ اس کا دفاع کرنے والے، اس کے محافظ۔ ''میرے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے۔''

مونٹی

لندن، 2015ء

انگریز دارالحکومت کی شامیں خنک تھیں۔ ہوا میں زرگل کی ہلکی سی کہر کے ساتھ، لندن کا جولائی، کراچی کے موسم سرما جیسا محسوس ہوا۔ ان کا نو ویکوف میں ڈنر کا منصوبہ تھا اور پاپا نے اوبر کی بجائے ایڈیسن لی کے استعمال پر اصرار کرتے ہوئے اپنے فون سے ٹیکسی بلائی تھی۔ اکبر احمد نے کہا کہ وہ یہاں صرف Prius میں بیٹھنے نہیں آیا تھا، ڈرائیور کو شناخت بتانے - جسے تقریباً ہمیشہ محمد پکارا جاتا تھا - اور پھر گرمیوں کے دوران روزے رکھنے کے بارے میں لمبے لمبے خطبے برداشت کرنے کی خاطر۔

صرف ایک بار تھی کہ مونٹی نے نشان دہی کی، لیکن پاپا پھر بھی ناراض تھے۔ دو روز پہلے، امارات ایئر لائن کے ذریعے دبئی سے آتے ہوئے، وہ لندنی لہجے والے اوبر ڈرائیور کی خوشبو سے لدی کار میں بیٹھے تھے جس کے دو دانت سونے کے تھے اور اس نے ہونٹوں میں ایک ٹوتھ پک اٹکا رکھی تھی، جسے وہ اپنی زبان سے اِدھر اُدھر کر رہا تھا۔ کھلا یہ کہ وہ ملتان سے تھا۔

جیسے ہی انہوں نے دروازے بند کیے، پھٹی ہوئی جینز اور Juve جرسی میں ملبوس تقدس بھرے لہجے میں اس محمد نے کہا، السلام علیکم۔ سلام، مونٹی نے زیر لب کہا جبکہ ممی نے محض سر ہلایا اور پاپا نے آنکھیں گھمائیں۔

ڈرائیور نے احمد فیملی کو عقبی شیشے میں جھانکا، اس نے ہیتھرو پارکنگ سے گاڑی باہر نکالتے ہوئے اپنی نگاہیں سڑک سے پھیر کر ان کی طرف دیکھا۔ خدیجہ، ان کی نوکرانی، اگلی نشست پر بیٹھ گئی۔ زہرہ کا ہلکے سامان کا بیگ اس کے گھٹنوں میں دبا ہوا تھا، فیملی کے لیے اجازت یافتہ چار ڈیوٹی فری Laphroaig بوتلیں اس کی گود میں تھیں۔ پلاسٹک سلور کا پینٹ شدہ اللہ اکبر سامنے کے شیشے سے لٹکا ہوا تھا، M4 پر دوڑتی کار کے ساتھ وہ آہستہ سے گھوم رہا تھا۔ بسم اللہ، خدیجہ نے بوتلوں کی کھنکھناہٹ روکنے کی کوشش کرتے

ہوئے مطمئن ہوکر اپنے حجاب کو اپنے چہرے کے گرد لپیٹتے ہوئے سرگوشی کی۔ محمد نے ڈیوٹی فری بیگ کو کنکھیوں سے دیکھا اور گہری سانس بھری۔ ''استغفر اللہ!'' وہ جیسے ٹریفک کے بارے میں شکایت کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

مونٹی نے کیفے نیرو سے خریدی کافی کا ایک گھونٹ بھرا، جہاں پاپا نے کرنسی بدلوائی تھی اور ڈرائیور نے اگلی سیٹ پر بوتلوں کھنکھناہٹ سنتے ہوئے اپنی زبان دانتوں تلے دبا کر ٹوتھ پک نکال لیا اور اپنا سر ہلایا۔ ''رمضان کا پہلا ہفتہ ہے، آپ افطار تک انتظار نہیں کر سکتے تھے؟''

مونٹی گھبرا کر ہنس دیا۔ فلائٹ لمبی تھی، اس نے جواب دیا۔ سفر کے دوران آپ پر روزہ رکھنا فرض نہیں، اس نے سوچا، ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ روزہ رکھتا ہی ہو۔ زہرہ، جو فلائٹ ہو یا نہ ہو، روزہ ضرور رکھتی تھی، اس نے اپنے بیٹے کا گھٹنا تھپتھپایا اور نوجوان ڈرائیور کو نظر انداز کرتے ہوئے ابر آلود آسمان کو دیکھنے لگی۔

''یہ ہر کسی کے لیے نہیں ہے۔'' اوبر ڈرائیور نے ٹوتھ پک اپنے کان کے پیچھے اڑسنے سے پہلے کنکھیوں سے نوکرانی کو اور پھر احمد فیملی کو دیکھتے ہوئے اپنے بھاری لہجے میں بات جاری رکھی۔ ''اصلی عزم کی ضرورت ہے، ایمان کی حقیقی تفہیم کی ضرورت ہے، معلوم ہے؟''

مونٹی خوش تھا کہ خدیجہ انگریزی نہیں بول سکتی تھی اور اپنے گناہ گار کنبے کو سمجھ نہ سکتی تھی۔ پاپا کھڑکی کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے بڑبڑائے کہ ان کا سوٹ گلاب کی فیکٹری کی طرح مہک جائے گا، لیکن محمد اپنی بات کہے گیا۔

''پچھلے سال میں اپنی ماں کو عمرہ کے لیے لے گیا تھا۔'' وہ عقبی شیشے میں دیکھ کر مسکرایا۔ ''میں ہفتے کے سات روز کام کرتا ہوں، آف ٹائم میں اوبر چلاتا ہوں۔ صرف تفریح کے لیے سفر کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا، صرف خوامخواہ کی خریداری اور سیر کرنے کے لیے، آپ جانتے ہیں؟ پچھلے موسم گرما میں صرف پانچ دن چھٹی لے کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ مکہ مدینہ گیا، سبحان اللہ۔''

وہ خدیجہ کی طرف متوجہ ہوا، اس نے اپنا سر ہلایا، لیکن وہ ڈرائیور کی کہی بات نہیں سمجھی، خاص طور پر اس کے لندنی لہجے میں عربی الفاظ کے غلط تلفظ کو۔

''کیا آپ ریڈیو لگا سکتے ہیں؟'' پاپا نے تیزی سے ڈرائیور سے کہا، لیکن محمد نے سر ہلا دیا۔ ''معاف کیجئے، دوست۔'' وہ سرد مہری سے بولا، ''رمضان کے دوران موسیقی سننا حرام ہے۔'' اس نے گیلے ٹوتھ پک کی تلاش میں اپنی زبان تالو سے چٹخائی اور اسے دوبارہ اپنے ہونٹوں میں دبا لیا۔ ''آپ کے ٹیگز دیکھ کر، سوچا تھا، آپ بہتر جانتے ہوں گے، پاکستان سے آرہے ہیں وغیرہ۔''

اکبر احمد نے اوبر کو شکایت کرنے اور اپنی رقم واپس طلب کرنے کا سوچا، لیکن پھر BBCD ڈرائیور کے ایک سٹار ریویو دینے پر ہی قناعت کی۔ BBCD یعنی British Born Confused Desi

برطانوی نژاد پیدائشی الجھا ہوا دیسی، پاپا نے کم درجہ بندی کے جواز کے طور پر لکھا۔ وہ یہاں کے شہری ہو سکتے ہیں، لیکن اکبر احمد کی حیثیت، اس کا معاشرتی مقام، ایک خاص احترام کا تقاضا کرتا تھا۔ ملتان سے تعلق رکھنے والا کوئی دوسری نسل کا تارکِ وطن ان سے یوں تحقیر سے بات کر سکتا تھا اور نہ ہی مذہب پر لیکچر دے سکتا تھا۔ یہاں نہیں، لندن میں نہیں۔

پاپا چاہتے تھے کہ پھٹی ہوئی جینز میں نہیں بلکہ سوٹڈ بوٹڈ سفید فام مردان کے شوفر ہوں۔ ایڈیسن لی بالکل واضح طور پر مثالی نہیں تھے، وہ تقریباً خصوصی طور پر Romanians کو رکھتے تھے، لیکن ٹھیک تھا۔

اس پہلی ٹیکسی سواری کے بعد سے اس خاندان کو Brexit اور برطانوی ٹرانسپورٹ کی ناکامی پر پاپا کے تلخ لیکچر سننا پڑے۔ دو دن کی شکایات اور مہمان نوازی اور شہری منصوبہ بندی سے متعلق غیر مددگار تجاویز۔ پاپا نے کہا، یہ اتنا بھی پیچیدہ نہیں تھا۔ وہ ''سر'' کہلانا چاہتے تھے، کہ انہیں فنانشل اخبارات کا انتخاب احترام کے ساتھ تھمایا جائے اور ان کے لیے دروازہ کھولا جائے۔ سب سے بڑھ کر، اگرچہ، وہ ڈرائیور کے ساتھ ایک ایگزیکٹو کار چاہتے تھے جو انہیں بغیر کسی بک بک کے نائٹس برج اور پارک لین کے راستے ڈنر کے لیے لے جائے۔ ''آپ کیسے پسند کریں گے کہ ہم The Connaught چلیں، مسٹر احمد، سر؟'' ان کے پسندیدہ ڈرائیور الیگزینڈر نے ایک باراُن سے پوچھا۔ ''خاموشی سے۔'' اکبر احمد نے جواب دیا۔

اپنے وطن پاکستان میں، احمد فیملی کو کبھی بھی کسی چیز کے لیے جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ہمارے لوگوں نے اس ملک کو بنایا، اکبر احمد نے مونٹی کو اس کے بچپن سے بتایا تھا۔ ہمارے لوگوں نے پاکستان کے خواب میں پھول بُوٹے کاڑھے۔ ہم نے اسے بادلوں سے بُنا، بغیر کسی شے کے۔ یہ ایک قربانی تھی، احمد فیملی کا ماننا تھا، جس نے انہیں ہمیشہ کے لیے کسی بھی طرح کی مشکلات یا سختی سے تحفظ دے دیا تھا۔ ہم نے ایک ملک کو جنم دیا- اپنے ملک کو- اس قدیم سرزمین پر لاکھوں افراد کی نقل مکانی کے ساتھ، اور بورڈ پر mah-jong ٹائلوں کی طرح زمین کو منتقل کیا۔

جب تقسیم کی آگ گلی گلی پھیلی اور پڑوسیوں نے ایک دوسرے کے گھروں کو لوٹ لیا، عورتوں کو اغوا اور بچوں کو ہلاک کیا، مونٹی کے دادا دکن کی فوجی چھاؤنی سے اپنی جیب میں صرف سگریٹ اور ماچس لیے نکلے، ان کا فوجی پستول ان کے ہولسٹر میں تھا۔ وہ حیدرآباد پار کر کے بمبئی پہنچے، جیسا کہ خاندانی داستان میں بتایا گیا تھا، جہاں سے وہ کراچی جانے والے سٹیمر پر سوار ہوئے۔

ہم نواب ہیں، اکبر احمد اکثر اپنے وارث، اپنے اکلوتے بیٹے کو بتاتے تھے۔ اس گھٹن زدہ حویلی میں جو کبھی احمد خاندان کا ٹھکانہ تھی، ہر صبح سویرے شہزادوں کو تیرہ بندوقوں کی سلامی دی جاتی تھی۔ صبح، ایک زیادہ مہذب وقت پر، برآمدے میں Soldier (اُدھ ابلے انڈے والے ٹوسٹ) اور ابلے ہوئے انڈے، یاقوت سے سجے کپ میں پیش کیے جاتے تھے۔ ارمانڈو، فیملی کا روسی بورزئی کتا، تازہ کٹی گھاس پر لیٹا ہوتا اور ناشتہ ختم ہونے کا انتظار کیا کرتا۔ کتا تقریباً ڈیڑھ میٹر لمبا تھا اور اس نے چمکدار رنگین

کوٹ پہنا ہوتا تھا۔ ہر صبح وہ تمہارے دادا کے پالش شدہ جوتوں پر اپنی لمبی اور نفیس تھوتھنی رکھے صبر سے انتظار کرتا تھا۔ ہر روز احمد خاندان کا ایک خدمت گار انگریزی چمڑے پر سے ارمانڈ و بورزئی کا گیلا سایہ صاف کرتا۔ کسی کسی روز نواب احمد پرواہ نہ کرتے، آقا اور کتا ایک دوسرے کے اتنے ہی قریب تھے۔

لیکن تمہارے رومان پرور دادا نے اپنے مونوگرام والی رولس رائس اور Cartier چیتوں کو چھوڑا۔ انہوں نے جوتے چمکانے والے خدمت گاروں، انڈے ابالنے والے ملازموں، اور یہاں تک کہ افسوس کے ساتھ، ارمانڈ کو بھی ترک کر دیا، جو ایک نئے ملک کی جانب سفر کرنے کے لیے بہت بوڑھے تھے۔ یہ سب پاکستان کے تصور کے لیے کیا گیا۔ اپنے نئے ملک میں وہ دوبارہ فوج میں شامل ہوئے اور ہندوستان سے لڑے۔ یہ باتیں احمد خاندان کی داستان کی سنگ بنیاد تھیں۔

مونٹی کے والد اکبر نے احمد خاندان کی روایت کو جاری رکھا: پاکستان کے خواب کی تعظیم اور حفاظت کی۔ انہوں نے اندراج نہیں کروایا، لیکن اپنے ملک کی وعدہ شدہ اراضی کے پارسل تقسیم کر کے اپنا پیسہ بنایا۔ ان کی Disaster Capitalism پر اچھی نظر تھی اور تقسیم ہند کے بعد، انہوں نے نئے ملک کے شہریوں کو معمولی رقم کے عوض اپنی زمین بیچنے کے لیے قائل کر کے اپنی قسمت بنائی۔ باتھ آئی لینڈ؟ نہیں، اچھی سرمایہ کاری نہیں۔ جگہ پانی کے بہت قریب ہے۔ اس کے علاوہ، پارسی ہونا مشکل ہے، اب جب کہ یہاں ہم سب مسلمان ہی ہیں، ہے ناں؟ اپنے لارنس پور کے سِلے سوٹ اور گرامر ین لہجے میں، نوجوان اکبر احمد نے بوڑھی عورتوں کا شکار کیا جو اپنے بالوں کو Curlers سے بناتی اور لمبی پلینڈ سکرٹس پہنتی تھیں۔ محب وطن نظر آتا ہے، مسلمان ہونے کے ناتے، اعتراف کرنا ہوگا۔ کبھی نہیں جانتے کہ لوگ کب آپ کی مشکل صورتِ حال میں آپ پر چڑھ دوڑیں۔ کیا آپ نے اپنی جائیداد سے متعلق کچھ سوچا ہے، اگر آپ کو جلدی میں ملک چھوڑنا پڑے؟

ایک بار پارسیوں کے پرائم رئیل سٹیٹ سے نکلنے کے بعد، اکبر نے ہندوؤں کے ترک شدہ گھروں کے کاغذات کی جانچ پڑتال شروع کر دی، جس میں سے ایک میں اس نے اپنے ہی خاندان کو آباد کر دیا۔ اس کے بعد باری آئی، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کے بزنس کو بڑھانے اور پھیلانے کی، یہ اس کے والد کے پرانے دوستوں کی ذہنی کاوش کا نتیجہ تھا، جنہوں نے مسلح افواج کے لیے زمینوں کو اپنی جیب میں ڈالا، یہاں تک کہ وہ کراچی کی اگر تمام نہیں تو بیشتر ری کلیم اراضی کے مالک بن گئے۔ آخر کار اکبر احمد نے دبئی طرز کی ہائی رائز ڈویلپمنٹ شروع کی۔ جلد ہی، احمد خاندان سمندر کا مالک ہوتا۔

لندن میں وہ زمین کے صرف ایک پلاٹ کے مالک تھے، لیکن ہاروی نکولس اور نائٹس برج میں گھومتے سیاحوں سے شیلٹر شدہ اس کے نفیس صحن کے نظارے کے ساتھ، کوئی بھی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ یہ بہترین ممکنہ پتہ تھا۔ ہمسایہ میں اسلحہ فروش اور سینیٹرز رہائش پذیر تھے، اکبر احمد نے سب کو بتایا اور وہ سب بس کچھ دوسرے پاکستانی تھے۔

مونٹی اس شام اپنے سلوین سٹریٹ اپارٹمنٹ کی نشست گاہ میں صوفے پر بیٹھا تھا جب پاپا نے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک فون تھام لیا، ایک پر ایڈسن لی ہولڈ پر تھا اور دوسرے سے نویکوف کو ڈائل کرتے ہوئے انہوں نے اپنے ڈنر ریزرویشن میں مزید چار نشستیں شامل کیں۔ مونٹی نے اپنے سکائی سیٹلائٹ ریموٹ پر چینلز کو بدلا، اور سپین میں ایک ریئلیٹی شو میں Binge-drinking کرتے انگریز ٹین ایجرز سے چیلسی میں بے کردار سپوتوں کے شراب پینے کے ایک اور ریئلیٹی شو تک۔

''ممی۔'' مرکزی دروازہ کھلنے کی آواز سن کر سکرین سے نگاہ ہٹائے بغیر وہ پکارا- وہاں کہیں اصل ٹی وی بھی ہونا چاہیے تھا- ''کیا آپ تیار ہیں؟''

''میڈم ابھی تو تیار نہیں ہیں۔'' خدیجہ نشست گاہ میں داخل ہوئی، اس کے بازو Waitrose کے شاپنگ بیگ سے لدے تھے اور اس کا دوپٹہ اس کے کندھوں سے لٹک رہا تھا۔ خدیجہ کے گھنے بال اس کے گھٹنوں تک پہنچتے تھے، اور اگرچہ اس نے ان پر دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا، پھر بھی آپ اس کی چٹیا کا آخری حصہ دیکھ سکتے تھے۔ خدیجہ نے گھبراہٹ زدہ مسکراہٹ کے ساتھ بتایا، میڈم اپنے کمرے میں تھیں، ابھی لباس بدل رہی تھیں۔ اس نے بیگ باورچی خانے میں رکھے اور تیزی سے اپنے شانے رگڑتے ہوئے دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگانے واپس چلی آئی۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنی سردی کبھی محسوس نہیں کی تھی، یہاں تک کہ اسے اپنے دانتوں میں بھی سردی محسوس ہو رہی تھی۔ میڈم کو سردی نہیں لگنی چاہیے، خدیجہ نے بدنامِ زمانہ برٹش موسم پر تشویش کا اظہار کیا، وہ میڈم کو کوٹ پہننے کا کہے گی۔

ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ مونٹی نے اس سے چھٹکارا پانے کی کوشش میں خفگی سے سر ہلایا۔

اس کے والدین نے زور دیا تھا کہ فلیٹ کی صفائی اور کپڑے دھونے اور گھر کی دیکھ بھال کے لیے خدیجہ کو ساتھ لے جائے۔ مونٹی نے انہیں یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ یہ خجالت آمیز ہوگا، خدیجہ اٹھارہ سال کی بھی نہیں تھی، وہ کسی پابند مزدور یا 'ہاری' کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ کیا ہوگا اگر کسی نے آکسفورڈ سٹریٹ پر اسے ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے دیکھا اور حکام کو رپورٹ کر دی؟

''مضحکہ خیز مت بنو۔'' پاپا تیزی سے بولے تھے۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے کہ برٹش ایسی پابند مزدوری کا خیال رکھتے ہیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ انہوں نے چار سو برس ہمارے ساتھ کیا کیا؟''

''وہ 'ہاری' نہیں ہے۔'' زہرہ احمد نے اپنے بیٹے کے کندھے پر دھپ لگائی۔ ''وہ یہاں آ کر بہت خوش ہے۔''

مونٹی نے اپنے والدین سے یہ بحث کرنے کی کوشش کی کہ یہ ٹھیک نہیں لگتا، یہ کہ یہ عجیب معلوم ہوتا ہے، یہ کہ خدیجہ بے آرام ہوگی۔ وہ اپنی دھوپ سے جھلسی جلد اور رخسار کی اونچی ہڈیوں کے ساتھ باقی لوگوں سے الگ نظر آتی تھی، اور کسی یرغمالی کی طرح، وہ ریستوران میں ہمیشہ علیحدہ میز پر بیٹھتی تھی۔ اسے کیوں آنا پڑا؟ کیا وہ اُس نئی فلیپینو کو نہیں لا سکتے تھے جسے ممی نے حال ہی میں رکھا تھا، جو کم سے کم

انگریزی تو بولتی تھی اور مغربی تھی، یا کچھ بھی؟ لندن، خدیجہ کے لیے بہت حیرت بھرا صدمہ ہوگا، وہ اپنی سستی چپلوں اور خستہ حال شلوار قمیص کے ساتھ بالوں کو ڈھانپے رہتی۔

جب تک کہ مونٹی ہر روز کوڑا کرکٹ خود ہی باہر نہ نکالنا چاہتا، اور ہر صبح مرچ اور ٹماٹر کے ساتھ آملیٹ بنانا چاہتا، نوکرانی آرہی تھی، پاپا نے بتایا۔ فلپینا اپنے پاسپورٹ اور انگریزی میں اپنی روانی کے ساتھ بھاگ جائے گی، پاپا نے کہا، اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی کہ وہ لندن میں زندہ رہ سکتی تھی۔ ان دنوں پاکستان میں فلپینو تلاش کرنا نہایت مشکل تھا، کیوں اسے کھونے کا خطرہ مول لیں؟ اور اس کے علاوہ، خدیجہ اتنی چالاک نہیں ہوگی کہ ایسا کچھ سوچ لے۔ ''ہمارے لوگ بہت سادہ ہیں۔'' مونٹی کی ماں نے اتفاق کیا، ''زیادہ معصوم۔''

لیکن پھر بھی، مونٹی کو گرمی کی ایک مہینہ چھٹیوں میں خدیجہ کو یہاں لندن لانا پسند نہ آیا۔

''سولہ سال کا ہو کر وہ سمجھتا ہے کہ اسے سب کچھ معلوم ہے۔'' اکبر احمد نے سر ہلایا۔

''میں سترہ سال کا ہوں، پاپا۔'' مونٹی نے انہیں یاد دہانی کرواتے ہوئے کہا۔ ابھی مہینہ بھر پہلے جون میں اس کی سالگرہ گزری تھی۔ انہوں نے Fujiyama میں کیک کاٹا تھا، زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔

''سولہ، سترہ۔'' اکبر احمد نے موسم گرما کی شام کی ہوا سے بچنے کے لیے اپنی گردن کے گرد ہلکا سا کشمیری سکارف لپیٹا۔ ''کیا فرق ہے؟''

انیتا روز

جب انیتا نے اپنی ماں کے متعلق سوچا، وہ ابھی بھی اس کی خوشبو محسوس کر سکتی تھی، پسینے اور میٹھے تیل کی ملی جلی ایک گرم جوش خوشبو-لونگ، خوبانی، سرسوں، بادام۔

زنوبیا نے اسے بڑے شوق سے بتایا کرتی کہ جب وہ بچی تھی، پیٹ درد سے وہ رات دن روتی رہتی۔ انیتا روز نے انہیں ریلوے لائنز کے قریب اس رہائشی بستی سے تقریباً باہر نکلوا دیا تھا، جہاں ان کے پاس اب کی نسبت کہیں زیادہ چھوٹا اور خستہ حال لکڑی کی دیواروں والا کمرا تھا اور جہاں وہ تھکے ہارے مہاجر مزدوروں کے آس پڑوس میں گھرے ہوئے تھے۔ انیتا روز سورج نکلنے تک روزانہ رات بھر روتے چیختے ہوئے اپنے بڑے بھائی کو جگائے رکھتی، یہاں تک کہ اس کا کمزور نیلا بدن خود تھک جاتا۔

ہفتے بھر پڑوسیوں کے اس کا دروازہ بجانے اور برا بھلا کہنے کے بعد کہیں زنوبیا کو ادراک ہوا کہ وجہ انیتا کے دانت تھے، جو اس نے سرخ، سوجے ہوئے مسوڑوں سے جھانک رہے تھے۔ اس نے اپنی بچی کے گلابی اور سفید دہانے پر لونگ کا تیل لگایا۔

اس کے پاس ہر چیز کا علاج تھا-- وہ دولت مند نہیں تھے، لیکن اُس کا کہنا تھا کہ صرف احمق ہی ڈاکٹر کی فیس ادا کرتے تھے جبکہ وہ زمین کھود کر دوا نکال سکتے تھے۔ بے بُو تِل کے ساتھ خوشبودار تلسی کا تیل ملا کر ایک مرہم بنتا تھا جس سے اس کے تمام بچوں کی کھانسی کا علاج ہو جاتا، جب ان کی ماں کے مضبوط ہاتھ اس سے ان کے بیمار سینوں پر مالش کرتے۔ دار چینی کے تیل کا ایک قطرہ، ریلوے لائنز میں گدلے غیر مقطر پانی کو بھی صاف کر دیتا - حالاں کہ، مچھر کالونی میں، وہ روز صبح پچاس پچاس لوگوں کی قطار میں کھڑے ہو کر سرکاری نلکے سے پینے کا پانی جیری کین میں بھرتے تھے۔ اور اپنے ہاتھوں، اپنے دُکھتے ہوئے، تھکن زدہ ہاتھوں کے لیے، زنوبیا ایمپریس مارکیٹ کی بے دھوپ راہداریوں میں ایک ہومیو پیتھ کے پاس گئی، جو مصالحوں والے حصے میں نیلی ترپال چڑھی لکڑی کے ایک بلاک پر بیٹھتا تھا۔ بوڑھے ہندو نے زنوبیا کو یہ کبھی نہیں بتایا کہ براؤن رنگ کی ان شیشیوں میں وہ کون سے اجزا ملا کر اسے فروخت کرتا تھا۔ علاج کرنے والوں کے مابین ایک اعتماد تھا، اسے جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔

انیتا کی ماں مالش والی کے طور پر کام کرتی تھی، اپنے خوشبودار تیلوں سے مالدار خواتین کی تھکی ہوئی ہڈیوں کی مالش کرتی، اپنے بوڑھے جسم کے ساتھ ان کی کمر دباتی، ان کے بالوں میں ناریل کا تیل لگاتی اور ان کے تناؤ بھرے، گٹھے ہوئے کندھوں کی تب تک مالش کرتی جب تک کہ وہ بمشکل اپنی انگلیوں کو محسوس کر پاتی۔ لیکن کلفٹن والا مکان انیتا کا پسندیدہ تھا، جس کی بڑی سی نشست گاہ میں ایسا پینٹ کیا گیا تھا کہ لگتا تھا جیسے کسی نے اس پر ناخن چلائے ہوں، سوختہ نارنجی میں سفید لکیریں اور دیوار گیر کھڑکیاں جن سے کرسمس کی پھلجھڑیوں کی طرح روشنی تمام اطراف میں پھیل جاتی تھی۔ وہاں رہنے والا لڑکا انیتا کا ہم عمر تھا۔ اس کا نام رحیم تھا، لیکن انیتا نے اس کی ماں کو جو مالش کے بعد اپنی خواب گاہ سے جھومتی لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکلی تھی، اسے بے بی پکارتے سنا۔ بالکل اسی طرح جیسے اس کی اپنی ماں اسے کبھی کبھار کہا کرتی تھی۔

لیکن انیتا کے برعکس، رحیم/ بے بی گول مٹول اور چوڑا چکلا تھا اور جب باورچی لنچ کے لیے صرف تین مختلف پیالے اس کے سامنے رکھتا تو وہ غراتا تھا۔ جب وہ بچے تھے، اس کے پاس ہر طرح کی ایسی ایسی چیزیں ہوا کرتیں جو انیتا نے پہلے کبھی دیکھی بھی نہ تھیں: ویڈیو گیمز، گن جس سے پانی کی پھوار نکلتی تھی، اور ایک مشین جو پیانو کی طرح دکھائی دیتی تھی لیکن اس سے بگل اور ڈھول کی آواز بھی نکلتی۔ ہر اتوار کو اس کے پاس نیا کھلونا ہوتا تھا۔ وہ لانڈری کے دروازے کے پیچھے چھپ کر اُسے کھیلتا دیکھتی تھی۔

اس کی ایک بڑی بہن ریما تھی، جو دیکھنے میں اس جیسی بالکل نہیں تھی۔ وہ اتنی ہی لمبی تھی جتنا وہ ٹھگنا تھا اور اتنی ہی دبلی پتلی تھا جتنا کہ وہ موٹا۔ ریما فنکار تھی اور اپنے موٹے بھائی کے پیٹ جتنی ایک نوٹ بک اور چارکول ہمیشہ ساتھ رکھتی تھی۔ وہ نوٹ بک سرخ تھا، گہرا خوب صورت رنگ جو لگتا تھا کہ کھڑکیوں سے آتی روشنی کی کرنوں کو تھام لیتا تھا، چمکتا ہوا سرخ رنگ جب ریما نوٹ بک کو اپنے ہاتھوں میں تھامتی۔ اس کے بال - انیتا نے شمار کیا تھا - چار دلفریب قسم کے بھورے رنگ کے تھے، اور وہ سگریٹ پیتی تھی، حالاں کہ ابھی وہ بڑی نہیں ہوئی تھی۔

انیتا روز نے کراچی میں گھومتے ہوئے خوب صورت عورتوں کو دیکھا تھا، لیکن ریما جیسی حسین یا خوش ادا کوئی نہ تھی۔ وہ نشست گاہ میں ایسے تیرتی پھرتی جیسے وہ کہیں بھی ہو سکتی تھی۔ گویا دنیا وجود تبھی رکھتی تھی جب وہ سڑکوں اور راستوں کو اپنے پیروں سے چھو لیتی۔ ریما دوپہر کے کھانے کے لیے دیر سے آتی اور اکثر اس کے کان کے ساتھ موبائل لگا ہوتا - ایک چھوٹا، شوخ گلابی فون جو Flip open ہوتا تھا۔ ہر اتوار کو انیتا گھر واپس جا کر اپنی ماں کے دستی آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی، اس کا کنارے تڑخ چکے تھے اور اس کے سستے آئینے پر سیاہ خراشیں تھیں، اور وہ اپنے ہونٹوں میں پنسل دبا کر ریما کی گہری، تھکن زدہ سی سانسوں کی نقل کیا کرتی۔

ایک بار، بہت عرصہ پہلے، ریما نے پلاسٹک کے ڈبے یا کسی پرانے ٹیلی فون جیسا جو اُن کے ہاں پی سی او میں ہوتا تھا، ایک عجیب ساخت کا کیمرا نکالا۔ وہ اپنے بھائی کے برابر میں بیٹھ گئی اور اپنا بازو

پھیلایا۔ Say Cheese، ریما نے اپنے موٹے بھائی کی طرف سر جھکا کر کہا۔ Cheeeese، اس نے کہا اور کیمرے سے ایک تصویر باہر نکل آئی۔ ریما نے اسے اٹھالیا اور اسے دیکھنے اور ہنسنے سے پہلے چند سیکنڈ وہ رحیم کے چہرے کے سامنے لہرائی۔ ''تم بالکل مینڈک جیسے لگ رہے ہو۔'' اس نے کہا اور دوسری تصویر کھینچنے کے لیے اپنا بازو پھیلالیا۔

بعد میں، جب بھائی بہن سنیما جانے کے لیے بھاگتے ہوئے سیڑھیاں اترے اور اس کی ماں کے اپنی تھکن زدہ انگلیاں چٹخاتے اور سات سو روپے اپنے بریزر میں اڑستے ہوئے میڈم کی خواب گاہ سے نکلنے میں ابھی دس منٹ باقی تھے، نوعمر انیتا دبے قدموں نشست گاہ میں گئی اور مسترد شدہ ایک تصویر اٹھا لی۔ اس نے چمک دار کاغذ پر انگلی دوڑائی۔ رنگ پھیکے تھے، یوں جیسے تصویر کافی عرصہ پہلے لی گئی ہو۔ Say cheese، انیتا روز نے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔

اس کا دل ایک ایسی آرزو سے دُکھنے لگا، جسے وہ سمجھ نہ پائی۔ وہ اس تصویر میں ہونا چاہتی تھی، وہ ریما سے مخاطب ہونے والی بننا چاہتی تھی، اس کے ساتھ کھانے کی گول میز پر بیٹھنا چاہتی تھی۔ وہ ریما کے پرفیوم کو سونگھنا چاہتی تھی، یاسمین کی دھیمی خوشبو، تیل کی وہ بوجھل خوشبو نہیں جس سے اس کی ماں اسے چُپس دیتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ رحیم اس سے بات کرے اور اسے بے بی کہے۔ مجھے بھی کبھی کبھی بے بی پکارا جاتا ہے، انیتا اسے بتانا چاہتی تھی۔ رحیم کو یہ اچھا لگے گا، اس نے سوچا۔ لیکن میرا اصل نام انیتا روز ہے، جیسے کوئی اداکارہ۔

اس نے سوچا کہ کیا اس نے بالی ووڈ کی پرانی فلمیں دیکھی ہوں گی جن میں ہیروئن کے نام اُس کے نام جیسے ہوتے تھے، ہیلن اور وائلٹ اور مارگریٹ۔

میرا نام انیتا روز ہے، اس کی تمنا تھی کہ کاش رحیم جان سکتا، کسی اداکارہ جیسی انیتا، روز جیسا کہ پھول۔

انیتا نے تصویر اپنی شلوار کے الاسٹک بینڈ میں اڑس لی۔ ''آئی لو یو۔'' اس نے تصویر کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے سرگوشی کی۔ اس نے ریما کو ٹیلی فون پر ایسا کہتے سنا تھا۔

سنی

یہ کیا ہے؟ پا نے سوچتے ہوئے پوچھا۔ کیا یہ لڑکی ہے؟ کیا تم تنہا ہو؟

صفیہ بیگم اپنی موت کے بہت عرصہ بعد بھی، بریٹانیا روڈ پر واقع مکان میں ایک اجنبی اور زودرنج صورت کی حیثیت سے موجود رہی۔ سلیمان نے مینٹل پیس پر اس کی سخت مزاج دلہن والی تصویر سجائے رکھی، ایک بھاری دوپٹہ اس کے سر کو جھکائے ہوئے تھا، لیکن اتنا بڑا اور بوجھل بھی نہیں کہ اس کی سخت گیر نگاہوں اور اس کے پتلے ہونٹوں کو چھپا سکے، جو متفکر تیوری کے ساتھ بھینچے ہوئے تھے۔ لگ بھگ ہر ہفتے بعد پا اپنی چھوٹی سی نشست گاہ میں بیٹھ جاتے اور سائیڈ ٹیبل کو پرانے اخبارات کے ساتھ ڈھانپ کر اس کے فریم کو کسی پرانے کپڑے سے پالش کرتے، جس کی پشت پر لکھنؤ کے سٹوڈیو کی ربر سٹیمپ کا نشان تھا، اس سے ان کی انگلیوں پر کئی گھنٹوں بعد تک دھات کی بُو بسی رہ جاتی۔

یہ تمہاری ماں تھی، وہ اپنے بیٹے سے بلند آواز میں کہتے، جس کے پاؤں لاپرواہی کے ساتھ اخبارات سے ڈھکی میز پر رکھے ہوتے تھے، اور جو ہاتھ گردن کے پیچھے باندھ کر ٹی وی پر پریمیر لیگ دیکھ رہا ہوتا۔

سنی کو صفیہ بیگم بالکل یاد نہیں تھی، ممتا کا کوئی احساس یاد نہ تھا، اسے ایسا کوئی احساس ہی نہ تھا کہ ماں کا ہونا کیا ہوتا تھا۔

پرانے اور خستہ سے ایئر میل خطوں سے بھری ہوئی تنگ الماری میں پا کے جوتوں کے خانے کے نیچے، سنی کو Self-Help کتابوں کا ایک ڈھیر ملا تھا: کھو دینے کے بعد محبت: 10 مراحل میں اپنی جذباتی زندگی کا آغاز کریں، تنہا اور بے خوف، ڈیٹنگ اور سیکس کے لیے رنڈووں کو ہدایات۔

اور سیکس؟

مزید تلاش کے نتیجے میں الماری کے عقب میں دفن، مردوں کے رسالوں کا انبار ملا، بشمول مستقبل کے حوالوں کے لیے مڑے ہوئے صفحوں اور خط کشیدہ سطروں والا GQ۔

ایک صفحے پر، کسی اعلیٰ درجے کے انگریز جینٹل مین کی طرح لباس کیسے پہنا جائے: The A to

Z of Sevile Row کو پا نے نشان زد کیا تھا۔سنی اپنے باپ کو اس کا مطالعہ کرتے ہوئے اس صفحے کو سیدھا کرتے دیکھ سکتا تھا کہ اس پر شکن نہ پڑے۔ یہاں تک کہ اس نے حاشیے میں لکھا تھا، ہدایات کی نقل کرتے ہوئے کہ Ascot کس طرح باندھا جائے۔سلیمان جمیل کو ایسا کون کہیں مدعو کرنے جارہا تھا جہاں جانے کے لیے اسکاٹ پہننا پڑے؟ سنی اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اس نے رسالوں کو پیچھے دھکیل کر ڈبوں کو جگہ پر رکھا اور دروازہ بند کر دیا۔

ہم ہمیشہ مغرب کی ہی نقل کیوں کرتے ہیں؟ پاکستانی پلے بوائے کرکٹر سے سیاست دان بننے والے عمران خان کے الفاظ کو یاد کرتے ہوئے، اس رات سنی نے اپنی فیس بک پر لکھا۔

''کیوں ہم مضبوط مسلمان مردوں کو ہمیشہ جینز اور سوٹ ٹائی پہن کر گھومنا پڑتا ہے جیسے ہماری اپنی کوئی قابل فخر ثقافت نہ ہو؟ جب ہمارے پاس اپنی مقدس کتاب ہے - انگریزی کلاسیک کے ہزار صفحات سے بڑھ کر۔-تو ہم شیکسپیئر کو کیوں پڑھیں؟ جب ہمارے پاس نیک اسلامی زندگی کے لیے احادیث اور شریعت کی صورت میں خالص ترین رہنمائی موجود ہے تو ہم ان کے قوانین، ان کی جمہوریت، ان کے نظریات کی پیروی کیوں کرتے ہیں؟''

لیکن پھر بھی، یہاں تک کہ ایک ہم خیال، عالمی شہرت یافتہ شخصیت کی رائے کو دہراتے ہوئے بھی، سنی اپنے پا کی طرح تنہا تھا، کسی خلا میں بول رہا تھا۔

سلیمان جمیل نے پہلے صفیہ بیگم کے چہرے پر شیشے کو اپنی زبان کی نوک سے ٹشو بھگو کر صاف کیا، پھر اپنی بیوی کے گالوں کو سہلایا، جو جلی ہوئی کافی کے رنگ کے تھے۔

لیکن سلیمان جمیل کو دوسری محبت کبھی نہیں ملی۔

تنہائی کی ذلت اتنی زیادہ تھی جن کا حساب کتاب اور شمار نہ تھا۔اگرچہ سلیمان جمیل نے بڑی عمر کے کنواروں یارنڈووں کے لیے''لاطینی ڈانس کی کلاسز'' کلربک کلبس اور یوگا ('تناؤ ختم کرنے والی قدیم ورزش!') جیسی متنوع دلچسپیوں میں شمولیت اختیار کر لی تھی، لیکن وہ اب تک کسی بھی خاص سے ملاقات کرنے میں ناکام رہا تھا۔

لیکن پا کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ سنی کے لیے اداس، چھوٹے سے پورٹسماؤتھ میں لڑکیوں کو پانا کتنا آسان تھا۔ جب سے وہ گیارہ بارہ سال کا تھا، پہلی مرتبہ اپنے جنسی شعور کے بعد سے، سنی کو ہر وقت لڑکیاں ملتی رہیں۔ ان کی کوئی قلت نہیں تھی: سفید فام لڑکیاں جو ہندوستانی، مسلمان، براؤن، باکسنگ کرنے والے سنی کے ساتھ سو کر اپنے والدین کو پریشان کرنا چاہتی تھیں۔غیر ملکی لڑکیاں، بے پرواہ اور آسان۔

سر ڈھانپنے والی لڑکیاں سب سے بڑھ کر بے لگام تھیں۔کسی نے کہا، کسی بہن کو حجاب پہنا دو، اور پھر دیکھو کہ وہ کس طرح کے کرتب دکھاتی ہے۔اور یہ سچ تھا: مریموں اور عائشاؤں اور کریناؤں نے

سنی کا کلبوں میں ضدی پن سے پیچھا کیا - وہ اپنی چھاتی اس سے ملالیتیں اور پوچھتیں کہ آیا اس کے پاس کوئی نشہ تھا، آیا وہ انہیں گھر تک چھوڑنا چاہے گا، آیا اسے کوئی پُرسکون جگہ معلوم ہے جہاں وہ جا کر گھوم پھر سکیں، ان کے ایکریلک ناخن اس کی ران پر چل رہے ہوتے۔ سنی باوجود کوشش کے بھی ان دیسی لڑکیوں کو جھٹک نہ سکا۔

تاہم جب سے اس نے ڈاڑھی بڑھانا شروع کی تھی، خدائی دستہ اس کے ساتھ جا ملنے کے لیے مراجا رہا تھا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سنی کے پاس بنیادی ڈیبٹ کارڈ ہی تھا، نہ کوئی کار، کوئی تام جھام، نہ ہی لندن بینک میں کوئی فلیش جاب تھی۔ ایک بار جب انہوں نے یہ فرض کرلیا کہ یہاں ایک نیک، پرہیز گار برادر موجود ہے تو اُن لوگوں کو ان چیزوں کی کوئی پرواہ بھی نہ تھی۔ براؤن لڑکیاں فیس بک یا انسٹاگرام پر ہیجان خیز تصویر نہ لگاتی تھیں۔ وہ سورج مکھی کے کھیتوں پر برستے مذہبی اقوال کی تصاویر، بلیوں کی Memes اور اپنے ناخنوں کے آرٹ کی تصاویر لگاتیں۔ دیسی لڑکیاں اشتہار نہیں دیتی تھیں، انہیں بزنس کا حق مل گیا۔

روبینہ، ایک فربہ، پستہ قد بنگلہ دیشی تھی جس کے بال اس کے حجاب کے نیچے اتنی سختی سے بندھے ہوتے کہ اس کی آنکھیں پیچھے کھنچ جاتیں اور وہ قدرے منگول نظر آتی۔ وہ سنی کو سینما لے گئی اور اس کی گود میں بیٹھ گئی، اور وہیں جہاں ہر کوئی انہیں دیکھ سکتا تھا، اپنا بدن اس کے ساتھ رگڑتی رہی۔ ریشما بھی کھلے عام ایسی حرکتیں کرتی، ہمیشہ پارک میں۔ بعد میں وہ سنی کو اسے مینڈ وز لے جانے پر مجبور کرتی، اس کی سانس سے پیری پیری کی خوشبو آتی تھی، اس کی چکنی انگلیاں مضبوطی سے سنی کی انگلیوں میں پھنسی ہوتیں۔

جب تک سنی انیس سال کا ہوا، تب تک وہ ایسی موج مستیاں خوب کر چکا تھا۔ اسے اب براؤن یا سفید فام لڑکیوں کی کوئی چاہ نہ رہی تھی۔ اس سب سے اُس کا جی بھر چکا تھا۔

اپنے کمرے میں اُس ڈیسک پر بیٹھ کر اس نے زیادہ سے زیادہ وقت آن لائن گزارنا شروع کردیا، جو پا ایک چیریٹی شاپ سے گھر لائے تھے، جس سے پائن فریشنر اور بوڑھی خواتین کے پاؤڈری پرفیوم کی مہک آتی تھی، اس کے پردے کھنچے ہوتے اور دنیا کو فیس بک اور ٹویٹر کے ذریعے دیکھتے ہوئے اس کے فون سے فرینک اوشن کی موسیقی اٹھ رہی ہوتی۔

سنی نے گھنٹوں انسٹاگرام پر گزارے، اجنبیوں کی زندگیوں کو چھانتے ہوئے، تصویر کے بعد تصویر دیکھتے ہوئے، یہاں تک کہ اس کی آنکھیں فوٹو شاپڈ رنگوں کی مدھم روشنی سے دُکھنے لگیں۔ اس نے eBay سے سستے ڈیزائنر گیئر کی خریداری کی، اپنے پسندیدہ ریپرز کے پہنے ہوئے برانڈز کے سویٹر اور Kicks کی تلاش میں۔ لیکن ایک رات یوٹیوب پر سنی کو محمد علی کی ایک ویڈیو مل گئی۔ ہزاروں لوگوں کے سامنے ایک سٹیج پر بیٹھے ہوئے، باکسر جو پہلے کیسیس کلے کے نام سے مشہور تھا، اس نے اپنے مسلمان عقیدے کی بات کی۔ محمد علی نے اپنے بپٹسٹ ماضی کے بارے میں کہا، ''عیسائی مذہب کے تمام فرشتے

گورے ہیں۔ کیوں ہے کہ ہم (سیاہ فام) کبھی جنت میں نہیں جاتے؟ میکسیکن کیوں کبھی جنت میں نہیں جاتے؟''

اپنے خوبصورت نیلے بلیزر اور سیاہ Turtleneck میں ملبوس محمد علی نے سفید فام گرجا گھروں سے خود کو نکالے جانے کی بات کی، لیکن اسلام میں اس نے ہر جگہ محبت پائی۔'' آپ السلام علیکم کہتے ہیں، آپ کو گھر مل جاتا ہے، آپ کو دنیا میں ہر کہیں بھائی مل جاتا ہے۔''

باکسر نے کہا کہ وہ کبھی بھی کافی نہیں تھا، لیکن اسلام میں وہ ہمیشہ بہتر ہونے کے لیے، تبدیل ہونے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

وہیں سے سنی نے میلکم ایکس کو دریافت کیا، ایک اور مضبوط شخص جسے ستایا گیا اور جسے نیچا دکھایا گیا، اس نے بھی صرف اسلام میں یکجہتی کی روشنی پائی۔ اور تب ہی تھا کہ سنی نے اپنے لوگوں کی میراث، اسلام کی جدوجہد اور لوگوں کی روحوں پر غلبے کے لیے صدیوں سے کی جانے والی بحثوں کے بارے میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو کُل وقتی طور پر وقف کرنا شروع کیا۔

فقہ، سنی نے ایک دن اپنے فیس بک پیج پر پوسٹ کیا:

جدید دنیا میں اس سے کیا مراد ہے؟ ہاں، فقہ ہی کلید ہے۔ کیا آپ کسی بھی ایسے لوگوں کو جانتے ہیں جن کا اپنی دنیا میں اتنا مطالعہ، اتنی ہی فضیلت ہو؟ گہرا علم، عمیق ترین فہم۔ یہ اسلام کا نور ہے، یہ تمام سوالوں کے جوابات تلاش کرتا ہے اور اپنے پیروکاروں کی صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

سنی نے عربی ترجمہ کی تلاش میں، علم فقہ کے بارے میں بلاگ پوسٹس پڑھنے، افسانہ اور تاریخ جمع کرنے اور ان کا باہم موازنہ کرنے میں گھنٹوں گزارے۔ اور پھر اس نے جو سیکھا، اسے پُرامیدی سے یہ انتظار کرتے ہوئے دوسروں سے بانٹا کہ کوئی اس کے فخریہ علم اور تجزیے کی تعریف کرے گا۔

لیکن سنی کی پوسٹس پر کسی نے کوئی ردِعمل نہیں دیا۔

ایک روز، ایک اجنبی کو قمار بازی پر اُس کی تحریر پسند آئی۔ سول گیا، ایک Thumbs-up۔ اس کی تحقیق کی یہ پہلی توثیق تھی۔ لیکن جب اس سہ پہر سنی اپنے پیج پر دوبارہ لاگ اِن ہوا تو وہ لائک ختم ہو چکا تھا۔ اس نے کیا کیا تھا؟ کسی نے کیوں یوں واپس جانے، اس کی پوسٹ تلاش کرنے اور اس کو ناپسند (اَن لائک) کرنے کی زحمت کی تھی؟

ریاست جاہلیہ سے ہم کیا سبق سیکھ سکتے ہیں؟ بہت کچھ! اپنے آس پاس نگاہ دوڑاؤ، بھائیو۔ ہماری زندگیاں جہل - یا عربی میں'' خدا کی الہامی ہدایت سے غفلت'' - سے بوجھل ہیں اور ہم اس جہالت کو سر کرنے اور اسے شکست دینے کی بجائے اپنی زندگیوں کی حفاظت جھوٹ اور باطل سے کرتے ہیں۔ یہ قبل از اسلام ہمارے آباواجداد کی مایوس کن حالت تھی، لیکن ہم ابھی بھی اس کی بدشعار تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

سنی نے اپنے فیس بک کو اپنے ٹویٹر اکاؤنٹ سے جوڑا، یہ سوچتے ہوئے کہ اسے نبادلی معلومات پر مبنی کائنات میں زیادہ حصہ ملے گا، لیکن سنی نے جو کچھ بھی ٹویٹ کیا، وہ بے آواز ہی رہا، گویا اس نے کچھ بھی نہ لکھا ہو۔

وہ اپنے اولڈلیڈی ڈیسک پر بیٹھا صبر سے منتظر رہا، متواتر دہرا کر چینل اور رنج سنتے ہوئے اس کے گھٹنے کرسی کی لکڑی کے ساتھ مڑے ہوتے، یہاں تک کہ اس کی جلد سرخ ہوجاتی اور اس کی ٹانگیں اکڑ جاتیں، ذاتی طور پر وہ خود کو شدت سے اس پتھری دنیا میں کسی ہیرے کی طرح محسوس کررہا ہوتا۔ یوں لگتا کہ جیسے سنی زندگی بھر سے اس لمحے کا منتظر تھا کہ جب کوئی اسے دیکھے گا۔ جب کوئی اسے جانے گا - اس کی الجھن اور خالی پن کے دوراہے پر اس سے ملے گا - اور اسے دیکھنے کے ساتھ اسے اس کی پریشان ذات سے اوپر اٹھالے گا۔

عین اسی وقت، عین اسی لمحے، اپنی میز پر تنہا بیٹھے، سنی پر اپنے کمرے کی بے ترتیبی کھلی۔ اپنی ڈائیٹ کوک بوتل کے ڈھکن کو ڈھونڈنے کے لیے نیچے جھکتے ہوئے، اس کا سر اولڈلیڈی ڈیسک کی ٹانگوں سے لگا، جن سے اب بھی لیوینڈر کی ہلکی سی مہک اٹھ رہی ہے۔ کوک کے کاربونیٹڈ، کیمیائی پانی سے اسے اپنا پیٹ پھولا ہوا محسوس ہوا، سنی نے سوچا: میں بھر پایا۔ مجھے سب سے نفرت ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ کم سے کم چیزیں، سامان کا ایک پنجر سا فریم۔

اور پھر، جب اس نے اپنا سر اٹھایا اور ڈیسک کے فریم کے ساتھ خراشوں کو دیکھا، جو لکڑی پر اس کے ہاتھ سے نہیں کھنچی تھیں، اور اپنے بھاری اور پرانے جوتے پہنے کھڑا ہوا، سنی نے اپنے پورٹیبل سپیکر کی طرف دیکھا، اتنے استعمال شدہ کہ اس میں سے صرف ایک سائیڈ ہی سے کوئی موسیقی سنائی دیتی، اور دوسرا خیال پہلے سے ٹکرایا: کاش میرے پاس اور بھی ہوتے۔

لیکن پہچانے جانا، کسی گنتی شمار میں آنا، دکھائی دیئے جانا، وہ سب جو سنی بہت شدت سے چاہتا تھا، کبھی نہ ہوا۔

اپنے والد کے بوجھل مزاج اور عالمی سرمایہ داری اور ایشین ٹائیگرز... جنہیں ابھی عظیم قوموں کے Pantheon میں اپنے مقام کا دعویٰ کرنا تھا... پر لیکچرز سے بچتے ہوئے وہ زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتا۔ کاش کہ سنی جانتا، اگر وہ ان میں گھلنے ملنے کی، ان میں رچ بس جانے کی زیادہ کوشش کرے، اس کے پا نے وعدہ کیا کہ وہ برطانیہ کے ابھرتے ہوئے ایشینز میں مقام حاصل کرلے گا۔ وہ اسی لیے تو یہاں برطانیہ آئے تھے، ابھرتی لہر کا حصہ بننے کی خاطر۔ سلیمان جمیل جانتا تھا کہ تاریخ اس کی طرف ہے اور اس نے عالمی سرمایہ داری نظام کی تمام مردوں کو شامل کرنے کی صلاحیت کی اَن تھک امید کے ساتھ اپنے بیٹے کا پیچھا لیا، چاہے کتنی ہی غیر اہم سہی۔

پہلے، پا یہ سوچ کر خوش تھے کہ سنی نے آخرکار کہیں انٹرن شپ کرلی تھی یا کسی ٹریننگ کورس

میں اپنے انٹرویو اور انتظامی مہارت کو بہتر بنا رہا تھا، لیکن سنی نے جلد ہی اپنی کلاسیں چھوڑ کر جم میں جانا شروع کر دیا۔ ڈکنسن روڈ پر ایک چھوٹا سا جم، جو چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا، اس قسم کی جگہ جہاں آپ اپنے جسم کو برباد کرنے جاتے تا کہ آپ اسے دوبارہ بنا سکیں، ایسے دوسروں کی صحبت میں تنہا رہنے کو، جو خود بھی اپنے آپ کو چھپا رہے تھے، تبدیل کر رہے تھے، اپنے گناہوں کو خودلذتی سے بڑھا رہے تھے۔

تم سارا دن کہاں ہوتے ہو؟ پا نے اپنے اکلوتے بیٹے سنی کے استحکام کی حفاظت کی اپنی کوششوں کی طرف واپس لوٹتے ہوئے اس سے پُرسش کی۔ صرف جم میں؟ کیا تمہیں یقین ہے؟

سنی اُنہیں کیا بتا سکتا تھا؟ سوری پا، میں فنانس انٹرن شپ کے لیے نہیں گیا۔ سوری پا، میں کسی لڑکی کے ساتھ نہیں تھا۔ سوری پا، میں عرصے سے یونیورسٹی نہیں گیا، آخری ٹرم کی نصف کلاسز چھوڑ دیں۔ میں رِنگ باکسنگ میں بھی شامل نہیں تھا، پٹنے کا مزید نہ دل ہے نہ توانائی۔ سوری پا، میں جم میں تھا، سٹیفن کے ساتھ، ایک دوست، حقیقت میں خود کو پہلے سے کہیں زیادہ زندہ محسوس کرتے ہوئے۔ اس سے زیادہ پُریقین، زیادہ متاثر کن اور زیادہ مربوط، جتنا میں ایک لمبے عرصے میں کبھی ہوا تھا۔ اس نے مجھے سکون دیا، تھوڑی سی راحت، کچھ تسلی، جینے کو راہ۔

سلیمان جمیل ویسے بھی پریشان ہوتے، اس سے قطع نظر کہ سنی جو کچھ بھی کہتا۔

لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں، کچھ بھی نہیں! سنی ٹھیک تھا، وہ ٹھیک، بالکل ٹھیک تھا۔ ایک بار ایک لمحہ آیا تھا، لیکن اب گزر چکا تھا۔ وہ گزر چکا تھا اور سنی نے اسے بھولنے کے لیے بہت محنت کی تھی۔

سنی کے جم میں ایک ٹرینر سٹیفن تھا۔ اس نے کبھی کبھار سنی کی مدد کی، اسے توجہ دی، اسے یہاں وہاں تھوڑی تکنیکی رہنمائی دی۔ سٹیفن، برلن سے تھا اور وہ غذائیت کی تعلیم اور تھوڑا سا پیسہ کمانے انگلینڈ آیا تھا۔ اس نے کبھی سنی سے کچھ نہیں مانگا، نہ کبھی اس سے کسی چیز کی ضرورت تھی۔ جب وہ جم میں گھومتے تو سٹیفن نے کبھی بھی خبروں کے بارے میں بات نہیں کی یا یہ کہ نقل مکانی کیسے یورپ کو تباہ کر رہی ہے، جیسے ہر دوسرا گورا کرتا تھا۔ سٹیفن نے کبھی بھی سنی کو مشورہ نہیں دیا کہ وہ جن لاکھوں اعتدال پسند مسلمانوں کو ذاتی طور پر جانتا تھا، انہیں بتائے کہ وہ زیادہ بات کریں، اور کبھی برمنگھم میں خودکش بمباروں اور تیار گروہوں کے بارے میں سوالات نہیں کیے تھے۔ اس نے سنی سے کبھی کسی ترجمان جیسا سلوک نہیں کیا۔ اس نے سنی سے بطور سنی بات کی تھی۔

وہ جو بھی اِدھر اُدھر کی باتیں چاہتے، کرتے اور بعض اوقات، ورزش کے بعد، وہ جا کر پنٹ لیتے۔

سٹیفن، سنی کے بغیر کچھ بھی کہے سمجھ گیا، کہ شراب سے بھائی محتاط تھا، لہٰذا وہ جوس بار جانے کا مشورہ دیتا یا کافی تجویز کرتا۔ لیکن سنی کو اچھا لگتا کہ جب کچھ ڈرنکس کے بعد سٹیفن کا چہرہ سرخ ہو جاتا، اسے اچھا لگتا کہ جیسے وہ ہنستا تھا، کیسے وہ اپنے ہاتھ اپنے ہلکے سنہری بالوں میں گھبراہٹ سے چلاتا، بیئر سے اس کی

آواز بھاری ہو جاتی۔

ایک رات، ٹانگوں اور کمر کی ورزش کے بعد، سٹیفن نے سنی سے کہا کہ وہ اسے کسی مختلف پب میں لے جانا چاہتا ہے۔ ایک نئی جگہ۔ سنی نے اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچا، کوئی بڑی بات نہیں۔ نیا پب کیوں نہیں آزمایا جائے؟ بیشتر دیسی انکلو یہ معزز کام کرتے کہ گھر میں چھپ کر شراب نوشی کرتے تھے، لہٰذا اس کا سامنا کسی واقف سے نہ ہوتا۔

لیکن یہ ایک بڑی بات تھی۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' سنی نے ہیمپشائر بولیورڈ پہنچتے ہی اپنے پیروں پر رکتے ہوئے پوچھا، جہاں پر پل روشنیوں میں فش نیٹ ویسٹ، سکنی جینز پہنے اور گائی لائنر والے مردوں کا جتھا سگریٹ نوشی کر رہا تھا۔ سنی نے دروازے کی طرف بڑھتے جھرجھری لیتے ہوئے کہا، ''موسیقی تکلیف دہ ہے، سٹیفن۔ Camp as hell سے آگے۔''

لیکن سٹیفن ہنس دیا اور سنی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''تمہیں پسند آئے گا، وعدہ۔''

وہ لوگوں کی بھیڑ سے گزرتے ہوئے سنی کو اندر لے گیا، وہ سب اپنی آنکھیں بند کیے سنسنی خیز موسیقی کی لے پر تھرک رہے تھے، ان کے بازو پسینے سے تمتمار ہے تھے اور، اگرچہ وہ اس بات کو یقین نہیں کہہ سکتا، جھلملا اٹھے تھے۔ سنی نے اپنا ہاتھ سٹیفن کے ہاتھ سے نکالا اور اپنا سر جھکاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو جیب میں ڈال لیا، یہاں تک کہ وہ بار تک پہنچ گئے۔ سٹیفن دوستوں کو ہیلو کہہ رہا تھا، ہنس رہا تھا اور پُرہجوم فلور پر لوگوں کی جانب ہاتھ ہلا رہا تھا۔

سنی بار کے کونے میں کھڑا تھا، اس کی کہنیاں حیرت انگیز طور پر صاف کاؤنٹر پر ٹکی ہوئی تھیں۔

''ہم یہاں کیوں ہیں؟''

فضا میں ڈش واشنگ مائع کی مہک تھی، اسی وجہ سے سنی نے سوچا کہ بار بے داغ کیوں تھی، لیکن پھر اس نے مشین کو ڈانس فلور کے اوپر بڑے بڑے بلبلے اچھالتے دیکھا۔ بارٹینڈر قمیص کے بغیر تھا اور اس نے پلیٹ فارم سنیکرز پہنے ہوئے تھے۔ وہاں صرف مرد تھے۔ تب ہی سنی نے آس پاس غور سے نگاہ ڈالی۔ وہ کہیں بھی کسی عورت کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''کیا؟'' سٹیفن میوزک کی لے پر اپنے کندھے جھلا رہا تھا، اور جب سٹیفن یوں جیسے وہ کسی پرانے کلب میں ہوں، اپنے تھرکتے ہوئے جسم کے ساتھ رقص کرتے، سنی کی طرف جھکتے اور اپنے ہاتھ سے اس کی پشت کو چھوتے ہوئے اپنا چہرہ اس کے قریب لایا تو وہ گھبرا گیا۔

سنی کو اپنا جسم گرم اور ڈھیلا محسوس ہوا۔ اس نے سٹیفن کے کان میں کہا، ''تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''

''اچھا ہے ناں؟'' سٹیفن مسکرایا۔ اور اسی طرح، سوال کو غلط سمجھتے، اور سنی کے چہرے کے

رنگ کو غلط سمجھتے ہوئے، وہ رقص کرتے ہوئے اور موسیقی کے ساتھ تھرکتے اپنے جسم کو دھکیل کر دُور چلا گیا۔

سنی کاؤنٹر پر اپنی ہتھیلی بجاتے ہوئے بار پر جھکا، وہ اپنی انگلیاں میوزک کے ڈرم کی تال کے ساتھ بجا رہا تھا۔ اس نے تقریباً ایک سال سے شراب نہیں پی تھی، لیکن اگر اسے گلوریا ایسٹیفان کو سننا تھا تو اسے ووڈکا کی ضرورت ہوگی۔ اور کاؤنٹر سے ٹیک لگائے ہوئے اسے انکل ہارون کا بیٹا ابراہیم نظر آیا۔ انکل ہارون ایک بڑی تعمیراتی کمپنی چلاتے تھے، ایک مناسب پورٹسماؤتھ کاروبار۔ وہ اس کے آبائی وطن، اُسی شہر، اسی پڑوس، پپا کی ہی گلی سے تھے۔

ٹرین سٹیشن کے فرش پر رات بھر سونے کے بعد اگلی سرد صبح سنی کی ماں نے انہی کے دروازے پر دستک دی تھی۔ آنٹی ٹینا اور انکل ہارون کا ہی گھر تھا کہ جہاں انگریزی زندگی کی فوری مشکلات پر اپنا تشویش بھرا چہرہ لیے صفیہ بیگم بھیڑ کی اون والے اپنے کارڈیگن کو سینے پر مٹھی میں لیے سب سے پہلے پہنچی تھیں۔ پپا نے یہ کہانی سنی کو سینکڑوں بار سنائی تھی۔ تمہاری ماں کانپ رہی تھی اور برہم تھی۔ آنٹی ٹینا نے اس کے لیے چائے بنائی۔ انکل ہارون سٹیشن پر رونما ہماری کہانی پر ہنس پڑے اور کہا کہ اب ہم اصلی انگریز تھے کہ ہم کھلے آسمان تلے کیمپ لگا چکے تھے۔

سنی بار سے چکر لگا کر نکلا اور دروازے کا رخ کیا، جس قدر تیزی سے وہ ہجوم کے جسموں کے دباؤ سے گزر سکتا تھا۔ اس نے اپنا سویٹر ہاتھوں تک کھینچ کر کسی کو نہ چھونے کی کوشش کی اور بھیڑ سے آنکھیں بچانے کے لیے ٹھوڑی اپنے سینے میں دفن کر دی۔ وہ پپا کو کیا بتائے گا، اگر انہیں پتا چلا کہ اُن کا اکلوتا بیٹا یہاں تھا؟ یہاں، ہم جنس پرستوں کی بار میں، ایک وجیہہ جرمن مرد کے ساتھ۔

جب سنی سارٹ مخمل میں ملبوس ایک بھاری جسم والے باؤنسر (دربان) کے قریب ہوا، اس نے اپنی کمر پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا، جس نے اس کے کولہے میں انگوٹھا کھبو دیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' سٹیفن، سنی کے کان میں چلایا، ''تم جانا چاہتے ہو؟''

''مجھے جانا ہے۔'' سنی نے اپنا ہاتھ اپنے سویٹر کی آستین کے اندر رکھے ہوئے کہا، اس طور کہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا، وہ سٹیفن کے حفاظتی طور پر اپنی کمر پر رکھے ہاتھ میں اپنی انگلیاں دینا چاہتا تھا۔ لیکن ابراہیم بار میں تھا اور وہ ہم جنس پرست تھا، اور سنی نہیں تھا۔ وہ بس ایک دوست کے ساتھ وہاں آیا تھا۔ صرف ایک دوست۔

سنی، سٹیفن کا سامنا کرنے کے لیے مڑ نہیں سکا۔

''بے بی، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' سٹیفن نے سنی کے کان میں کہا، اس کے ہونٹ اس کی گردن کو چھو رہے ہیں جب اس نے اسے ہولے سے چوما۔

سنی کو اس کا جسم سرد و گرم ہوتا محسوس ہوا اور پھر گلوریا ایسٹفان اپنی تیز بے سُری آواز میں چیخ رہی تھی، اور سنی کی آنکھیں جل رہی تھیں، حالاں کہ کوئی بھی سگریٹ نوشی نہیں کر رہا تھا، اور اس کا حلق سوکھ

گیا اور اسے اپنے ہونٹوں کے بھیگے گوشوں پر اپنی زبان کا لمس محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے، سنی رونا چاہتا تھا۔ وہ مڑا اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ سٹیفن کو پرے دھکیل دیا۔ سٹیفن ایک اونچا پورا مرد تھا، وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا، اس کے ہاتھ سے جن اور ٹانک چھلک گئے، لیکن اپنے اردگرد رقص کرتے مردوں کے سمندر میں تیرتے ہوئے وہ گرا نہیں۔ کسی کو خبر تک نہیں ہوئی کہ کیا ہوا تھا۔ سنی کی آنکھوں نے ابراہیم کے تلاش میں بار کا جائزہ لیا، لیکن وہ اسے ڈانس فلور کے کنارے سے نہیں دیکھ پایا۔

''مجھ سے دُور رہو۔'' سنی نے لرزتے ہوئے چلا کر کہا۔ اس کے ہاتھوں میں تکلیف تھی، اس کی انگلیاں، اس کے جوڑ، یہاں تک کہ انگلیوں کے جوڑ بھی سٹیفن کو اس طرح چھونے سے، اسے تکلیف دینے سے دُکھ رہے تھے۔ لیکن سٹیفن نے جواباً لڑائی نہیں کی، اس نے اسے دبوچا نہیں یا سنی کا منہ اپنے گھٹنے پر نہیں دے مارا، جیسا کہ سنی جانتا تھا کہ وہ کر سکتا تھا۔ اس نے بس اداسی سے اس کی جانب دیکھا اور مسکرا دیا۔ وہ پوری شام مسکراتا رہا تھا۔

سنی شرمندگی اور خود کو انتہائی احمق محسوس کرتے ہوئے گھر کی جانب چل دیا۔

اسے سٹیفن کے ٹیٹو سے پتا ہونا چاہیے تھا - دو موٹی کالی پٹیاں، مساوی نشان، جو اس کی کلائی سے کہنی کے درمیان رنگا ہوا تھا۔ وہ جس انداز سے اس کی طرف دیکھتا تھا، اس سے سمجھ جانا چاہیے تھا، جس طرح سے وہ حقیقی طور پر متجسس دکھائی دیتا تھا کہ سنی دنیا کے متعلق کیا سوچتا تھا۔ سٹیفن جس طرح اس کی کہانیاں سنتا، اس کے بچپن کے بارے میں جس طرح پوچھتا تھا، اس کی مرحومہ ماں کے بارے میں، جیسے اُسے اس کی پرواہ ہو، اسے تبھی سمجھ جانا چاہیے تھا۔

سنی سے بدلے میں کچھ حاصل کرنے کی چاہ کے بغیر کسی کو اس کی پرواہ کیوں ہو گی - ان لڑکیوں کی طرح - دیسی، خاص طور پر دیسی؟

سنی نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا، پہلے سے تاریک بلائنڈز پر گندے زرد پردے کھینچ کر برابر کیے اور اپنے بستر میں غرق ہو گیا۔ رات بھر وہ ایک پائریٹ سائٹ پر دی وائر کی قسطیں دیکھتے ہوئے جاگتا رہا، اس کے کردار عمر کا کسی تماشائی کی طرح نہیں بلکہ چور کی طرح مطالعہ کرتا رہا، ایک رات میں پانچ اقساط، چبھتی ہوئی سطور کو یادداشت میں نقش کرتے ہوئے - You come at the king, you best not miss - اور یہ سوچتے ہوئے کہ اپنی چھوٹی سی زندگی میں اُسے کب ایسی طاقت کے استعمال کا موقع ملے گا۔

سنی کی ڈیپریشن کے مقفل چیمبر میں ہوا کو داخل ہونے کی اجازت دیتے ہوئے جب پا نے اس کے دروازے پر دستک دی، انہوں نے اپنے بیٹے کو مہینوں سے میلا تکیہ اپنے پیٹ سے لگائے رحم مادر میں بچے کی سی حالت میں لیٹے پایا۔

ڈارلنگ؟

لیکن سنی انہیں سن نہ پایا۔ اس نے اپنے کانوں میں سختی سے ایئر فون ٹھونس رکھے تھے۔ سنی،

فرینک اوشن کی رواں شاعری ہی سن سکتا تھا، اسی کو سننا برداشت کر سکتا تھا۔

اُن لمحوں میں، جب سنی کی ہر سوچ اور ہر سانس میں درد اٹھتا، تو اسے محسوس ہوتا جیسے وہ بول صرف اُسی کے لیے لکھے گئے تھے۔

اپنے مایوس ترین لمحوں میں، سنی نے دنیا کے ساتھ رشین رولے کھیلا۔ اگر کتا بھونکتا ہے تو میں اگلی گزرتی بس کے سامنے آ جاؤں گا۔ اگر بارش ہوتی ہے تو میں زرد پردوں کو آگ لگا دوں گا۔ اگر لائبریری میں داخل ہونے والا اگلا آدمی دستانے پہنے ہوا تو - آخر کو سردیوں کا موسم تھا - میں دورانِ غسل اپنی نس کاٹ لوں گا۔

لیکن چاہے قسمت سے یا خدا کی براہِ راست مداخلت کے باعث، کتا اپنے مالک کی ایڑی سے ناک رگڑتے ہوئے خاموش رہا۔ سورج بادلوں سے لڑ کر نکل آیا۔ لائبریری کے کھلے دروازوں سے داخل ہونے والا اگلا شخص، سکارف والی ایک عورت تھی، اس کی انگلیوں کی جلد سرد اور گلابی تھی۔ سو وہ زندہ رہے گا، اگرچہ وہ سمجھ نہیں پایا کہ کیوں۔

ہوسکتا ہے کہ یہ سنی نہ تھا، شاید وہ خود اپنی پژمردگی کا باعث نہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ جن لڑکیوں سے وہ مل رہا تھا، وہی نچلے معیار کی تھیں۔ اسے کسی ایسی شخص سے ملنے کی ضرورت تھی جو اسی جیسی اقدار کی مالک ہوتی، جو روایت اور نظریات کی ایک مخصوص پاکیزگی کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتی۔ کوئی - ثقافت اور علم کے ساتھ۔

لیکن سنی کو ایسی کہاں ملنا تھی؟ اسے ایک حقیقی ساتھی، روح کی رفیق کہاں ملنا تھی؟

سنی اس جگہ میں پناہ حاصل کرنے کی کوشش میں پورٹسماؤتھ کا چکر لگاتے ہوئے لمبی چہل قدمی کے لیے نکلا جو اسے صرف بنجر ہی لگتی تھی، فراموش شدہ لوگوں کا شہر۔ پا اپنے لوگوں کے ساتھ، ہندوستان میں کیوں نہیں رہے، جہاں سے وہ تعلق رکھتے تھے؟ یہاں آنے کی بجائے جہاں وہ کوئی نہیں تھے، وہ اپنے اس دوست نور محمد کے ساتھ کیوں نہیں رہے تھے، جس کے بارے میں سنی کو ہر وقت سننا پڑتا تھا۔ سنی نے ہر جگہ چہل قدمی کی، گندگی سے بھرے ساؤتھ سی ساحل کے ساتھ ساتھ، اپنے بھدے ڈیزائن والی یونیورسٹیوں کی شیشے کی جدید عمارتوں کے آس پاس، اور یہاں تک کہ فریٹن پارک کے آس پاس جہاں اسلامی نظر آنے والے، ستارہ و ہلال والے پومپے (پورٹسماؤتھ) پرچم کو ہر کھڑکی اور ہر دکان پر اعتماد کے ساتھ چسپاں کیا گیا تھا۔

ہوم گیم کے بعد، سٹیڈیم کے آس پاس کی گلیاں برگر ٹرکوں سے گرے چکنائی بھرے ٹشوز سے بھری ہوئی تھیں، اور 1664 لیگر بیئر کین کوڑا دانوں سے ابل رہے تھے، جیسے ٹین ایجرز کے بیڈروم کے دراز جو جلدی میں بھر کر بند کیے جاتے تھے۔ روشن پیلے رنگ کے فلورو واسکٹ میں پولیس بند سڑکوں پر گھوم رہی تھی، ان کے گھوڑوں کی چاپ زیادہ دُور نہ ہوتی تھی۔ توند والے اور چھوٹے تراشے ہوئے سفید و سیاہ

بالوں والے، مبہم اور اور غیر واضح ٹیٹوز والے آدمی، ان کی دھوپ سے سنولائی جلد سے اِنک ابھر رہی تھی، چلتے چلتے اُس کی طرف جھک آئے۔ ''اضافی ٹکٹ؟'' وہ درخواست اور پیشکش دونوں ہی کر رہے تھے۔ ''اضافی ٹکٹ؟ اضافی ٹکٹ؟''

سنی نے اپنے ہاتھ جیکٹ کی جیب میں گھسا لیے اور اپنی نظریں سڑک پر رکھیں۔ لڑائی کے لیے اس کے گلے میں خارش ہو رہی تھی۔ اس کے سینے سے اٹھنے والی پریشانی اس سے گریز چاہتی تھی۔ کوئی آدمی بغیر کسی ہتھیار کے اس شہر میں کب تک چل سکتا ہے؟ ان دنوں اس کا جسم ایک عریاں زخم تھا، اس کا دل اس کی چھاتی میں تیزی سے دھڑک رہا تھا، وہ اپنے غیر محفوظ ہونے سے اس قدر آگاہ تھا، اتنا تنہا اور خوف زدہ۔ سڑک کنارے، گھاس پر تے کا پیلا اور نارنجی ڈھیر چپکا ہوا تھا۔

تبھی، جانے سے چھے ماہ قبل تھا کہ سنی نے Tinder اکاؤنٹ بنایا تھا۔ سنی جے، اُس نے خود کو نام دیا، ڈاڑھی رکھنے سے پہلے کی ایک پرانی تصویر لگائی۔ جب ٹنڈر نے سنی سے پوچھا کہ آیا وہ مردوں سے ملنے کا خواہاں ہے یا لڑکیوں سے تو سنی نے ذرا توقف کیا۔ دونوں... اس نے کلک کیا۔

گروپ فوٹو میں (ایک کلاسیک بدصورت پوز) اور دُور سے منظر کے شاٹس (فربہ) میں چند ایک لڑکیوں کو بائیں سوائپ کرنے کے بعد، سنی واپس اپنی سیٹنگز میں گیا اور ان لڑکیوں کو اَن کلک کیا۔ اس نے اپنی تلاش کو ساٹھ کلومیٹر فاصلے تک بڑھایا اور کچھ گھنٹے مردوں کی تلاش میں گزارے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کے متعلق ایسا لگتا تھا جیسے سنی انہیں جانتا ہو۔ جوان، ایتھلیٹک، خوش لباس، ان کے لباس اور انداز کا نپا تلا ڈھنگ۔ سٹیفن کی طرح۔

سنی کو وہ وہاں نہیں ملا، حالاں کہ اس نے تلاش کے دائرے کو اپنے پرانے جم کے آس پاس کے علاقے تک محدود کر دیا تھا، جسے وہ چھوڑ چکا تھا۔ جہاں تک ممکن ہو، سٹیفن کے پرانے باکس سے دور، اس نے پارک میں کام کیا۔ یہ بات باعث سکون تھی، سنی اسے دوبارہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ سٹیفن غائب ہو جائے، گویا اسے زمین سے ہٹا دیا ہو، انسانیت سے دُور، مُردہ، مٹا دیا گیا ہو۔

سنی اپنے جوڑ کے لوگوں میں گھومتا رہا، لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں لگتا تھا جسے سنی نے اُس پب میں دیکھا ہو۔ انہوں نے میک اَپ نہیں کیا تھا، انہوں نے خود کو چھدوایا نہیں ہوا تھا۔ وہ بہت عام نظر آنے والے تھے، مردانہ سے۔ وہ Tinder پر اُن مردوں میں سے کوئی بھی ہو سکتا تھا۔

سنی نے کئی گھنٹے App پر گزارے، اس کی انگلی لائیک بٹن پر منڈلاتی رہی۔ لیکن آخر میں، اس نے کچھ نہیں کیا۔ وہ دیکھتا رہا اور ہچکچاتا رہا، ہر بار بائیں طرف سوائپ کرتا رہا۔

مونٹی

موسم گرما میں پاپا نے اپنے خاندان کے ساتھ تقریباً دو ہفتے اُن کے سلوین سٹریٹ فلیٹ میں گزارے، جس کے بعد انہیں کام سے بلاوہ آ گیا اور انہیں میٹنگز کے لیے پاکستان یا چین یا سعودی عرب واپس جانا پڑا۔ اگرچہ وہ اپنی شامیں بزنس معاونین کے ساتھ ڈرنکس لیتے یا پھر کانفرنس کال کرتے گزارتے، اپنے فون سے منسلک ائیر فونز کے ساتھ پارک میں ٹہلتے، پرندوں کو تنگ کرتے، مگر یہ سب سے زیادہ وقت تھا جو مونٹی اور اس کے والد نے اُس سال میں ساتھ گزارا۔

مونٹی جب دس برس کا تھا، پاپا اسے ونڈسر پارک لے گئے تھے اور ریڈیو پر Kiss FM لگائے اُس موسم گرما کے تمام مقبول گانوں پر ساتھ ساتھ گنگناتے ہوئے جانوروں کے درمیان گاڑی چلاتے رہے۔ اس دوران جب شیر اور لنگور گاڑی کے گرد چکر لگا رہے تھے، پچھلی نشست پر مونٹی دبک کر بیٹھا ہوا تھا۔ ''سیدھے ہو کر بیٹھو، مونٹی۔'' اُس کے باپ نے حکم دیا۔ ''درندوں کو دیکھو، یہ افریقہ کے سفاری جیسا ہے!''

مونٹی جہاں بیٹھا تھا، وہاں سے انہیں ٹھیک سے دیکھ سکتا تھا، اُن کی کرائے پر حاصل شدہ گاڑی کے دروازے سے چپکا ہوا تاکہ جانور کھڑکی سے اُس کا سر نہ دیکھ پائیں، لیکن یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اُس کی سیٹ بیلٹ ٹھیک سے لگی ہوئی تھی، وہ سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرتا۔

''کیا تم شیروں کو دیکھ سکتے ہو؟ کیا تم انہیں وہاں سے دیکھ سکتے ہو۔''

جی، مونٹی اپنے پاپا کو یقین دہانی کرواتا، جی ہاں، آپ انہیں میل بھر کے فاصلے سے بھی دیکھ سکتے تھے، آپ حتیٰ کہ بند کھڑکیوں میں سے بھی ان کی گدلی اور گندی جلد کی فطری بُو سونگھ سکتے تھے۔

''بہادر بنو بیٹا۔'' اُن کا باپ بیٹے کا ساتھ گزرا دن برباد کرتے ہوئے اُس کے باپ نے بالآخر اُسے گھرکا، بغیر سوچے کہ مونٹی بہادر ہی تھا۔ وہ اس سفاری پارک سے گزرتے ہوئے جہاں جانور دن بھر آزاد گھومتے تھے، بہادری کا بچا کر رکھا گیا ٹینک استعمال کرتا رہا تھا۔

اگلے موسم گرما میں وہ ونڈسر نہیں بلکہ ومبلڈن میں سینٹر کورٹ گئے تھے۔ مونٹی نے راجر فیڈرر

کوکھیلتے دیکھا۔ وہ مختصر سفید سکرٹس اور سنولائی ہوئی لمبی ٹانگوں والی اینا کورنیکووا پر دل و جان سے فدا ہو گیا تھا، لیکن وہ اب مزید کھیلتی نہیں تھی۔ کم سے کم ومبلڈن میں نہیں۔ لندن میں کم کم نکلنے والی دھوپ نے مونٹی کے آدھے سر میں درد کر دیا تھا اور اس نے اپنا دن اسے اپنے والدین سے چھپانے کی کوشش میں گزارا جنہوں نے Pimm's پی تھی حتیٰ کہ ممی نے بھی... کیوں کہ پاپا نے انہیں بتایا تھا کہ اس میں الکوحل نہ تھی... اور اصلی انگریزوں کی طرح سٹرابیریز اور کریم کھائی تھی۔

مونٹی ثقافت کے متعلق جو کچھ جانتا تھا، وہ اس نے لندن میں سیکھا تھا۔ ویسٹ اینڈ میں ڈرامہ دیکھتے، مے فیئر میں اچھا کھانے کھاتے، اپنے باپ کو Savile Row سے اچھا سوٹ خریدتے دیکھتے، اور فخر وغرور نہیں بلکہ اعتماد محسوس کرتے ہوئے جب اپنے باپ کو اُس نے اپنے بالکل ٹھیک ناپ پر سلے ہوئے مہنگے کپڑے کے سوٹ میں ملبوس ڈریسنگ روم سے نکلتے دیکھا۔ اکبر احمد Rio Jesus کی طرح کولہوں پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے اور سفید بالوں والا انگریز درزی تعریفی انداز میں قدم پیچھے اٹھاتے اُن کے کف درست کر رہا تھا، قبل اس کے کہ وہ نفیس سیاہ سلک ٹراؤزر کی فال کو دیکھتے اپنے گھٹنوں پر جھکا۔

جب وہ اٹھارہ برس کا ہوا تو پاپا نے کہا کہ وہ مونٹی کو آرڈر پر تیار کردہ اُس کے پہلے سوٹ کے لیے اینڈرسن اینڈ شیپرڈ لے جائیں گے۔ تب تک مونٹی کو پڑھنا، محنت کرنا اور پاپا کو متفاخر بنانا ہوگا۔ انعام بعد میں ملیں گے... ایسا کوئی بھی شخص محروم نہیں رہ سکتا تھا جو اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا ہو۔ ایسا کوئی شخص محروم نہ رہ سکتا تھا جو اپنے خاندان کا نام روشن کرتا ہو۔

اس موسم گرما جب مونٹی سترہ برس کا ہوا، اکبر احمد کو اپنے بیٹے کے ساتھ گزارنے کو وقت نہ مل سکا۔ ریجنٹس پارک میں کوئی کشتی رانی ہوئی نہ ہی The Wolseley میں کوئی سٹیکس، نہ سٹرابریز اور نہ ہی Pimm's۔ میں مصروف ہوں، پاپا نے بس یہی کہا تھا، نہیں کر پاؤں گا۔ کل، پرسوں، ویک اینڈ پر۔

لیکن مونٹی، ہیرڈز کے عقب میں Ladurée کے پاس سے گزرا اور پاپا کو ایک سبز چھتری تلے بیٹھے دیکھا تھا، جہاں وہ اکیلے بیٹھے، دنیا کو گزرتے دیکھتے، کافی کی چسکیاں لے رہے تھے۔ وہ تب زیادہ مصروف دکھائی نہ دیئے تھے۔ مونٹی Brompton روڈ پر رک گیا اور سوچنے لگا کہ اپنے باپ کے پاس جائے یا نہیں، کیا وہ سڑک پار کر کے اُن کے پاس جائے اور کافی کے لیے ان کے برابر بیٹھ جائے۔ لیکن میز پر تنہا بیٹھے پاپا اس قدر خوش باش اور مطمئن دکھائی دیتے تھے کہ مونٹی نے اپنا سر جھکا لیا تاکہ اُس کے والد اس کو دیکھ نہ پائیں اور کچھ کہے بغیر واپس گھر چلا آیا۔

جب سے مونٹی پیدا ہوا تھا، اس روز جب کراچی کے سب سے قابل احترام پارسی Obstetrician کے ہاتھوں اس نے وقت سے آٹھ روز پہلے جنم لیا تھا، کسی صیقل موتی کی طرح دمکتی ہوئی اس کی گلابی بھیگی ہوئی جلد، زہرہ احمد نے خدا سے وعدہ کیا تھا: وہ اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت کرے گی۔ اپنے مستقبل کے کسی بھی بچے سے زیادہ (وہ بچہ جو خدا نے بخشنا مناسب نہ جانا)، اپنے شوہر سے زیادہ، اپنے

بہن بھائیوں یا ماں باپ سے زیادہ۔

''تم لڑکے کو بگاڑ دو گی، برباد کر دو گی۔'' اُس کے شوہر نے تنبیہ کی، اُن کی اپنی بیوی پر جھلاہٹ کیسے اپنے ہی خون سے سے جنم لینے والے اپنے بچے کو دیکھنے پر اثر انداز ہونے لگی تھی۔ ''خدا کا واسطہ ہے، اسے سیکھنا چاہیے کہ مرد کیسے بنتا ہے۔''

رات دیر گئے جو اس کے ماں باپ گیسٹ بیڈروم میں بحث کر رہے تھے، ضروری نہ تھا کہ مونٹی وہ گفتگو سن لیتا۔ وہ سکول کے کچھ بچوں کے ساتھ Trocadero گیا ہوا تھا... اُس برس ہر کوئی لندن میں تھا۔ Trocadero کے بعد دانیال ہود بھائی نے میسج کیا کہ اُس نے Loulou's میں میزبک کروائی تھی اور کیا وہ آنا چاہتے تھے؟ باقی ہر کوئی چلا گیا، لیکن مونٹی، دانیال کو نہیں جانتا تھا جس نے اُسی مئی میں گریجویشن کی تھی اور کچھ سال بڑا تھا۔ اس سے متعلق کچھ عجیب سی بات تھی، کچھ مکروہ سی۔ وہ نیلی نیل پالش لگاتا اور دعوے کرتا کہ مشہور و معروف ہستیوں کے ساتھ وہ میامی اور Nice میں پارٹی کرتا رہا تھا، ثبوت کے طور پر ہمیشہ سیلفی پیش کرتا۔ دانیال بھیگی آنکھوں والے لیونارڈو ڈی کیپریو یا بمشکل سیدھی کھڑی ہوتی لنڈ سے لوہن کے گرد باہیں ڈالے Peace کا نشان بناتے ہوئے۔

مونٹی کو موسمی بخار تھا، لندن میں سال کے اس حصے میں ہمیشہ ناگوار ہوتا۔ اس نے اپنی بھیگی آنکھوں اور گلے کی سوزش کو گھر جانے کے بہانے کے طور پر استعمال کیا، بجائے اس کے کہ دانیال ہود بھائی کے گرد جمع (مردانہ میلے) میں شریک ہوتا۔

مونٹی، اُوبر بلانے کی بجائے پارک لین پر پیدل چلتا گیا اور گرین پارک سے ہوتا گھر چلا آیا۔ جب اُس نے فلیٹ کا دروازہ کھولا تو اُسے لیونگ روم کے فرش پر خدیجہ بیٹھی دکھائی دی۔ اُس نے گھٹنے موڑ رکھے تھے اور ریموٹ ہاتھ میں تھا۔ اُس کے براؤن بال اور گرم جوش چہرہ ٹی وی سکرین کی چمک سے روشن تھا۔ وہ فیشن ٹی وی دیکھ رہی تھی، مونٹی نے کیٹ واک میوزک پہچان لیا۔

وہ باتھ روم گیا اور یہ یقین دہانی کرتے شاور لیا کہ دھویں اور بئیر کے تمام نشان دھل جائیں، دانت برش کیے۔ وہ اپنے بیڈروم میں جا رہا تھا، جب اس نے گیسٹ بیڈروم کی لائٹ جلتی دیکھی۔ کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اس بستر پر بیٹھے ہوئے پاپا دکھائی دیئے، اُن کی ٹائی کھلی ہوئی تھی اور اُن کا سر اُن کے ہاتھوں میں تھا۔ ممی اپنے بڑے سے باتھ روب میں تھیں، وہ کمرے میں ٹہل اور چلا رہی تھیں۔

''وہ میرا بیٹا ہے۔ وہ صرف میرا بیٹا ہے، مجھے اس سے محبت کرنے کی اجازت ہے۔ اور کس سے محبت کروں، اکبر؟ تم ہی بتاؤ مجھے، میں کیا جرم کر رہی ہوں؟''

اکبر احمد نے اپنی آواز اپنی بیوی جتنی بلند نہ کی۔ وہ تلخ لہجے میں مگر نرمی سے بولے، ''وہ ہکلائے اور مدد کے لیے تمہاری طرف دیکھے بغیر بمشکل ایک جملہ ہی مکمل کر پاتا ہے۔ اسے اپنے لیے کھڑے ہونے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں اور اس کچھ بھی احساس نہیں کہ وہ کون ہے، زہرہ۔'' پاپا کھڑے

ہوئے، اپنی قمیص کے بٹن کھولے اور اسے الماری میں ٹانگ دیا۔ ''لڑکے کو سانس لینے دو، خدا کا واسطہ، اسے یہ کہہ کر دہشت زدہ کرنا بند کر دو کہ ڈرنک مت کرو' اور ' برے لڑکے مت بنو' اور ' سگریٹ نوشی مت کرو' اور ' تم کہاں جا رہے ہو؟'' بچہ دائیں اور بائیں میں فرق تک نہیں بتا سکتا۔ کیا تم یہی چاہتی ہو؟''

زہرہ نے ناک سکیڑی۔ ''اچھا تو کیا مجھے اُس کو تم جیسا بنانا چاہیے، بغیر کسی اخلاقیات کے؟''

''مجھے ایک بیٹا چاہیے۔'' اکبر احمد اپنی بیوی کا بازو تھام کر اپنے چہرے کے قریب لاتے ہوئے پھنکارے۔ ''لیکن تم زنخا پال رہی ہو۔''

جب لفظوں کے ڈنگ ذرا کم ہوئے تو مونٹی نے نوٹس کیا کہ اس کے پاپا کے تمام جوتے گیسٹ روم کی الماری کے باہر قطار میں رکھے تھے۔ اُن کی Barbour جیکٹ کرسی پر لٹکی تھی اور بیڈ کے ساتھ والی ٹیبل پر اُن کا آئی پیڈ چارجنگ پر لگا ہوا تھا۔ کیا پاپا گیسٹ روم میں سوتے رہے تھے؟ اُس نے اپنے باپ کو پریشان کرنے کو ایسا کیا کیا تھا؟ کیا اسی لیے ممی سارا دن اندھیرا کیے سوتی رہی تھیں؟ کیا اس کی وجہ وہ تھا؟

''میں اسے تم جیسا بدمعاش نہیں بناؤں گی۔'' زہرہ نے اپنے دانت پیستے ہوئے ایک ایک لفظ ادا کیا۔ ''میں ایک اچھا انسان پروان چڑھاؤں گی، سمجھے تم؟ کہیں بہتر، کہیں نرم خو، میرا بیٹا۔'' انہوں نے گہرے سانس بھرتے ہوئے اپنے بالوں میں اپنی انگلیاں چلائیں۔ ''وہ میرا بیٹا ہے۔''

ایک ابر آلود روز مونٹی کنگز روڈ پر ایک نئے کھلے کافی ہاؤس میں گیا۔ وہ اُن کی چھٹیوں کا تقریباً اختتام تھا۔ ایک ہفتے میں سکول کھلنے والا تھا اور وہ جلد ہی جا رہے ہوتے۔ بے حد میٹھی Matcha latte پیتے سڑک کی جانب دیکھتے وہ کاؤنٹر پر اکیلا ہی بیٹھ گیا، جب مصروف راہ گزر پر ایک بھورے بالوں والی لڑکی اور اس کے بوائے فرینڈ نے ایک دوسرے کا بوسہ لیا۔ جب مرد نے الگ ہوتے ہوئے لڑکی کے چہرے پر آنے والے بالوں کو پرے کیا، مونٹی کرب سے انہیں دیکھتا رہا۔ اپنے سکول کے تمام فلرٹ اپنی کلاس کی لڑکیوں سے رات دیر گئے باتوں اور پارٹیوں میں بے معنی Hook-ups کے باوجود اُس کی کوئی گرل فرینڈ نہ تھی۔ شاید ٹھیک ہی تھا جو اس کے باپ نے کہا تھا: شاید اُسے مرد ہونا آتا ہی نہیں، اپنے اردگرد دنیا کو اپنی مرضی سے چلانا یا حکم دینا نہیں آتا۔

مونٹی نے مرد کو غور سے دیکھا، یہ مشاہدہ کیا کہ وہ کیسے ہنستا یا مسکراتا تھا۔ کیسے لڑکی کے چہرے کو اپنے قریب لایا تھا۔ سڑک پر کھڑے بانہوں میں بانہیں لیے اور ایک دوسرے کی جلد سے مس ہوتی اُن کی سانسیں۔ تیز نارنجی جمپ سوٹ میں ایک صفائی والا بوڑھا اپنا کوڑا دان گھسیٹتا اُن کے قریب سے گزرا۔ وہ اپنے سفید بالوں پر اپنے یونیفارم کے رنگ کی پگڑی پہنے ہوئے تھا۔ اُس نے جوڑے کے اردگرد جگہ بناتے ان سے دور اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں۔ لیکن جب سکھ گزرا، لڑکی نے خود کو اپنے بوائے فرینڈ سے

الگ کیا اور نئی فیشن پرست دکان کے کافی کپ کو اس کے کوڑے دان کی طرف اچھال دیا۔ نشانہ خطا گیا۔ ڈھکن کھل گیا اور کافی چھلکنے سے سڑک گندی ہوگئی۔ اس پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ سکھ کو نظرانداز کرتے ہوئے بوائے فرینڈ نے اپنی ناک اس کے بالوں میں دفن کر لی اور لڑکی کو دوبارہ بوسہ دینے کے لیے اپنی طرف کھینچا۔ اپنے سر کا درمیانی گنجا حصہ دکھاتے ہوئے جسے اس کی پگڑی ڈھانکنے میں ناکام رہی تھی، سکھ سڑک کے کنارے کی طرف جھکا اور ان کا پھیلایا ہوا کوڑا صاف کیا۔ اُس لمحے مونٹی کو اپنا دل شرم سے جلتا محسوس ہوا۔

اُس نے اپنی کافی کاؤنٹر پر چھوڑی اور گلی میں نکل آیا۔ وہ بوڑھے سکھ کی مدد کی خاطر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا، لیکن صفائی والے نے ہاتھ اُسے منع کیا۔ ''فکر مت کرو، فکر مت کرو۔'' اُس نے مونٹی سے نگاہیں ملانے سے گریز کرتے ہوئے کہا، ''فکر مت کرو، برائے مہربانی۔''

انیتا روز

''ایذرا؟''

انیتا اپنے دونوں ہاتھ اپنے رخسار تلے رکھے سرد فرش پر لیٹی تھی۔ پہلی مرتبہ جب اس نے اُس کا نام لیا تو اس کے بھائی نے یوں ظاہر کیا کہ جیسے سنا ہی نہیں۔ اس نے گہری سانس لی اور اس کی پلکیں ہلکی سی پھڑ پھڑائیں جیسے پھنسی ہوئی تتلی اپنے پر پھڑ پھڑاتی ہے۔ انیتا جانتی تھی کہ کب ایذرا دکھاوا کرتا تھا، وہ اس کے سب جھوٹ اور شرارتیں پہچانتی تھی۔

''ایذرا؟''

اُس نے تھیٹر کے سے انداز میں آہستہ سے اپنی ایک آنکھ کھولی جیسے اُسے کسی خواب سے واپس بلایا گیا ہو۔

لمحے بھر کو تو ایک دوسرے کو بس گھورتے رہے اور پھر ایذرا اُن کے درمیان تناؤ کو رفع کرتے ہوئے مسکرا دیا۔ ''کیا ہے یار؟'' وہ بہن بھائیوں کے درمیان دیکھنے اور جاننے کی لکیر کو توڑتے ہوئے مڑ کر کمر کے بَل لیٹ گیا۔ اُس نے اپنے بازو سر کے پیچھے تہ کر کے ہتھیلیوں کو تکیہ سا بنا لیا۔ ''ایذرا ایذرا ایذرا.... رات بھر... تم چاہتی کیا ہو؟''

انیتا نے اپنی ماں کی بھاری سی ٹانگ اپنی اکڑی ٹانگوں سے پرے ہٹائی اور اپنا دھڑ زنوبیہ کے نیچے سے نکال کر فرش کے اُس حصے کی طرف کھسک آئی جہاں ایذرا لیٹا تھا۔ زنوبیا ہر رات اپنی بیٹی کے ننھے سے جسم کو دَم گھونٹنے کے انداز میں اپنی ٹانگ تلے لپیٹ لیتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے بھائی کے قریب کھسک آئی اور ایک گھٹنا اٹھا کر اور بازو تہ کر کے اور سر کا رخ دور کہیں ستاروں کی جانب کر کے اپنے بھائی کی نقل میں کمر کے بَل لیٹ گئی۔

ایذرا نے رخ موڑ کر اور آنکھیں گھما کر انیتا کو دیکھا۔ وہ اندھیرے میں بھی اسے ایسا کرتے دیکھ سکتی تھی۔ ''کیا؟'' اُس نے خفا سا ہو کر آہ بھری۔

''میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی بھیا۔ لیکن... '' انیتا نے گہری سانس بھری۔ ''پرندوں

کا دانہ ختم ہو رہا ہے۔''

جب وہ بچے تھے، ایذرا کو بڑے سے کلفٹن ہاؤس جانا پسند نہ تھا۔ اُسے پرواہ نہ تھی کہ اُن کا بڑا سا باغ تھا یا پھر چڑیا خانہ جس کی نگرانی رنگی ہوئی گھنی مونچھوں والا مالی کرتا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں بانس کی پتلی سے چھیڑی لیے بڑے سے باغ میں مرغیوں کو ایسے ٹہلاتا تھا جیسے فوجی گشت پر ہوں۔ وہ اپنی سرمئی شلوار قمیص میں پرندوں کا کھانا رکھتا اور اپنی پرانی قمیص کے دامن کو ایسے تھامے ہوتا جیسے وہ کوئی پیالہ ہو، جب وہ دھاری دار ہدہد اور ہر صبح غم آگین گیت کے ساتھ ملنے والی کوئلوں کو منہ سے آواز نکال کر بلایا کرتا تھا۔

ایذرا کے آخری مرتبہ گھر آنے پر مالی نے ایذرا اور انیقا کو پرندوں کے دانے میں سے کچھ دیئے اور جوزف بچوں کو مرغیوں اور ہدہد اور گاتی کوئلوں کے مارچ پاسٹ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ انیقا اس شمولیت پر خوش تھی، وہ شادی میں چاولوں کی طرح دانے کو ہوا میں اچھال رہی تھی۔ لیکن اگرچہ ایذرا کلفٹن فیملی کے چڑیا خانہ سے لطف اندوز ہوتا دکھائی دیتا تھا، آخر کار اس کے دبلے ستواں چہرے پر سائے سے لہرا گئی اور اُس نے چڑیوں کا دانہ جھاڑی میں پھینک دیا۔ اس پر احاطے کی دیوار کے سائے میں بیٹھی موٹی آوارہ بلیاں خوف زدہ ہو گئیں۔ ''میں اُن کے لیے کام نہیں کرتا۔'' رکشہ میں واپس مچھر کالونی آتے ہوئے وہ اپنی ماں پر چلّایا، ''میں ان کا نوکر نہیں ہوں۔''

''چھوڑو بھی بابا۔'' اس واقعے کے پورے ہفتہ بعد زنوبیا نے اپنے پلاسٹک کے تھیلوں کو تیل سے بھرتے اُسے ٹہوکا دیا، ''ضروری نہیں کہ تم باغ میں کھیلو۔ تم گیٹ کے برابر میں بیٹھ کر اپنا سکول کا کام بھی کر سکتے ہو۔'' وہ ایذرا کو گھر نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ وہ دُور ہوتا جا رہا تھا... اور شاید اُس کی ماں ہی یہ دیکھ سکتی تھی... اور کمینہ بھی اور اسی مشتعل اور نازک عمر ہی میں لڑکے گینگ میں شامل ہوتے اور مقامی گینگسٹرز کی پیغام رسائی کرتے پائے جاتے تھے۔ ایک ایسی قسمت جو زنوبیا نے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے سوچنے سے بھی انکار کر دیا۔ ایذرا پہلے ہی سکول چھوڑ کر کام کرنے کی بات کرنے لگا تھا۔ وہ 3 بجے کے بعد چھوٹے موٹے کام کرنے لگا تھا۔ رات بھر وہ گھر سے باہر رہتا۔

چوکیدار زنوبیا کو جانے سے پہلے ہمیشہ چائے پلایا کرتا تھا، بعض اوقات چائے کے دو کپ اگر وہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے آجاتی۔ ''جب تم پڑھ رہے ہو تو شاید یہ اللہ دتہ تمہیں چائے بھی پلائے۔'' اس نے کہا مگر ایسا کہتے ہی اُسے احساس ہوا کہ اس سے غلطی ہو گئی تھی۔

انیقا روز اپنی ماں اور بھائی کو بحث کرتے دیکھتے خاموشی سے سنتی رہی۔ وہ اپنے چھوٹے سے گھر کے دھاتی دروازے کے قریب کھڑی تھی۔ جوزف خاندان اور باہر کی دنیا کے درمیان ایک پتلا سا پر پل کپڑا پردے کے طور پر لٹک رہا تھا۔ اس نے اپنی انگلیاں اپنے سکول یونیفارم کی جیب میں گاڑ لیں اور اس میں رکھے پرندوں کے دانے میں انگلیاں چلائیں۔ ایک اضافی مٹھی جو اس نے گھنی مونچھوں والے

مالی کی نظر بچا کر بھر لی تھی۔

اس کی خواہش تھی کہ ایذرا تماشا نہ کھڑا کرے۔ وہ باغ میں ارغوانی بوگن ویلیا سے بھرے پرندوں کے پنجرے میں کس قدر کھیلنا چاہتی تھی۔ مالی، انیتا کے ساتھ اکیلے نہیں کھیل سکتا تھا۔ یہ ٹھیک نہیں ہوگا، اُن کی ماں نے کہا۔ انیتا بڑھتی عمر کی لڑکی تھی اور اُس کے بھائی کو وہاں موجود ہونا چاہیے تھا۔ مرد جب نوعمر لڑکیوں کے ساتھ اکیلے ہوں تو بری غلطیاں کرتے تھے، زنوبیا نے کہا۔ اگر ایذرا ساتھ نہ چلتا تو انیتا کو گیٹ پر بیٹھ کر انتظار کرنا پڑتا (اگرچہ وہاں بھی مرد، اللہ دتا چوکیدار موجود تھا)۔ زنوبیا کو معلوم نہ تھا کہ انیتا نے سرونٹ کوارٹر میں کلفٹن کے خوبصورت گھر کے عین دل میں لانڈری روم تک جانے والی سیڑھیاں ڈھونڈ لی تھیں۔

''مجھے ان لوگوں سے کچھ نہیں چاہیے۔'' ایذرا نے اپنی ماں کو گھورا۔ اُس نے اپنی سکول کی کتاب بند کی اور غصے سے اٹھ کھڑا ہوا، ''میں پرندوں کے ساتھ کھیلنا نہیں چاہتا اور میں اُن کی چائے بھی نہیں پینا چاہتا۔''

یوں تب کے بعد سے زنوبیا کے ساتھ انیتا ہی جانے لگی۔ اور ہر اتوار کو ان کے کلفٹن ہاؤس سے نکلنے سے پہلے انیتا اپنی چپل ہاتھوں میں لیے کچن اور سرونٹ کوارٹرز سے گزرتی، گرم ٹائلوں پر تیز تیز قدم رکھتی۔ ان کے باغ کے عقب میں دیوار کے قریب پرندوں کا پنجرہ تھا۔ صبح کو گھنی سیاہ مونچھوں والا بوڑھا مالی (جس کی مونچھوں رنگی ہوتی تھیں) ڈوری کی انگلی سی بنا کر گھماتا جو اُس نے بطور چابی تیار کی تھی، قفل کھولتا اور پھر سبز پیراکیٹ (دراز دُم طوطے)، مینا اور مختلف انواع کے قید پرندوں کو رہا کر دیتا۔ وہ مٹی کے بڑے بڑے پیالوں کو ٹھنڈے پانی سے بھر دیتا اور ان کے پنجرے کے فرش پر دانہ بکھیر دیتا۔ رات کو پرندے دانہ کھانے واپس لوٹتے اور مالی انہیں دوبارہ اسی طرح بند کر دیتا۔

انیتا روز باغ میں کھڑی تھی، اس کے پیر گرم کیچڑ پر تھے، اور اس نے پرندوں کی آزادی کے لیے پھندے کے خلاف دانے سے ان کے پنجرے سے دور جاتا راستہ بنایا۔ لیکن پرندے ہمیشہ اپنے تاروں سے بنے پنجرے میں واپس اتر آتے، چاہے اس کا بنایا گیا بچ کر نکلنے والا راستہ کتنا ہی واضح ہوتا۔ انیتا ہمیشہ اپنی جیب میں مٹھی بھر دانے کے ساتھ کلفٹن والے گھر سے نکلتی، اُسے دھاتی جیل سے آگے سے آگے گراتی چلی جاتی، لیکن نتائج اُسے ابھی دیکھنا تھے۔

اب بھی، ٹین ایجر کے طور پر، انیتا کالونی کے سڑتے ہوئے کوڑے میں سے گزر کر سکول سے گھر آتی، محتاط کہ اس غلاظت میں اپنے کالے سکول شوز گندے نہ کر لے جو کھلے گٹروں سے اُبل رہی ہوتی تھی۔ سیوریج کا ایک چکنا دقیق مواد اور جلے ہوئے کوڑے کی راکھ جس پر شدید بدبو جمی ہوتی، وہ پرندوں کے لیے من (خداتعالیٰ کی نعمت) کا بنا راستہ پیچھے چھوڑتے ہوئے چرائے گئے دانے کو یہاں وہاں گراتی چلی جاتی۔

ایک گنا فروش نے اپنی ریڑھی آہستہ سے آگے بڑھائی، محتاط کہ پسماندہ اور گنجان کچی آبادی کی پُر ہجوم گلیوں میں تیزی سے دوڑتی موٹر سائیکلوں سے ٹکرا نہ جائے۔ لمبے زرد گنے، صرف وہاں سے سبز جہاں اُن کے ڈنٹھل دھوپ سے ملتے تھے، ریڑھے پر توازن سے رکھے گئے تھے۔ دھند لکے میں گنا فروش نے دھیمے افغانی لہجے میں پان والے کے مدھم گیس لیمپوں کی روشنی میں پانسے کھیلتے ہوئے بچوں کو پکارا۔

اب انیتا نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور خاموشی سے دانے کا اندازہ لگایا۔

بھاری بیگ جو وہ شانوں پر اٹھائے ہوئے تھی اور جو سکول کی کتابوں سے بھرا تھا،، اس سے کمر دکھ رہی تھی، جنہیں وہ ہر رات گھر لے جاتی تا کہ دوسری لڑکیاں ان کے اوراق پھاڑ نہ دیں اور اس کی املاک کو برے ناموں اور گالیوں کو سنوں کے بیل بوٹوں سے نہ سجادیں۔

شام کا وقت تھا اور بجلی نہیں تھی، کالونی میں بجلی جا چکی تھی۔ انیتا کے راستے کی رہنمائی کے لیے کچھ بھی نہیں تھا، ماسوائے کچی آبادی کی اونچی نیچی باہملی ہوئی گلیوں سے گزرتی موٹر سائیکلوں کی ہیڈ لائٹس کی مدھم روشنی کے۔

جب وہ گھر پہنچی تو اُن کے ہمسائے کے باہر ایک نیلا پک اَپ ٹرک سامان سے لادا جا رہا تھا۔ وہ فرنیچر سے بھرا ہوا تھا... ڈائننگ کرسیوں کا سیٹ، بید کا صوفہ، لکڑی کی ایک میز، ایک پرانا سفید فریج اور لمبے فرشی لیمپس کا ایک جوڑا۔ وہ اس سے زیادہ فرنیچر تھا جو جوزف خاندان اپنے واحد کمرے میں فٹ کر سکتا۔ انیتا پہلے کبھی اسامہ شاہ کے گھر کے اندر نہ گئی تھی، صرف اس کی دہلیز تک۔ بوڑھے شخص کا اُن کی نسبت کہیں بڑا گھر تھا۔

اس سب کے بیچ میں جہاں کرسیاں دو دو کر کے ایک دوسرے پر دھری تھیں اور لیمپ اپنی سیاہ تاروں کے باعث ایک دوسرے سے الجھے ہوئے تھے، وہ لڑکا جسے اس نے ایک بار دیوار پر فٹ بال مارتے دیکھا تھا، پک اَپ کے کھلے پچھلے حصے میں کھڑا تھا اور سٹیل کے ٹرنک کے برابر میں اپنے بازوؤں میں کپڑے کا ایک سوٹ کیس اٹھائے خود کو توازن میں لا رہا تھا۔ وہ اب خاصا بڑا دکھائی دیتا تھا اور اب خاصا لمبا تھا۔ اس کے بال گھنے اور سیاہ تھے جو اس کی گردن کی گدی پر گھنگھرالے تھے، اور اس کا بدن اب بھی توانا اور دبلا پتلا تھا۔

جب ٹرک مارکسسٹ کے گھر سے آہستہ سے دور ہونے لگا تو انیتا نے اس کو دیکھا جو گرنے سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بڑھاپے میں بھی اُس کی وہی مہربان آنکھیں تھیں اور شام کے دھندلکے میں اُسے یقین تو نہ تھا مگر اُس کو خیال ہوا کہ جب ٹرک سڑک پر آگے بڑھا تو لڑکا چلا رہا تھا۔

وہ چاہے جتنی بھی سنجیدہ دکھائی دیتی، انیتا روزا اپنے چڑچڑے بھائی کو اپنے ساتھ کلفٹن والے گھر جانے پر کبھی قائل نہ کر پائی۔ اُس نے اپنا بچپن بھوکے پرندوں کی فکر کرتے گزارا اور حتیٰ کہ مزید برس اپنے سکول یونیفارم کی جیبیں پرانے بچے کُھچے دانے سے بھرتے ہوئے، اس سے قبل کہ اس نے متقید

پرندوں کی خود دیکھ بھال کرنے کا فیصلہ کیا۔

حال ہی میں لانڈری روم میں چھپے ہوئے اور تمنا کرتے کہ رحیم اُن پرندوں کی پرواہ کرے جو اس کے گھر کے بالکل قریب رہتے تھے ... مینا اور چیلوں اور ٹیلر برڈز کا جنگل، نوکیلی دموں اور نمونے دار جسموں والے، جنہیں وہ اور اس کا خاندان بغیر جانے یا بغیر پرواہ کیے پناہ دیئے ہوئے تھا۔ آخر کار انیتا نے معاملے اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کیا۔ پرندوں کے دانے کے بحران سے حوصلہ پا کر، وہ یہ دیکھنے کو کہ آیا وہ کوئی اپنا ذاتی چھپایا گیا خزانہ رکھتا تھا، رحیم بے بی کے کمرے میں چوری چھپے داخل ہوئی۔

لیکن اُس کے دروازے سے کھسک کر اندر داخل ہوتے اُسے لڑکے کا صرف کمرا دکھائی دیا، جینز سے بھرا بے ترتیب بستر، ریسنگ گاڑیوں کے پوسٹرز، فرش پر بکھری جرابوں اور کے ایف سی کے مڑے تڑے خالی ڈبوں کے ڈھیر جو کمرے کو ایک چکنی تیل بھری بُو دے رہے تھے۔

انیتا نے ایک سرخ وسیاہ ٹیک اوے ڈبہ اٹھایا اور تلی ہوئی مرغی کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے اسے ناک کے قریب لے آئی۔ اس نے سوچا کہ یہ ایسا لڑکا نہ تھا جو پرندوں کے دانہ کے متعلق کچھ بھی سوچتا، اپنی انگلیوں کے ناخنوں سے اس نے کے ایف سی کے ڈبے کی تہ کو کھرچا اور چپکی ہوئی نارنجی تہ ہٹائی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے چکھ پاتی، اُسے میڈم کے بیڈروم کا دروازہ کھلنے کی اور ایسی آواز آئی جو ٹائلوں والے فرش پر اُس کی ماں کی ٹوٹی چپلوں کے علاوہ اور کچھ نہ ہوسکتی تھی۔

''انیتا؟'' اُس کی ماں نے کسی طور پر محسوس کر کے کہ وہ وہیں تھی، اس کو پکارا۔ انیتا نے مرطوب ڈبہ گرا دیا اور نظریں جھکائے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی، تیار کہ اس پر چلّایا جائے گا۔ اسے اندر نہیں ہونا چاہیے تھا، وہ جانتی تھی کہ میڈم کے اصول بہت سخت تھے کہ نفیس سے کلفٹن ہاؤس میں کون سے لوگوں کو آنے کی اجازت دی جائے۔ نشست گاہ کی میز پر وہاں اکیلی پڑی ریما کی نوٹ بک تھی، اس کا سرورق دھوپ میں ہلکا سا چمک رہا تھا۔ انیتا روز اسے چھونے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس کی جانب بڑھتی لیکن اس سے پہلے ہی اس کی ماں نے اُسے دیکھ لیا۔

''آؤ۔'' زنوبیا نے یہ پوچھنے کے لیے رکے بغیر کہ انیتا اوپری منزل پر کیا کر رہی تھی، اپنی بیٹی کا ہاتھ جھپٹ کر تھامتے ہوئے کہا۔ اس نے صرف انیتا کے بال درست کرنے کو توقف کیا۔ اسے جلدی سے میڈم کے اندھیرے بیڈروم میں لے جانے سے پہلے ایک چھوٹی سی لٹ درست کر کے اس کے کان کے پیچھے اڑسی۔

کمرا گرم تھا۔ پردے کھنچے ہوئے تھے۔ اور اگرچہ وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کی ماں کا تیل والا پلاسٹک کا تھیلا پہلے ہی بندھا ہوا تھا، انیتا ناریل کی خوشبو سونگھ سکتی تھی جو رحیم اور ریما کی ماں کے عریاں شانوں پر چمک رہا تھا۔

اُن کی ماں فربہ تھی، رحیم کی طرح اور وہ صرف تولیا پہنے ہوئے اپنے بیڈ کے کنارے پر بیٹھی

تھی۔ اس کی گردن کی گدی اور پشت بالکل بگلے جیسے تھی۔ اُس کے بیٹھنے کا ہر انداز اُس کی بانہوں کے نیچے لٹکتے گوشت کو نمایاں کر رہا تھا اور اس کی ٹھوڑی کے نیچے لپٹی ہوئی جلد کو۔

''یہ میری بیٹی ہے، میڈم۔'' زنوبیا نے ایسی بلند آواز میں کہا جو اس سے قبل انیتا نے اُسے استعمال کرتے نہ دیکھا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس نے اپنی بیٹی کو اپنے قریب تر کیا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے فخر سے انیتا کا بازو سہلایا، یوں جیسے وہ سارے کا سارا بے ترتیب کھلا پڑا تھا اور اس جگہ پر رکھنے کے لیے زنوبیا کا اس کو برابر یا ہموار کرنا ضروری تھا۔

''پندرہ سال، میڈم، تقریباً۔ انیتا روز۔''

اپنے ہاتھ تولیہ سے صاف کرنے سے پہلے جو خطرناک حد تک کھلنے کے قریب لگتا تھا، میڈم نے ذرا کی ذرا اپنی ہتھیلیاں آپس میں رگڑیں۔ اُس کی انگلیوں کے جوڑ جب چکنے پھسلواں ربط میں آئے تو اس کی انگوٹھیاں آپس میں بجیں۔ ''تم کتنی عمر کی ہو، انیتا؟'' وہ زنوبیا کو نہیں سن رہی تھی۔

''سولہ۔'' انیتا نے اپنی ماں کی تصیح کرتے ہوئے جواب دیا، ''سولہ سال کی۔'' وہ زنوبیا کو مسکراتے اور توثیق میں سر ہلاتے دیکھ سکتی تھی۔ اس خوب صورت گھر میں لا کر اس خاندان سے ملائے جانے پر وہ پُرجوش تھی جسے وہ عرصے سے دور سے دیکھتی آ رہی تھی۔

خدا بھلا کرے، خدا بھلا کرے، زنوبیا زیرِ لب بڑبڑائی۔

اپنی ماما کی طرح، انیتا رحیم کے کمرے میں اپنی دریافت پر اپنی گھبراہٹ کو بھول گئی اور بیڈ پر روئیں دار تولیے میں ڈھکی چوڑی خاتون کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کچھ پُرسکون ہو گئی۔

''کیا تم اپنی ماں کی طرح محنتی ہو؟'' میڈم، انیتا سے مخاطب تھی مگر دیکھ زنوبیا کو رہی تھی، یوں انیتا کو جواب دینے میں ایک سکینڈ لگا کیوں کہ وہ بے یقین تھی کہ آیا سوال اُسی سے کیا گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی اور کہتی کہ ہاں وہ بہت محنتی تھی، وہ وہ سکول میں اوّل آتی تھی، اس کے اساتذہ نے کہا تھا کہ اگر اس نے اس سال بھی محنت کی تو وہ شہر کے کسی بھی کالج میں اے لیولز کے اپلائی کر سکتی تھی، میڈم نے بات جاری رکھی۔

''کیا تم یہاں کام کرنا چاہو گی؟'' میڈم نے ایسے لہجے میں کہا جسے انیتا نے دوستانہ سمجھا، اگرچہ سوال تاریکی میں چاقو کی طرح آیا تھا، کوندتا ہوا اور خطرناک۔ ''مجھے اوپری منزل کی صفائی اور فیملی رومز کی دیکھ بھال کے لیے ایک لڑکی کی ضرورت ہے۔''

انیتا نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ زنوبیا خوشی سے مسکرا رہی تھی، اُس کا چہرہ روشن اور منور تھا۔ گرم کمرے کی حدت میں اُسے پسینہ آ رہا تھا اور اس نے دوپٹے کے کونے سے اپنی پیشانی پونچھی۔ کیا اس لیے اس کی ماں نے اُسے یہاں بلایا تھا؟ تاکہ میڈم انیتا کو نوکری دے سکیں؟

''نہیں۔'' انیتا نے اس امید پر صاف طور پر کہا کہ دوسری جانب وہ مہربان سنائی نہ دے۔

''ارے۔'' زنوبیا نے اپنی بیٹی کے شانے پر چٹکی کاٹی اور اس ہلایا۔'' یہ کس قسم کا جواب ہے؟'' وہ انیتا پر پھنکاری یوں جیسے میڈم اسے سن نہ سکتی تھی۔

''میں سکول جاتی ہوں۔'' انیتا نے اپنے بھینچے ہوئے دانتوں کے بیچ کہا۔ اُسے اپنا چہرہ جلتا ہوا محسوس ہوا۔

''معاف کیجیے میڈم...'' زنوبیا نے اُسی مصنوعی لہجے میں بولنا شروع کیا لیکن وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، انیتا اس کی پیروی نہ کر سکی۔

''میں سکول میں ہوں۔'' اپنی ماں کے احتجاج کو رد کرتے ہوئے، ذلت محسوس کرتے ہوئے انیتا نے دہرا کر کہا۔ اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ اب وہ سمجھ گئی کہ بہت سال پہلے اس روز ایذرا کو اس قدر غصہ کیوں آیا تھا، جب اس نے پرندوں کا دانہ بلی کے آگے پھینک دیا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ دُور کیوں رہا تھا لیکن وہ دُور نہیں رہنا چاہتی تھی۔ انیتا روز ان لوگوں سے لڑنا نہیں چاہتی تھی، وہ ان کے ساتھ بدتمیزی نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ انہیں اس قدر پسند کرتی تھی لیکن پھر بھی، وہ سمجھ گئی۔

وہ اُن کی نوکر بننے نہیں جا رہی تھی۔

مونٹی

''مونٹی، سر؟''

روشنی کی ایک چھوٹی سی درز نے اس کے تاریک بیڈروم کو بھر دیا۔ مونٹی نے چادر سر تک کھینچ لی اور دروازے کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

''مونٹی سر، جاگنے کا وقت...''

جب سے وہ لندن سے واپس آئے تھے، مونٹی ٹھیک سے سو نہیں پایا تھا۔ فضائی سفر کی تکان نے اُسے صبح تین بجے تک جگائے رکھا تھا۔ گزشتہ شب وہ اذان کے بعد ہی کہیں جا کر سو پایا تھا، جب میناروں اور آس پڑوس کی چھتوں پر سے ہوتی مؤذن کی آواز آ رہی تھی، اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

وہ فلیپینو جس کی خدمات اس کی ماں نے موسم گرما سے قبل حاصل کی تھیں، کھلے دروازے میں کھڑی دروازے کو انگلیوں سے ہولے سے بجا رہی تھی۔ ''مونٹی سر۔'' اُس کی آواز تاریکی میں گاتے ہوئے گزری۔ ''آج آپ کا سکول ہے۔''

مونٹی نے ناراضی سے ہنکارا اور اپنی ٹانگیں اپنے سینے سے لگا کر اپنی دلائی میں مزید گھس گیا۔ ''میں نہیں جا رہا۔'' وہ گرم بستر پوش کے درمیان سے بولا۔ وہ لڑکی کا نام یاد نہ کر پایا، وہ اس سے پہلی بار گزشتہ روز ہی مخاطب ہوا تھا، جب وہ اس کا سوٹ کیس خالی کرنے آئی تھی اور ٹی شرٹس تہ کرتے اور اس کے گندے کپڑے الگ کرتے ہوئے اس کے کارپٹ پر ننگے پاؤں چوکڑی مار کر بیٹھ گئی تھی۔ انجیلا شاید۔ انجلینا؟

سینئر ائیر کی Orientation چھوڑ کر سکول کا پہلا دن مونٹی پہلے ہی مس کر چکا تھا۔ ان آزادیوں کے بغیر سینئر ہونے کی بھلا کیا تک تھی؟ کاشف نے کل کیمرا تین لڑکیوں کے سامنے لا کر، جو لائبریری سے Ramp پر گزر رہی تھیں، سکول سے اُسے فیس ٹائم کیا تھا۔ ان سب کے بال لمبے تھے، انہوں نے پلیٹ فارم سینڈل پہن رکھی تھیں اور تنگ جینز جو اُن کے کولہوں پر سہولت سے فٹ تھیں۔

''بھین... (گالی) تم کہاں ہو؟'' کاشف نے کیمرا تینوں کے کولہوں پر زوم اِن کیا تھا جو ہائی

سکول کی طرف ڈھلان چڑھ رہی تھیں۔ اس نے اپنا فون بائیں اور دائیں، بائیں اور دائیں، بائیں اور دائیں گھمایا۔

مونٹی کے بکھرے بال اس کے چہرے پر آ رہے تھے۔ وہ نیکر پہنے ہوئی بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی آنکھیں مسلیں۔ وہ کون ہے؟ اس نے پوچھا۔ وہ کسی بھی لڑکی کو پہچان نہ پایا۔ کاشف کا کیمرا درمیان والی پر آیا، اُس کی لمبی ٹانگوں اور پشت کو سکین کرتے ہوئے۔

''تازہ گوشت بیٹا، تمہاری اوسط سے زیادہ تازہ۔''

مونٹی، شاویز کی ہنسی سن سکتا تھا، لیکن وہ اپنے دونوں میں سے کسی دوست کو دیکھ نہ پایا کیوں کہ کیمرا درمیان والی لڑکی پر مرکوز تھا۔

''تم سکول آ رہے ہو کیا؟'' پرلی طرف سے شاویز چلایا۔

''Jetlag یار۔'' مونٹی نے بستر پر ٹیک لگائی۔ پاپا شنگھائی میں تھے اور ممی اپنے دوستوں کے ساتھ عمرہ کے پیکج دورے پر۔ آخر عمرہ ہی کیوں؟ مونٹی نے پوچھا تھا جب اس نے اپنی ماں کو سفید لبادہ اوڑھے دیکھا جس کے بازو ان کی کلائیوں تک لمبے تھے اور جو ان کے ٹخنوں تک لٹک رہا تھا۔ زہرہ احمد نے اپنے بالوں پر سفید کپڑا لپیٹ لیا جس نے گردن کو بھی ڈھانپ لیا اور آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ کیا یہ ٹھیک لگ رہا ہے؟ اس کی ماں نے حجاب کی پن کھول کر اسے دوبارہ اوڑھتے ہوئے زیرلب کہا۔ اس آسیب سے سفید لبادہ میں گم وہ اس قدر مختلف سے دکھائی دیں، بے یقین۔

زہرہ نے کپڑے سے الجھتے ہوئے اپنی نئی خادمہ کو پکارا کہ آ کر وہ اس کی مدد کرے۔ یوں جیسے مونٹی وہاں پر تھا ہی نہیں، یوں جیسے وہ اپنے مضطرب چہرے کے گرد کپڑے کو پن کرتے اور کھولتے وہاں ڈریسر کے سامنے اکیلی تھی۔

وہ ایک عجیب موسم گرما تھا۔ خاندان کی کیمسٹری میں کچھ بدل چکا تھا، حتیٰ کہ خود مونٹی میں، لیکن اس ٹھیک سے معلوم نہیں تھا کہ کیا۔ ممی اس نئی راہ پر تھیں جس نے پاپا سے معاملات کو مزید الجھا دیا تھا، جن کے مخالف وہ ہمیشہ ایک Buffer کا کردار ادا کرتی تھیں۔ اُن کی شیریں مزاجی پاپا کی ساری اجنبیت اور مایوسی کو دھیما کر دیتی تھی۔ اور اگرچہ مونٹی، لندن میں گھومتا پھرتا، شاپنگ کرتا اور دوستوں کے ساتھ کھاتا پیتا اور تفریح کرتا تھا، اس اپنا آپ معمول سے ہٹا ہوا، خالی اور شدید تھکن زدہ محسوس ہوا۔

وہ کہاں کالج جانے والا تھا؟ وہ کہاں داخل ہوگا؟ اُسے اپنے کالج ریکارڈ کے لیے کس قسم کی غیر نصابی سرگرمی میں شامل ہونا ضروری تھا، ریکارڈ جو اس تاخیری مرحلے پر بے حد کم تھا۔ SATs، درخواستیں، گریجویشن... اس سب کے متعلق سوچنا بہت مغلوب کر رہا تھا۔

''سستی مت کرو اور سکول آؤ۔'' کاشف فون کو اپنے منہ کے پاس لا کر چلایا۔ ''تمہارا خیال ہے کہ تم ہی ہو جو گرمیوں کی چھٹیوں پر گئے تھے؟''

''کاش میرے ماں باپ کو ذرا پروا نہ ہوتی کہ میں کیا کرتا ہوں۔'' شاویز نے فون جھپٹا جب مونٹی کو اس کے الفاظ کا یکا یک ڈنگ محسوس ہوا۔ اُسے خیال ہوا کہ اُسے اپنی ماں کے عمرے پر جانے کا بتائے، وہ پرواہ کرتی تھیں، وہ بہت پرواہ کرتی تھیں۔ وہ اس کے لیے عمرہ پر گئی تھیں، انہوں نے کہا تھا، تا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے خدا سے مضبوط ترین حفاظت اور رحمتوں کی دعا کریں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، شاویز نے ہنستے ہوئے فون واپس کاشف کو دے دیا۔ ''ایسا نہیں ہے کہ Fucking جہاز تم نے اڑایا ہو مونٹی۔'' اور انہوں نے فون بند کر دیا۔

مونٹی نے واپس تکیوں کے ساتھ ٹیک لگائی اور سہ پہر تک سوتا رہا۔ اس کے خوابوں میں صرف اُس لڑکی کے کیمرا وژن سے تعطل آیا جو اپنی لمبی ستواں ٹانگوں پر Low-waisted جینز پہنے ہوئے تھی۔

''سر؟'' دروازے پر ملازمہ کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی نازک کھٹکھٹاہٹ۔

اینجلا ئز، یہ تھا اُس کا نام۔

''میں جاگ گیا ہوں۔ میں جاگ گیا ہوں۔'' مونٹی نے دُلائی اپنے چہرے سے ہٹائی اور بڑھ کر فون اٹھالیا، جو اس کے سرہانے چارجنگ پر لگا ہوا تھا۔ تین ٹیکسٹ پیغامات، سب ممی کی جانب سے: خانہ کعبہ کی ایک تصویر، ایک اور مدینہ میں طلوعِ آفتاب کی سنہری زردی میں نہائی، سنگ مرمر کے فرش پر تنہا بیٹھی، ان کے ہاتھ مصروفِ دعا۔ مونٹی نے تصویر کو زوم اِن کیا، اپنی ماں کے چہرے کا روشن سکون دیکھ کر وہ انہیں تقریباً پہچان ہی نہ پایا۔

اینجلا ئز نے اُسے دیکھتے ہوئے دروازے کی چوکھٹ کے ساتھ ٹیک لگائی، اس کی صبر سے پُر آواز کسی گیت کی طرح تیرتی ہوئی آئی۔ ''مونٹی سر، گاڑی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔''

سنی

''میرے بیٹے!'' امام صاحب نے سنی سے اپنے بھاری لہجے میں پوچھا، ''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

سنی چھوٹے سے بنگلہ دیشی شخص کے سامنے، جس کی گھنی سفید ڈاڑھی کے ساتھ کوئی مونچھیں منسلک نہ تھیں، جامع مسجد کے پتلے ہوتے سرخ قالین پر بیٹھ گیا اور اُسے بتانے کی کوشش کی کہ وہ الجھن میں تھا۔ اُس کا باپ... وہی باپ جس نے اس کی ماں کی موت کے بعد کے برسوں میں بچپن میں اُسے نماز پڑھنا سکھایا، وہی سزائیں دہراتے ہوئے جو اُسے اُس کے بچپن میں دی گئی تھیں، جب سنی کو قیام یا رکوع میں جانا یاد نہ رہتا تھا تو وہ سنی کو مارتے اور اس کے کان مروڑتے... وہ اب مزید نماز نہ پڑھتا تھا۔

پا نے مذہب سے انکار کیا، اگرچہ ان کے پاس سنی سے بھی کم جواب تھے۔ سنی نے پا کو عمل میں آتے دیکھا، انہیں Rumba کلاس سے اکیلے واپس گھر آتے دیکھا، ان کی جرابوں کو رفو کی ضرورت تھی۔ اُس نے انہیں پارک میں اپنے بک کلب کی ایک دوست کی جانب ہاتھ ہلاتے دیکھا، لیکن تیز گلابی سوئیٹر میں ملبوس بوڑھی خاتون نے پا کو ایسے دیکھا جیسے وہ اُن کا نام یاد نہ کر پائی ہو۔ ''قرات مشکل ہے اس کی، یہ Cloud Atlas ہے ناں؟'' پا نے اس کے قریب جاتے ہوئے کہا۔

پھر بھی کچھ نہیں۔

''میں آپ کے بک کلب سے ہوں۔'' غافل، کتاب اس کی جانب لہراتے ہوئے، اُس کی اپنے لیے یادداشت کو جگانے کی کوشش کرتے، یاد آنے کے قابل کوئی شخص بننے کی کوشش میں پا نے بات جاری رکھی۔ عورت نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے پتلے، خشک ہونٹوں کو کچھ سوچتے ہوئے چبایا۔ ''وہ جو جمعہ کے روز ملتے ہیں؟''

سنی کو معلوم نہیں تھا کہ کس جانب دیکھے۔

اور اگرچہ پا کو سٹیفن کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا، یا اس بارے میں کہ کیسے مسجد ایک خالی، کھوکھلی جگہ تھی، یا اس بارے کہ کیسے بنیامین... بین جیسا کہ سنی کا بچپن کا دوست خود کو پکارے جانا پسند کرتا

تھا... نے اُسے نیچا دکھایا تھا، جیسے وہ کچھ بھی نہیں تھا، اُس نے سنی کو تنگ کرنا جاری رکھا۔

''تم اٹھ کر اپنے لیے کچھ کرتے کیوں نہیں؟ تم جا کر کسی دوستوں سے ملتے کیوں نہیں؟ کیا تمہیں تمہارے مستقبل کی کوئی فکر نہیں، ڈارلنگ؟''

لیکن سنی کوئی مستقبل دیکھ نہ پایا۔ پورٹسماؤتھ کی دیواریں اتنی بلند کبھی محسوس نہ ہوئی تھیں، اس نے کبھی تصور نہ کیا تھا کہ وہ انہیں ناپ سکتا تھا۔

بچے جن کے ساتھ وہ بڑا ہوا تھا... شین اور بین جیسے گورے لڑکے... اُس کے ساتھ کچھ لینا دینا رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ اب بھی ایشیائی لڑکوں کے ساتھ تو گھومتے تھے، مکی اور راج اور اُن دوسروں کے ساتھ، مگر مسلمان لڑکوں کے ساتھ نہیں۔

بین تو گورا ہی نہیں تھا۔ اُس کا باپ حقیقی پاکستانی تھا، ایک اصلی کرپٹ قسم کے انکل، آف شور اکاؤنٹس میں چھپائے گئے پیسے اور ایک انگریز بیوی والے جس کا پاسپورٹ انہیں پشاور یا جہاں کہیں سے وہ آئے تھے، وہاں واپس ڈی پورٹ ہونے سے بچاتا تھا۔ بین اور اس کے خاندان کا برتاؤ ملکہ سے زیادہ شاہانہ تھا۔

سنی اور بین کی کبھی بن نہیں پائی۔ بچوں کے طور پر وہ سینٹ تھامس میں واحد ایشیائی تھے، وہ فینسی سکول جو پا نے اِدھر اُدھر سے تلاش کیا تھا کہ وہاں سنی کو بھیجا جا سکے۔ لیکن بین نے پہلے ہی سے بغاوت شروع کر دی تھی، اپنی رنگت سے توجہ ہٹانے کے لیے اپنے دیسی ڈیڈ سے متعلق یاد مٹانے کے لیے، Customized Rover میں رول اَپ کرتے پاگلانہ کرتب دکھاتا، تمام استادوں کے ناموں کا غلط تلفظ ادا کرتے ہوئے اُس کا شوربہ جیسا گاڑھا لہجہ۔

بین نے صلیب پہننی شروع کر دی، بڑی سی سنہری۔ اس کی ماں عیسائی تھی، اس نے بتایا۔

''پھر کیا ہوا؟'' سنی نے فوراً ہی کچھ تذلیل محسوس کرتے اور مدافعانہ انداز میں جواب دیا، ''تم آدھے مسلمان بھی ہو۔'' لیکن بین گھوما اور اسے تھپڑ دے مارا، اچانک، سنی ہکا بکا رہ گیا۔ اس کا چہرہ جل رہا تھا۔

''میں آدھا ناقابل ذکر نہیں ہوں!'' بین اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر چیخا تھا۔

اُن کے بڑے ہوتے ہوئے یہ بدتر ہوتا گیا۔ بین نے اُسے سارے سکول کے سامنے ذلیل کیا، اس نے سنی اور اس دوسرے لڑکے ڈیوڈ کا پیچھا لے لیا۔ ڈیوڈ ان سے ایک سال پیچھے ایک یہودی لڑکا تھا۔ بین، ڈیوڈ سے بیہودہ باتیں کرتا، اسے ہٹلر Heil کرنے پر مجبور کرتا، اکثر اوقات اسے پیٹتا۔

لیکن سینٹ تھامس سے باہر... جو بین ہمیشہ سنی کو پوری کوشش سے یاد دلاتا رہتا تھا کہ اس کا خاندان متحمل نہیں ہو سکتا تھا، وہ عید کی دعوتوں اور ہولی کے جشن پر دوسرے دیسی خاندانوں کے ہمراہ ملتے رہتے تھے۔ خٹک خاندان کو کچھ علم نہ تھا کہ بین، اسلاموفوب اور نسل پرست تھا اور یوں بین روپ دھار لیتا اور مذہب اور سنی کے ساتھ حتیٰ کہ دوستانہ ہو جاتا۔ یہ اسی طرح چلتا رہا، آدھا دشمن، آدھا کمیونٹی رکن، یہاں

تک کہ سنی نے ڈیوڈ کے بیگ پر Swastika بنانے پر بین کا منہ آرٹ ٹیبل سے ٹکرا کر اُس کا جبڑا تقریباً توڑ ہی ڈالا۔ ''Fucking Anti-Semite!'' سنی چلایا تھا۔ پندرہ سالہ اور اس قدر زخمی ڈیوڈ کہ اُسے اس کے ساتھ ہمدردی نہیں بلکہ رفاقت محسوس ہوئی، ایک مختصر عرصۂ حیات میں گالم گلوچ کی ایک صدی کی تکلیف اٹھانا۔

جبڑے والے واقعے کے برسوں بعد بین اور اس کے درمیان ایک قسم کا امن قائم ہو گیا تھا۔ بین اپنے اور سنی کے ارد گرد دبے قدموں چلتا، اس کی جانب سے، وہ کبھی بین کی طرف توجہ اور تجسس پر غالب نہ آ پایا جو اُسے پُرجوش کرتا اور پرے بھی دھکیلتا تھا۔

زمانے گزر گئے، سنی نے ان اداس سے مہینوں میں جب اُسے کچھ بھی سکون نہ پہنچا تا تھا، بین کو ٹیکسٹ پیغام بھیجا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اسے یوں سمجھے کہ یہ کچھ بھی نہیں تھا، جیسے بین اور لڑکوں کے ساتھ چند گھنٹے گزارنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

ارے ہومو، سوچا تھا کہ تم اپنے سلیپر سیل کے ساتھ زیر زمین جا چکے ہو۔ بین نے جواب دیا تھا۔ ہنستا ہوا Emoticon، پگ اور ڈاڑھی والے آدمی کا Emoji۔ پھٹتے بم کا Emoji۔ انہوں نے یہ بم والا Emoji آخر بنایا کیوں تھا؟

سنی نے جواب نہ دیا۔ اُس کا فون ایک منٹ بعد بجا۔ اگر سنی چاہے تو بین گھومنا اور بعد میں سموک کرنا چاہتا تھا؟ سنی نے ٹیکسٹ پیغام کیا، نہیں میں ایسی کسی بکواس میں مزید پڑنا نہیں چاہتا۔ اُسے یہ کبھی پسند نہ تھا، خصوصاً تب نہیں، جب یہ اس اداس تر کر دیتی تھی۔ چلو باہر چلتے ہیں، فلم دیکھنے نینڈوز پر کھائیں گے کھانا۔ تم اپنے طالبان ساتھیوں کو لا رہے ہو؟

سنی نے جواب نہیں دیا، اُس نے بین کا نمبر ہی ڈیلیٹ کر دیا۔

اسی دوران سنی کا اتفاق سے بین کی بہن سے سامنا ہوا۔ وہ چودہ برس کی تھی۔ شاید پندرہ، گالوں میں گڑھوں کے ساتھ دبلی پتلی، چھوٹی سی اور گھنگھرالے سرخ بال، دھوپ سے سنولائی جلد کے رنگ کے، اُس نے اُسے پک این مکس پر کھٹی چیری سے بیگ بھرتے دیکھا۔ نایا، یہ تھا اُس کا نام۔

نایا آئی اور اس ہائے کہا، وہ لگتا نہیں تھا کہ پندرہ سال کی تھی۔ اس نے خوب مسکارا لگا رکھا تھا اور ہونٹوں کو گداز دکھانے کے لیے ان کے گرد لائن۔ بین، سنی سے کوئی لینا دینا رکھنا نہ چاہتا ہوگا، اُسے Sand Nigger (عرب) اور طالبان کہہ کر، جو بھی وہ رنگ دار جلد والے مفرور آدمی کو کہتے تھے۔ لیکن نایا کا اس سے جی نہیں بھر سکا۔

''سنو ڈارلنگ۔'' سنی نے ساؤتھ سی کیسل کے خنک اندھیرے گوشے میں بیٹھے ہوئے کہا، خالی پرانے قلعے میں ان کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ''تم بڑی (بالغ) ہو چکی ہو یا نہیں۔ کیا معاملہ ہے؟''

نایا نے ارد گرد دیکھا، یقین دہانی حاصل کرنے کہ گائیڈ ٹورز پر سیلفی چھڑی اٹھائے کوئی چینی

سیاح موجود نہ تھے۔ وہ اپنے بھائی کے جیسا سفید فام کردار ادا نہ کر رہی تھی۔ ابھی بھی پکڑے جانے سے خوف زدہ تھی، دہشت زدہ کہ اپنے والدین کے ہاتھوں پکڑی جائے۔ لیکن سنی جیسے بڑے لڑکے کے ساتھ ہونا Turn-on تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں یہ دیکھ سکتا تھا۔

میں یہاں برسوں سے آ رہا ہوں، سنی نے اُسے تسلی دی، مجھے تمام Blind Spots کا علم ہے۔ اور نایا، خجل سی چھوٹی سی نایا نے کہا کہ وہ بڑی ہو چکی تھی، اور کوئی خوف زدہ یا ایسی کچھ نہ تھی اور اپنا سر واپس سنی کی گود میں لے آئی۔ یہ اس کی پہلی بار نہ تھی، وہ ایسا پہلے کئی بار کر چکی تھی۔

''یہ ٹھیک ہے، سیکسی۔'' سنی نے اس کا سر دوبارہ نیچے کرتے ہوئے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ تم (بڑی ہو چکی) ہو۔

سنی نے نایا کو اپنے گھنگھرالے بال چہرے سے ہٹانے کی تگ و دو کرتے وہ سب کرتے دیکھا۔ اُس نے اس کی رنگت کو دیکھتے ہوئے اسے اوپر کھینچا... بالکل بین جیسی رنگت... اور اس کی گردن کو چوما۔ سنی نے نیلی رگوں کی آرائش کو چوما جو اس کی کہنی سے اوپر تک، اس کے بازو تک، اس کی نرم و گداز گوری گردن تک جا رہی تھیں۔

اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور نایا کو غور سے دیکھا۔ بین اور اس کے ایک جیسے سرخی مائل بال تھے، ایک سی شفاف جلد، ایک جیسی پتلی پلکیں، اتنے ہلکے رنگ کی کہ جیسے وہ وہاں تھیں ہی نہیں، وہ نایا کے قریب ہوا حتیٰ کہ اس کی خوشبو بھی بین جیسی تھی، پودینے کے باڈی واش جیسی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اُس کے ہونٹوں کو بوسہ دیتا، وہ پرے ہٹ گئی۔

''کراہت آمیز مت بنو۔'' وہ چلائی، اس کی بھنوئیں تن گئیں۔ ''میں نے ابھی تمہیں منہ میں لیا تھا۔''

نایا نے اپنی جیب سے چیونگم سٹک نکالی اور مسکرائی۔ اس کے دانت اس کے منہ کی نسبت بہت بڑے تھے، اسے نکالتے اور اپنے ہونٹوں کو چباتے جو ہلکے گلابی رنگ میں جھلملا رہے تھے۔ وہ پودینہ کا فلیور تھا، سنی کو ادراک ہوا۔ وہ باڈی واش نہ تھا جو بین استعمال کرتا تھا، وہ اس کا لپ گلوس تھا۔ منٹ بھر شدت سے اور زور زور سے چیونگم چبانے کے بعد اب نایا بوسہ دینے کو تیار تھی مگر سنی مزید موڈ میں نہ رہا تھا۔

کیا میں نے کچھ غلط کیا؟ نایا نے کئی روز بعد سنی کو ٹیکسٹ پیغام میں پوچھا تھا۔ آئی ایم سوری۔

لیکن اسے مہینوں تک اچھا محسوس نہ ہوا۔ بیشتر صبحوں کو سنی جاگتا اور اسے سانس لینے میں مشکل پیش آتی تھی، وہ کس قدر چاہتا تھا کہ اُسے دیکھا جائے، اُسے جانا جائے۔ اس قدر شدید چاہت کہ اُسے تکلیف ہوتی۔ اس کی جلد میں اس قدر سختی سے ٹانکے لگاتے (سیتے) ہوئے کہ اگر وہ جلدی میں حرکت کرتا تو اُسے محسوس ہوتا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ ایسا تمہاری وجہ سے نہیں ہے ڈارلنگ۔ اُس نے جوابی پیغام بھیجا۔ تم ایک خوب صورت لڑکی ہو۔

واقعی؟ نایا نے جواب دیا، امید سے بھرا ہوا ایک پیغام۔
سب سے خوب صورت۔ میں اس وقت بہت الجھا ہوا ہوں بس۔
پھر اس کے بعد وہ واپس مسجد چلا گیا۔
''مجھے نہیں معلوم، میں یہاں کیوں آیا ہوں۔'' سنی رو دینے کو تھا جب اُس نے امام سے کہا۔
امام نے اسے خالی نظروں سے دیکھا۔ ''مسجد؟''
سنی نے اپنا سر ہلایا۔ ''نہیں انکل، میرا مطلب ہے یہاں۔'' اس نے فرش کی طرف اشارہ کیا، سرخ قالین، بوسیدہ اور گھسا ہوا، مسجد کے گوشوں سے سفید شلوار قمیص میں ملبوس ایک شخص چھپی ہوئی دعاؤں والے پمفلٹ جمع کرتے اور انہیں چھوٹے ڈھیر کی صورت ترتیب دیتے ہوئے، ننگے پیروں چلتا ہوا آیا۔
''یہاں؟'' امام نے ان کے پیروں کی جانب دیکھا۔
سنی روزانہ مسجد آ رہا تھا۔ وہ نمازوں کے اوقات سے پہلے آجاتا اور نماز کے ختم ہونے کے بعد پرانے سرخ قالین پر بیٹھا قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ اس نے جمعہ کے سکول میں پڑھایا اور دفتر کے لیے رضا کارانہ خدمات دیں لیکن یہاں ہر کوئی دوسری کسی نسل سے تھا۔ انکل اپنی بھاری بیلٹوں کے ساتھ اپنے موبائل فون لگائے، ان کی بیویاں پلاسٹک پاؤنڈ لینڈ بیگز میں بریانی عطیہ کرتیں۔ انہیں کبھی کسی شے کے لیے لڑنا نہیں پڑا تھا۔ انہیں کبھی جنگی لکیریں نہیں لگانا پڑی تھیں۔
امام کا انگریزی کا لہجہ اُن کا مقامی تھا اور سنی بنگالی نہیں جانتا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پایا۔ وہ اتنا ہی سمجھا جتنا کہ پا۔ جتنا کہ بین، نایا اور دوسرے لاکھوں نادیدہ سمجھتے۔ کوئی بھی سنی کی مدد نہیں کر پایا۔ یہاں نہیں۔
''کوئی بات نہیں۔'' سنی نے خجالت محسوس کرتے ہوئے کہا، ''ٹھیک ہے، شکریہ۔''
''اللہ تم پر رحم فرمائے۔'' امام نے اپنی ٹھوڑی دائیں بائیں جھلائی۔ ''تمہاری آمد کا شکریہ۔''
سنی نے اپنا سر جھکائے رکھا۔ اپنی چھوٹی سی جائے نماز کے نمونوں پر، اٹھتے بیٹھتے، رکوع و قیام کرتے، اُس نے گھر پر نماز پڑھی۔ اس نے پڑھا، اس نے سوال اٹھائے، اس نے خود کو اپنی چار تنگ سی دیواروں میں تنہا اور الگ تھلگ کر لیا اور نیروبی سے سری نگر تک کے خطبات دیکھتے ہوئے یوٹیوب پر گھنٹوں گزارے۔

انیتا روز

جب ایذرا پندرہ برس کا ہوا، اُسے بالآخر کمائی کرنے کی خاطر سکول چھوڑنا پڑا۔ پہلے اس نے تین نوکریاں کیں۔ مچھر کالونی کے اپنے گھر دو گھنٹے آرام کرنے کو وہ صبح تڑکے پہنچتا، فرش پر اپنی ماں اور بہن کے ایک دوسرے سے جڑے جسموں پر سے پھلانگتا ہوا، مختصر ترین نیند کے لیے اپنی رلی پر لیٹ جاتا۔

اُس سے جو بن پایا، اُس نے کیا، اپنے فون نمبر والے سستے کارڈ چھپوائے اور دل کھول کر بانٹے۔ کوئی بھی نوکری بہت چھوٹی یا بہت ذلت آمیز نہ تھی... ایذرا نے سب کچھ کیا۔ اس نے ڈی وی ڈی ڈیلیور کیں، غیر قانونی شراب بیچنے والوں کے چھوٹے موٹے کام کیے، جب وہ اپنے کاروبار سے لطف اندوز ہوتے تو ان کا حساب کتاب رکھا، حتیٰ کہ اُس نے یہاں وہاں نشہ میں مدہوش امیر بچوں سے رشوت لینے میں پولیس کی مدد کر کے بھی کچھ پیسہ بنایا، وہ مہنگی گاڑیوں سے ٹکرائے جانے کا دکھاوا کرتا اور خوب تماشا کرتا، یوں قریبی پولیس والے آجاتے اور ان برگرز سے پیسے جھاڑ لیتے۔

کسی ایک سے دوسرے کام کے لیے شہر بھر میں دوڑتے ہوئے، ایذرا رنگ برنگی بسوں کے دروازوں سے لٹکا، دوسرے مسافروں کے تھکن زدہ جسموں کے بیچ میں پھنسا جو اندر نشست پانے یا پُرہجوم چھت پر جگہ پانے میں ناکام ہو کر ٹکٹ کلکٹر کی طرح کھلے دروازے میں کھڑے ہو جاتے، آدھے متحرک گاڑی کے اندر اور آدھے باہر، ڈیزل کے دھویں سے آلودہ کراچی کی فضا میں لٹکتے جھولتے پیر۔ اسی طور ایک بار ایذرا کا ایک جوتا گم ہو گیا تھا اور اُسے باقی سارا دن گندے شہر میں لنگڑاتے ہوئے گزارنا پڑا تھا، محتاط کہ اپنے ننگے پیروں کے ساتھ کسی ٹوٹے شیشے اور گندگی پر پیر نہ رکھ دے۔

اب تقریباً اکیس سال کی عمر میں اس کی محنت بالآخر رنگ لا رہی تھی۔ ایذرا اپنی تنخواہ کا باقی حصہ گھر لایا، آخر کار دَم گھونٹنے والے قرضوں سے پاک جو اس کے خاندان کو چمٹے ہوئے تھے۔ ان کے چھوٹے سے کمرے کا پورے تین مہینے کا کرایہ بھر دینے کے بعد اُس نے انیتا کو بتایا کہ وہ اس کے لیے صرف ایک چیز لانے کا متحمل ہو سکتا تھا۔ کچھ بھی زیادہ بڑا نہیں، ابھی اس کے سکول کے اخراجات اور ماں کا ڈاکٹر کا بل ادا کرنا تھا۔ زنوبیا کے ہاتھ جیسے جمنے لگے تھے اور اس کے جوڑوں میں ایسی تکلیف ہوتی تھی کہ

وہ غصہ سے چیخ اُٹھتی تھی۔ تیل حتیٰ کہ ایمپریس مارکیٹ کے پُراسرار آریوویدک نسخے بھی اب مزید کام نہ کرتے تھے۔ اب زنوبیا بس یہ کرسکتی تھی کہ اپنے بڑے بڑے ہاتھ اپنے منہ میں ٹھونس لیتی اور اپنی انگلیوں کو کاٹتی، اس کے دانتوں کا ہلکا سا دباؤ اس کے تھکن زدہ ہاتھوں کے کرب کو آرام دینے کا واحد طریقہ تھا۔ گیس مہنگی تھی اور اب چاول کون افورڈ کرسکتا تھا؟ لیکن چونکہ وہ ایک اچھی لڑکی تھی، جو اپنے بڑے بھائی کی بات سنتی اور اس کی عزت کرتی تھی، ایذرا نے انیتا روز کو بتایا کہ وہ ایک چیز لے سکتی تھی۔ اس نے فوراً ہی سرخ نوٹ بک مانگ لی۔

جمعہ کی نماز کے بعد جب دکانیں دوبارہ کھلیں تو وہ اس صدر لے گیا۔ انیتا وہاں موجود گہرا ترین سرخ رنگ تلاش کرنے کی کوشش میں نوٹ بکس کی شیلف کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ ایذرا نے اسے دکان پر چھوڑا اور جلدی کرنے کو کہا، اُسے کچھ لوگوں سے ملنا تھا اور وہ اسے دس منٹ میں لے لیتا۔ لیکن کوئی بھی نوٹ بک ریما کی نوٹ بک جیسی نہ لگی۔ وہ یا تو زیادہ سرخ نہیں تھیں یا پھر Matte تھیں، دھوپ کی کرنوں سے چمکنے میں ناکام۔

حتیٰ کہ ایذرا کے واپس آنے اور اس کے عقب میں بے چینی سے ٹہلنے کے باوجود، مشکوک کہ دکان دار نے اپنا موبائل فون کس انداز میں اٹھا رکھا تھا، بالکل ایسے جیسے وہ انیتا کی تصویریں لے رہا تھا، جب وہ پنجوں کے بل کھڑی ہوئی، اس کی قمیص ذرا سی اٹھی اور اس کی جلد کی ایک جھلک دکھائی دی۔ شیلفوں کے قریب پہنچ کر انیتا نے ایک کے بعد ایک نوٹ بک اٹھائی اور اپنے ہاتھوں میں لی۔ اس نے غور سے ان کا جائزہ لیا، صفحات کی تعداد، سائز، سرورق کا Texture۔ اسے بہترین ہونا چاہیے تھا۔ ''چلو بھی انیتا۔'' ایذرا نے اپنی پلاسٹک کی نئی گھڑی کو بجاتے گہری سانس بھری۔ لیکن نوٹ بک کو اچھا ہونا چاہیے تھا، بالکل اچھا۔

وہ اب انگریزی سمجھنے لگی تھی، اصلی انگریزی، وہ نامکمل زبان نہیں جو وہ سکول میں پڑھاتے تھے، رٹائے ہوئے اظہار اور غلط تلفظ سے ادا کیے گئے الفاظ۔ وہ ٹی وی ڈراموں سے سیکھ رہی تھی۔

رات کو انیتا نے اپنی ماں کی بھاری سیاہ چادر اپنے شانوں پر لی، چوری چھپے گھر سے نکلی اور قریبی ہوٹل پہنچ گئی اور چائے والے کے بلاک کے کونے میں بیٹھ گئی، یہ سنتے ہوئے کہ اداکارئیں کس انداز میں بولتی تھیں۔ اس نے ایک ٹاک شو میزبان کو ایک ایسی خاتون کا انٹرویو کرتے دیکھا جو اس کے ایک پسندیدہ سیریل میں آتی تھی۔ It's such a blessing , you know۔ شیلا کاظمی نے انگریزی میں کہا جو جلد پر کسی مخمل کی طرح محسوس ہوئی، ہموار، پُرتکلف اور استطاعت سے باہر۔

To be able to follow my dreams and do what I love.

جب تک وہ برداشت کر پاتی، جب تک کہ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو جاتیں، انیتا روز گلی کی نکڑ پر بیٹھی رہتی، کوڑے میں اِدھر اُدھر دوڑتے کاکروچ اس کے پیروں کو گدگداتے اور وہ اپنی چمکتی

سرخ نوٹ بک میں سب اداکاراؤں کے بولے گئے تمام الفاظ لکھتی۔ اس نے اپنی پسندیدہ سطریں یا فقرے خود کو دہرا کر سنائے جب وہ گلے سڑے کیلوں اور اُدھ سڑی گھاس سے بھری ذیلی گلیوں سے گزری، جو صرف دُور دراز ستاروں سے روشن تھیں، انہیں یادداشت میں نقش کرتے ہوئے، اس سے قبل کہ وہ سو جاتی۔

''تم جیسی طوائف کی بیٹی کا اس جیسی مہنگی نوٹ بک سے کیا لینا دینا؟'' سکول میں میرا نے انیتا روز پر طنز کیا۔ انیتا نے اسے جواب نہ دیا۔ وہ عرصہ پہلے تنگ کرنے والی لڑکیوں کو نظر انداز کرنا سیکھ چکی تھی۔ درحقیقت میرا کی ماں ایک طوائف تھی۔ انیتا اسے ان کے گھر کی کھڑکی میں صرف چولی پہنے، اپنا سینہ دکھاتی، سینے کو سلاخوں سے لگائے، نیچے رکشہ اور سکوٹروں میں بیٹھے مردوں کو پکارتے ہوئے کھڑا دیکھ لیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میرا، انیتا سے نفرت کرتی تھی، اسی وجہ سے اسے تنگ کرتی اور دھونس جماتی تھی۔ کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ انیتا کی ماں نے کبھی اپنا جسم نہیں بیچا تھا، اگرچہ جوزف خاندان اس کی کھڑکی کی گرل میں کھڑی چولی والی ماں کی نسبت کہیں زیادہ غریب تھا۔

''اسے چھوڑ دو۔'' انیتا نے کہا۔ وہ پہلے ہی صرف سب سے قیمتی لفظوں کا انتخاب کرتے ہوئے تین صفحے بھر چکی تھی۔ اس نے حتیٰ کہ خبریں دیکھنا بھی شروع کر دی تھیں، جہاں سے وہ بالکل نیا ذخیرۂ الفاظ سیکھ رہی تھی۔ Corruption, Fraud, Hypocrite, Fundamentalists, Zionists۔ وہ اب اس نوٹ بک کو کھولنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ Conspiracy، اس نے ابھی کل ہی سیکھا تھا۔

جب انیتا نے نوٹ بک سے دستبردار ہونے سے انکار کیا تو میرا کی آنکھوں میں شک جھلملایا اور انیتا نے اُسے دوسری لڑکیوں کے سامنے بے چین ہوتے، گھبراتے دیکھا۔ اگر انیتا اس ایک دھونس کو شکست دے دیتی تو باقی سب میرا کو اُسی کی طرح دیکھتیں جیسی وہ اصل میں تھی، ایک کھوکھلی دھمکی، اپنی تمام طاقت سے محروم۔ انیتا نے یہ دیکھا... وہ تمام تکبر اور بے چینی... اس طرح کہ میرا کی آنکھیں سوج گئیں، پھیلیں اور پھر سکڑیں۔ لیکن اس سے پہلے انیتا سمجھ پاتی، اسے کبھی کسی قسم کے مکافاتِ عمل یا تلافی کا موقع نہ مل پائے گا، کھیل پہلے ہی اس کے خلاف بگڑ چکا تھا۔ میرا نے اپنی انگلیوں کے اونچے نیچے ناخن انیتا کے ہاتھوں کی رگوں میں گاڑ دیئے۔

انیتا نے خود کو میرا کی گرفت سے نکالنا چاہا لیکن میرا نے انہیں مزید سختی سے گاڑ دیا، یہاں تک کہ انہوں نے انیتا نے ہاتھوں کی پشت پر نیم ہلالی تکلیف دہ خراش چھوڑ دی۔

اُس نے میرا کو دیکھنے نہ دیا کہ اُس نے اسے کتنی تکلیف پہنچائی تھی۔ انیتا ان لڑکیوں کو یہ جاننے کی خوشی نہ دیتی کہ ان کے ظلم نے کیسے اس پر نشان چھوڑا تھا۔ وہ اپنا سر اونچا کیے سکول سے یوں گھر واپس آئی جیسے وہ اپنے تاج کے عین درمیان کتاب اٹھائے ہوئے تھی۔

چلتے چلتے صرف جھولتے ہوئے برگد کے درخت کی چھاؤں میں آرام کرتے کتے کو پیار کرنے

کے لیے رکتے ہوئے انیتا نے آنسوؤں کو اپنے چہرے پر بہنے سے روکنے کی کوشش میں اپنے ہونٹ چبائے۔ جیسے ہی اس نے ان کے سیمنٹ کے کمرے کا دروازہ کھولا جو ایذرا کا وعدہ تھا کہ جلد ہی وہ بہتر بنا دے گا، کہ اب وہ واقعی پیسہ کما رہا تھا، زنوبیا نے واویلا کیا کہ ان کے پاس کوئی ماچس نہ تھی۔ گھر میں کہیں ایک تیلی بھی نہیں۔ انیتا کو ان کے ہمسائے سے جا کر ادھار مانگ کر لانا پڑے گی۔

انیتا کچھ کہے اور اپنے سکول کا بھاری بستہ اتارے بغیر، جو اُس کے یونیفارم کے جوتوں کی طرح سیاہ تھا، اسامہ شاہ کے گھر کی جانب بڑھی، جانوروں کی سڑتی ہوئی ہڈیوں اور اندرونی اعضا کے اس کوڑے کے باعث سانس روکے جو قصاب نے گلی میں ان کے گھر تک پھیلا رکھا تھا اور ضرورت سے زیادہ محتاط کہ متعفن پانی میں پاؤں نہ رکھ دے۔ سبز اور نارنجی رنگ کے تابکار چمکتے پانی پر اُس نے اپنے خراشوں والے ہاتھ کی پشت پر اپنے زخموں کو سہلاتے ہوئے اپنی ہتھیلی سے مساج کیا اور بوڑھے کے سلیٹی رنگ کے جستی دروازے پر دستک دی۔

جب اسامہ دروازے پر نمودار ہوا، انیتا نے جس کی آنکھیں بھرتے آنسوؤں سے چمک رہی تھیں، ناک کو سڑکا اور ماچس مانگی۔ اُس نے اپنی گھسی ہوئی شلوار قمیص کی جیب ٹٹولی، اُس کے ماؤ کالر کے بٹن گردن تک بند تھے اور وہ اپنی آخری ڈبیا انیتا کو تھماتے ہوئے اُس نے پوچھا، ''شیرنی کو رلانے کی جرأت کس نے کی؟''

اور انیتا جو شیرنی نہ تھی، رونے لگی۔

صابن، نمک، کاغذ، انڈے، موم بتیاں... اس کی ماں برابر کے ہمسائے سے جو کچھ ادھار لیتی، اُس کی کوئی حد نہیں تھی۔ ''بے بی۔'' جیسے ہی اس کی بیٹی پڑھنے کے لیے دراز ہوتی یا پھر منڈی کے پیچھے نلکے سے تازہ تازہ بال دھو کر آئی ہوتی اور انہیں سکھانے کو جھٹک رہی ہوتی، ''ہمیں دھاگا چاہیے۔''

دھاگا۔ مرچیں۔ دوائی۔ پنسلیں۔ کسی طور بوڑھے آدمی کے پاس سب کچھ ہوتا تھا۔

انیتا دستک دیتی، اسامہ جواب دیتا۔ انیتا مانگتی، وہ بخش دیتا۔ صابن۔ نمک۔ مرچیں۔ انیتا زیرلب شکریہ ادا کرتی اور اسامہ زیادہ سے زیادہ سر ہلا دیتا۔ یہ برسوں سے دہرائے جانے والا معمول تھا... جب اس نے پہلی بار اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ بچی تھی... اور یہ معمول کبھی نہ ٹوٹا۔ اس روز تک جب اس سے اس کی سرخ نوٹ بک تقریباً چھین لی گئی اور وہ جستی دروازے پر رو دینے کے قریب، نمودار ہوئی۔ شیرنی کو رلانے کی جرأت کس نے کی؟

اپنی آنکھوں کو اپنی آستین سے پونچھتے ہوئے اور بالائی والی چائے کا کپ قبول کرتے جس میں اس نے تین چمچہ چینی ڈالی تھی، انیتا کے آنسو تھمے۔ اُسامہ نے اُسے ایک چارپائی پر بیٹھنے کی دعوت دی، جس پر ایک رنگ اڑی میرون اور سیاہ اجرک بچھائی گئی تھی اور گول کشن دھرے تھے۔ نشست گاہ میں صرف دو سیٹیں تھیں جو گرد و غبار اور کتابوں سے بھری ہوئی تھیں، چارپائی اور لکڑی کی کرسی جس پر وہ خود

اسامہ دیکھ بھال کرنے لگ گیا۔

''کیا تم شاعری کے متعلق جانتی ہو؟''

انیتا نے سر ہلایا، محتاط کہ میرا کے ناخنوں کے ہلالی نشان والا ہاتھ اپنی پیٹھ کے نیچے چھپا لے۔

''کیا تم جاننا چاہتی ہو؟''

انیتا نے لمحہ بھر کو سوچا۔ اس نے سر ہلا دیا۔ ہاں، اس نے کہا۔ اسے سیکھنا پسند تھا۔

اسامہ نے اُس ایک نظم کا مصرعہ پڑھ کر سنایا جو اس نے کہا کہ کسی ہتھیار کی طرح تباہ کن اور مہلک تھا۔

''ناقابل فتح تعداد میں نیند سے جاگتے شیروں کی طرح اٹھو۔'' اسامہ نے یہ مصرع انیتا کو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں سنایا۔

''میں انگریزی جانتی ہوں۔'' انیتا نے کسی قدر فخر سے کہا۔ وہ اس مصرع کو بعد میں اپنی سرخ نوٹ بک میں لکھ لیتی ہے، وہ نئے الفاظ ترجموں اور اب، شاید حتیٰ کہ شاعری سے بھی بھری ہوئی تھی۔

''اچھا؟''

''جی ہاں، ٹی وی سے۔''

اسامہ مسکرایا۔ ''تب پھر میری درستی کر دینا، اگر میں کوئی غلطی کروں؟'' اس نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔'' انیتا نے اتفاق کیا۔

اُسے نظم پڑھ کر سناتے ہوئے اس نے قسم کھائی کہ یہ ایک غیر معمولی نظم تھی۔ وہ گورے محبت اور سچے تعلق کے المیے کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے، ویسے نہیں جیسے ہمارے شعرا۔ حافظ اور غالب اور فیض کی طرح نہیں، اوہ لال سلام کا مرید فیض۔ تاہم اس مرتبہ گورے کی نظم کی اجازت تھی کیوں کہ وہ شیر کے لیے شیر کی نظم تھی جسے شیر نے پڑھ کر سنایا۔

لیکن بیشتر الفاظ انیتا سمجھ نہ پائی۔

''مجھے درست انگریزی پوری طرح نہیں آتی۔'' اس نے اپنا سر ہلاتے ہوئے اعتراف کیا تاکہ وہ سمجھ جائے کہ یہ افسردہ اعتراف تھا اور یہ کہ اُس کی گزشتہ شیخی کوئی جھوٹ نہیں تھی۔

میں تمہیں سکھا دوں گا۔ اسامہ نے وعدہ کیا۔ مل کر ہم تمہاری زمین سے جڑی زنجیریں ہلا دیں گے، شبنم کی طرح۔ مل کر ہم یقین دہانی حاصل کریں گے تمہارے ساتھ ایسا مزید کچھ تکلیف دہ نہ ہو۔

مونٹی

''کیاتم نے نئی لڑکی کو دیکھا؟'' مونٹی کے دوست کاشف نے پوچھا جب وہ برآمدے سے گزر رہے تھے۔ وہ فیس ٹائم ویڈیو والی لڑکی تھی، وہ جس کا پچھلا حصہ آڑو جیسا تھا۔ ''کیا بدن ہے۔'' کاشف نے اپنا ہاتھ اُس کے چہرے کے سامنے لہرایا، اُس نے انگلیاں دھیرے سے آپس میں چٹخائیں، ''کیا جسم ہے؟'' اس نے قسم کھائی کہ اُس نے لیلیٰ کی مردانہ مہین سی قمیص سے اس کا سینہ دیکھا تھا اور کہا کہ اُس نے جان بوجھ کر اسی مقصد سے وہ قمیص پہنی تھی... وہ کوئی سستے معیار کی جمعہ بازار کاٹن کی قمیص تھی... جیسی چپڑاسی پہنتے تھے۔ اس پر مستزاد، شاویز نے کہا، اس کے گلابی، بلو جاب بھرے بھرے ہونٹ۔

شہر کے سب سے ایلیٹ سکول، دی امریکن سکول آف کراچی میں لیلیٰ سے متعلق کسی بات کی کوئی تک نہ تھی۔ وہ پہلے روز اپنے بالوں اور شانوں پر پولیسٹر کا دوپٹہ اوڑھے اور اس کے لمبے سیاہ بال جن سے تمباکو کی بو آتی تھی، ایک چھوٹی سی گرے سوزوکی مہران پر سکول آئی تھی۔ امریکن سکول میں کوئی لڑکی بالوں کو نہیں ڈھانپتی تھی... صفائی کرنے والیاں بھی نہیں، اردو ٹیچر بھی نہیں، کوئی نہیں۔ لڑکوں نے بتایا اُس کا بھائی تھا جو کبھی کبھار کام پر جاتے ہوئے اُسے سکول چھوڑتا تھا۔ بظاہر اُس کا بھائی... یا باپ... کاشف کو پورا یقین نہ تھا کہ کون... اُسی کا اصرار تھا کہ وہ دوپٹہ اوڑھے اور جیسے ہی اُس کی ٹوٹی ہوئی ٹیل لائٹ والی ڈنکی کار مڑتی، وہ اسے جھٹک کر اتار دیتی تھی۔ جب وہ لیلیٰ کو سکول چھوڑنے نہ آتا تو وہ رکشہ پر آتی تھی۔

کسی کو معلوم نہ تھا کہ لیلیٰ کس سکول سے ٹرانسفر ہو کر آئی تھی، اس کا گرامرین کی طرح بے تاثر کورا چہرہ نہ تھا، نہ ہی لہجہ۔ اس کا معاملہ سکالرشپ کا ہوسکتا تھا لیکن سکول والوں نے ایسا کچھ نہ کہا۔ وہ اُس سال آئی جب دہشت گردی کی دھمکیوں کے باعث تمام اساتذہ کو شہر سے نکال لیا گیا تھا، اس لیے جو کوئی بھی اپلائی کرتا، سکول انہیں رکھ رہا تھا۔

وہ ایلیمنٹری سکول کی متبادل استاد کی بیٹی تھی، ان کی کلاس کی Mean لڑکیوں میں سے ایک کا اصرار تھا (زارا: انتہائی مشہور، خوب صورت گریجویٹ کی چھوٹی بہن۔ ایرگو: آسان، عدم تحفظ کا شکار۔)
اس کا باپ ایک انڈین ڈرگ لارڈ تھا، کراچی کا مشہور ترین مفرور۔

وہ امریکن سفارت خانے کی طرف سے پلانٹ شدہ تھی۔کون سترہ سالہ اس طرح سے بات کرتی تھی جیسے لیلیٰ؟ ممکنہ طور پر وہ سی آئی اے سے تھی۔

لیلیٰ نے کبھی ان کہانیوں کی تصدیق یا تردید نہ کی۔کراچی سازشی تھیوری کے ساتھ تیر رہا تھا، اور امریکن سکول کوئی استثنا نہ تھا۔حقیقت میں اُسے وہ داستانیں پسند تھی جو اُسے گھیرے ہوئے تھیں۔وہ ہائی سکول کے لاؤنج میں بیٹھی فل شوگر کوک پیتے ہوئے، سٹرا کو اپنے دانتوں سے چباتی اور لوگوں کی بولنے کے لیے حوصلہ افزائی کرتی۔اُسے کیا پرواہ تھی کہ وہ کیا سوچتے تھے؟ یہ لیلیٰ کی طاقت کا حصہ یا جزو تھا، اس کی پرائیویسی اور اسرار۔

دن کے عین درمیان، کلاس ٹائم میں لیلیٰ سکول کے گیٹ سے باہر بیٹھی اور برگد کے جھکے ہوئے درخت کی چھاؤں تلے سگریٹ نوشی کی، گارڈ نے کبھی اس کی رپورٹ نہ کی اور یوں جب اس کا موڈ ہوتا، لیلیٰ احاطے سے نکلتی اور قدیم درختوں کے پامال تنوں سے ٹیک لگا کر پشت کو آرام دیتی، دھویں کے حلقے بناتی اور میر تقی میر کو پڑھتی۔

وہ جو اس کے سکول میں تیسرا روز رہا ہوگا، جب مسٹر آلٹر نے وائٹ بورڈ پر #NeverForget لکھ کر ہولوکاسٹ کا تعارف کروایا تو لیلیٰ نے ہاتھ اٹھایا۔مسٹر آلٹر، ٹائی ڈائی شرٹس اور کلائی میں Love beads پہننے والے تاریخ کے استاد تھے اور امریکن سکول آف کراچی میں سب کے پسندیدہ تھے۔''مسٹر اولٹر'' اس نے ان کا نام غلط تلفظ کے ساتھ ادا کرتے پوچھا۔

آل ٹر... انہوں نے سر سے اُسے بات جاری رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے تصیح کی۔

''کس نے یہ فیصلہ کیا کہ صرف کچھ تاریخی واقعات کو ہی بھلانا ممنوع ہونا چاہیے؟'' لیلیٰ نے مدعی انداز میں پوچھا۔'' کیوں کہ یقیناً تاریخ کا نکتہ ہی یہ ہے کہ اسے یاد رکھا جائے؟ اور پوری کی پوری یاد رکھی جائے، اس کے صرف کوئی منتخب ابواب نہیں؟''

اس سے پہلے کہ مسٹر آلٹر، لیلیٰ کی وضاحت سے بتاتے کہ وہ تاریخ کے اپنے اسباق پابندی سے ہیش ٹیگ اور ٹویٹ کرتے تھے، طلبا کو ایسے سوالات پیش کرتے ہوئے جن پر وہ گھر جا کر غور کر سکیں اور ایک ایسی آزادانہ سپیس تخلیق کر سکیں جہاں وہ کلاس کے ختم ہونے کے بعد اپنی بحثیں جاری رکھ سکیں۔ (#eatcakeoreatchaos? #industrialEVOlution? #sufferingsuffargettes #POCrock!) لیلیٰ اپنی کرسی پر آگے کو جھک آئی۔یہاں تک کہ وہ اپنی پشت کے صرف سرے پر ٹکی ہوئی تھی۔

''تقسیم برصغیر کا کیا معاملہ ہوا؟ چند ہفتوں میں لاکھوں لوگ مارے گئے؟ لاطینی امریکہ کی Dirty Wars جن میں فٹ بال سٹیڈیمز میں لاکھوں غائب (لاپتہ) اور قتل ہوئے؟

''#Theywereallbrownsowedontcare?'

وائٹ بورڈ سے پیچھے ہٹتے اور نسبتاً کم حکمیہ انداز اختیار کرتے بیٹھتے ہوئے مسٹر آلٹر نے

جواب دینے کی کوشش کی لیکن لیلیٰ مزید منحرف ہوتی چلی گئی۔ ''نقبۃ کا کیا معاملہ ہے، Nakba؟ سات لاکھ لوگوں کو ان کے اپنے ملک سے نکال باہر پھینکا گیا؟ کیا اس کی کوئی اہمیت ہے؟''

پوری کلاس نے ششدر خاموشی میں سنا۔ ''اس کے بعد کیا؟'' لیلیٰ اپنی کرسی سے اچھلتے ہوئے غرائی۔ ''تمام زندگیاں اہم ہیں؟ خیر، سب اہم نہیں، مسٹر آل ٹر۔ تاریخ جامد نہیں ہے، آپ کا فیصلہ نہ صرف آپ کے ماضی بلکہ آپ کے حال کی بنیاد پر بھی کیا جاتا ہے اور وہ جو ظلم و جبر کرتے ہیں، صرف اس لیے خود کو متاثرہ فرد کے طور پر ہیش ٹیگ نہیں کرتے کہ ان کے پاس ٹویٹر اکاؤنٹ ہے اور وہ خود کو اہم محسوس کرنا چاہتے ہیں۔''

اُس رات مونٹی شاور میں کھڑا ہوا اور لیلیٰ کے تصور سے حظ اٹھانے، خود لذتی کی کوشش کی۔ جب گرم پانی نے سارے آئینوں کو دھندلا دیا اور مونٹی نے ٹائل شدہ دیواروں کے ساتھ پشت لگائی، اس نے لیلیٰ کی تنگ جینز کے بارے میں سوچا، اس کی شفاف قمیص سے جھانکتا اس کا سینہ، جب وہ کرسی سے اچھل کر کھڑی ہوئی تو اس کے پیٹ کے ایک حصے کی جھلک اُسے دکھائی دی تھی، اُس کے پُرشہوت ہونٹ۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پانی نیم گرم ہو گیا اور اس کی کلائی میں کھچاؤ سا آ گیا تو وہ شاور سے باہر نکل کر ٹوائلٹ سیٹ کے کور پر جلدی سے تولیا بچھا کر بیٹھ گیا اور اپنا آئی پیڈ اٹھا لیا۔

محتاط کہ سکرین کو زیادہ گیلا نہ کر دے، اُس نے ایک پراکسی سائٹ کھولی اور صبر سے یو پورن (YouPorn) کے کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ بلند ترین ریٹس کے امیچور کلپس کے لیے سائٹ کو جلدی جلدی کھولتے ہوئے۔ لیکن وائی فائی کمزور تھا اور ویڈیوز کے Gifs تک نہیں کھل رہے تھے۔ مونٹی نے ایک کے بعد ایک پراکسی پیج کھولا اور اپنے سست کنکشن کے ساتھ کوشش کرتا رہا۔ تھک ہار کر وہ کچھ دیر کو اپنی ناکامی پر غور کرتے ہوئے ٹوائلٹ سیٹ پر بھیگے تولیے پر بیٹھ گیا۔ اُس نے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی، لیلیٰ اُس کے اس پورنوگرافک تخیل میں کہیں موزوں نہ بیٹھ رہی تھی۔ اسے اس پر کیا طاقت حاصل تھی؟ وہ جس نے اُسے نامرد کر دیا تھا۔

اس نے دیکھا تھا کہ کیسے دوسرے لڑکے لیلیٰ سے مسحور ہوئے تھے۔ وہ اُن کے درآمد شدہ مالبورو سلگاتی اور ان کے نقش پر کندہ Zippos اور ای سگریٹ جیب میں رکھ کر چلتی، ان کی دوبارہ پرواہ کیے بغیر، یہاں تک کہ اُسے لائٹر Fluid یا مینتھول ای لیکوڈ کی اپنے ای سموکس کے لیے ضرورت پڑتی۔ اُس نے دیکھا کہ کیسے لنچ ٹائم میں لاؤنج سے باہر نکلتے ہوئے لیلیٰ ہر تھوڑی دیر بعد کوئی مصرع براہ راست کسی کے لیے گانے کے لیے توقف کرتی ہوئی گنگناتی... سیدھی چل کر اُن تک آتے، ان کے دبلے استخوانی سینوں کی پسلیوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے، ان کی آنکھوں میں جھانکتے، یوں جیسے ہر لفظ سے اس کی وہی مراد تھی... اور پھر کلاس کی طرف مڑتے ہوئے ہنستی۔

ہر کوئی لیلیٰ کو چاہتا تھا، کیوں کہ وہ خوب صورت تھی، کیوں کہ وہ چھیڑ خانی کرتی تھی، کیوں کہ

وہ غیر حاضر دماغی سے فلرٹ کرتی تھی، آسانی سے اس انداز میں جیسے دوسرے لوگ خواب دیکھتے تھے۔ لیکن مونٹی اُسے اس لیے چاہتا تھا کہ وہ بے خوف تھی۔ اور وہ... اور وہ ہمیشہ سے ایسا رہا تھا... خوف زدہ۔

لیکن پھر بھی، جب وہ مل بھی گئے، لیلیٰ کی خود جنسی کشش مونٹی کو ہمیشہ بے آرام کرتی تھی... کون ہوتی تھی وہ کہ اس سب کے ساتھ اکسائے یا جوش دلائے؟ یہ نا موافق تھا، اس کے چہرے کی نازک معصومیت اور اُس کی آنکھوں کی نرم شرافت یا نجابت پر سجا خطرناک علم۔ لیلیٰ ہمیشہ باخبر تھی کہ اُسے دیکھا جاتا تھا اور اس نے کوئی راز نہ رکھا کہ وہ ہمیشہ باخبر تھی کہ اُسے دیکھا جاتا تھا اور اس نے کوئی راز نہیں رکھا کہ وہ اس توجہ سے لطف اندوز ہوتی تھی۔ چلتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ حرکت کرتی، جب وہ کمرے میں داخل ہوتی، جب وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھتی اور سگریٹ سلگاتی، یقین دہانی حاصل کرتے کہ آپ اُس کے بدن کے ہر اُبھرتے خط، اُس کی ستواں ٹانگوں کے ہر نسوانی قدم کو دیکھ لیں۔

مونٹی کبھی بھی کسی لیلیٰ جیسی لڑکی سے واقف نہ رہا تھا۔ اُس کے ہائی سکول میں ہر کسی کو ایک مختصر پُر معنی سطر میں بیان کیا جا سکتا تھا۔ سارہ، لاہوری، حاسد کیوں کہ اگرچہ وہ دلکش تھی مگر کسی طرح بھی وہ حسیناؤں کی کائنات میں شامل نہ تھی، اپنی اس پشت کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں۔ شاویز صلح جو۔ ٹوٹے ہوئے خاندان سے۔ کبھی کسی لڑکی کو بوسہ نہ دیا۔ فیڈرر کا مداح۔ رابعہ: شوہر کی شکاری، میمن۔ یہ ہائی سکول مونٹی کے لیے الگ نہ تھی، بیشتر ٹین ایجز کا ایک سا کام کرتا ریڈار تھا جو ہر کسی پر کام کرتا تھا... ہر کسی پر، ESP سوائے لیلیٰ کے۔

تم دنیا کے متعلق کیا جانتے ہو؟ جب مونٹی نے پہلی بار اس سے بات کرنے کی جرأت کی تو لیلیٰ نے پوچھا۔

لیلیٰ اس روز مردانہ قمیص پہنے ہوئے تھی، اس کے سائز سے خاصی بڑی اور باہر نکلی ہوئی۔ مونٹی اس کے بدن کے خطوط نہ دیکھ سکتا تھا، جس نے اسے اس بارے میں مزید سوچنے پر اکسایا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا، جب اس نے تمباکو کے پتوں سے بھری ہتھیلی پر چٹکی بھر چرس چورا چورا کر کے ڈالی... وہیں، سکول کے عین بیچ میں۔

''تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہیں ایسا کرنا چاہیے؟'' مونٹی نے کسی اور بات سے زیادہ رعب کے تحت پوچھا۔ وہ اس لڑکی کی ہمت پر یقین نہ کر پایا۔ اپنے بھرے بھرے ہونٹوں اور ٹھوڑی کے اوپر تل کے ساتھ، وہ کچھ ایسی دکھائی دیتی تھی جیسے مونٹی نے اپنے خوابوں کی صرف مبہم حدود پر دیکھا تھا۔

لیلیٰ نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے سامنے کھڑے آہو چشم لڑکے کو نگاہ بھر کر دیکھا۔ وہ ایک قیمتی شرٹ اور ڈیزائنر جینز پہنے ہوئے تھا۔ اس کے بال تازہ کٹے ہوئے تھے اور اس کا کولون دار چینی کی مہک لیے ہوئے تھا۔ جب وہ اس سے مخاطب ہوا تو لیلیٰ نے دیکھا کہ اس کی پتلیاں پھیل گئی تھیں جیسے سلوموشن میں انڈیلی جانے والی کافی، یہاں تک کہ آپ اس کی آنکھوں کا ہلکا براؤن رنگ مزید نہ دیکھ سکتے تھے۔

''تم دنیا کے متعلق کیا جانتے ہو؟'' لیلیٰ نے سگریٹ کے کناروں پر اپنی زبان چلاتے ہوئے تیزی سے جواب دیا۔ ''کس بات نے تمہیں یہ حق دیا کہ تم ہر شے کے متعلق کوئی رائے رکھو؟''

اور جانے بغیر مونٹی نے وہ واحد جواب دیا جو لیلیٰ جیسے کسی شخص سے احترام پا سکتا تھا۔

کچھ نہیں، اُس نے جواب دیا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔

انیتا روز

انیتا نے پہلے ''سوویت لائف'' کے بارے میں نہیں سنا تھا۔ اسامہ نے اُس سے جس بھی کتاب کا پوچھا کہ آیا اُس نے پڑھی تھی، اُس نے ہمیشہ نفی میں جواب دیا کیوں کہ پھر وہ اپنی بُک شیلف میں تلاش کرتا اور پڑھنے کے لیے اُسے کتابوں کا پہاڑ دیتے ہوئے اُس کے لیے والیم نکالتا۔ یہ واحد مرتبہ تھی کہ انیتا نے اپنے بھائی کے علاوہ کسی سے تحائف وصول کیے تھے۔ اس نے ہر اُس کتاب کا نام اپنی سرخ نوٹ بُک میں لکھا جو کامریڈ صاحب نے اُسے دی اور ساتھ میں ہر کتاب کے مختصر ماخذ سے متعلق ایک یا دو سطور۔

''اوہو، شاعری جو خواتین مسلم سپین کے سنہری دنوں میں لکھا کرتی تھیں۔'' اسامہ کامریڈ نے آہ بھری۔ کیا انیتا، عائشہ بنت احمد القرطبیہ کو جانتی تھی؟ قرطبہ کی ایک معزز خاتون جہاں کی جامعہ مسجد اب بھی اس کے معماروں کے آسیب کو نماز کے لیے بلاتی تھیں، عائشہ نے اندلسی بادشاہوں کے لیے نظمیں لکھیں۔ ایک روز جب درباری شاعر نے اسے شادی کی پیشکش کی تو اُس نے جواب میں شاعر کو ایک چھوٹا سا تحفہ بھیجا۔ کامریڈ نے کتاب کی پشت تقریباً توڑتے ہوئے اُسے تہ کیا اور انیتا کو پڑھانے کے لیے سامنے کر دیا۔

''میں ایک شیرنی ہوں، میں کبھی کسی مرد کی عورت نہیں بنوں گی۔''

اُس نے یہ سطر اپنی نوٹ بُک میں نوٹ کر لی۔ قرطبہ، اس نے اس کے برابر میں لکھا۔ قرطبہ... واحد لفظ جو وہ ساری عربی میں پڑھ سکتی تھی۔ انیتا نے تحریر پر اپنی انگلیاں پھیریں۔ تمام عربی الفاظ ہجوں سے سجے ہوئے تھے، ہر لفظ کو کسی زیور کی طرح سجایا گیا تھا۔

Discovery of India کا کیا معاملہ ہے، تم نے پڑھی ہے؟ نہیں۔ Wretched of the Earth ؟ نہیں۔ Yevgeny Yevtushenko? نہیں۔ انیتا کے پاس اب سوویت میگزینوں کا ڈھیر تھا، جنہیں وہ اپنے چھوٹے سے سیمنٹ کے کمرے کے ایک کونے میں اپنی رلی کے نیچے رکھتی تھی۔ وہ انہیں اس طرح پڑھتی تھی جیسے اپنی سکول کی کتابوں کو، احتیاط سے صفحہ پلٹتے ہوئے، جیسے زور سے وہ پھٹ جائیں گے،

ہر ہر لفظ کو یاد کرتے ہوئے جیسے نقشہ پڑھنے والے لکیروں کا سراغ لگاتے ہیں۔ خائف کہ گم نہ ہو جائیں۔

اپنی کتابوں کی شیلف کے سامنے کھڑے... اسامہ نے وہ خود بندرگاہ کے عقب میں کوڑے سے لکڑی کے مسترد شدہ تختے اٹھا کر بنائی تھی... اسامہ کامریڈ صاحب (''صاحب کا اضافہ مت کرو، بے وقوف لڑکی، دیکھتی نہیں کہ یہ کس قدر غلط ہے؟'') نے افسوس سے گہری سانس بھری۔ ''آج کل وہ اس ملک میں بچوں کو کیا پڑھاتے ہیں؟''

میں بچی نہیں ہوں۔ انیتا نے اسے یاد دلایا، میں سولہ برس کی ہوں۔

اُس کے ہمسائے نے اپنے ہاتھ میں ایک مجلد کتاب پکڑے واپس آتے ہوئے ہوا میں اپنا ہاتھ لہرایا، اُس کی عمر کو جیسے دھپ لگاتے ہوئے۔ کتاب کے سرورق سے کپڑا اپھٹ چکا تھا اور گرد آلود سفید دھاگے کی جالی نظر آ رہی تھی۔

میں تقریباً عورت ہوں، انیتا نے اصرار کیا، اور جلد ہی شاعر مجھے شادی کا پیغام بھیجا کریں گے، اور میں، قرطبہ کی معزز خاتون کی طرح، انہیں بتا دوں گی کہ اس کی بجائے میں کسی کتے سے شادی کرنا پسند کروں گی۔

اسامہ، انیتا روز کو دیکھ کر مسکرایا، جسے لگتا تھا کہ کچھ علم نہیں تھا کہ پہلے ہی کتنے پیغام اس کے لیے آنے کو تھے۔

''اچھا، برائے مہربانی مجھے بتاؤ کہ تم حبیب جالب کو جانتی ہو؟'' اسامہ نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے پوچھا، اُس کی آنکھوں کے گوشوں پر نفیس لکیروں کے مکڑی کے جالے سے بدل گئے۔ ''نہیں، جواب مت دینا۔'' اس سے پہلے کہ انیتا بول پاتی، اُس نے اپنا ہاتھ ہوا میں اٹھا دیا۔

انیتا نے لکڑی کی پرانی کرسی سے ٹیک لگائی، جب کامریڈ صاحب گھٹنوں کے بَل زمین پر جھکے اور کھانستے ہوئے آخری شیلف میں موجود کتابوں پر اپنی انگلی دوڑائی کہ جب گرد و غبار کے ذرات ہوا میں اوپر کی جانب تیرے۔

''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ اِلاّ اللہ...'' اسامہ نے اردو نظموں کا مجموعہ اٹھایا اور پڑھتے ہوئے انیتا سے براہِ راست بات کرتے ہوئے محبت سے کھلے صفحات کو چھوا۔ ''آزادی کی راہ، پاکستان کا مطلب کیا...''

''نوجوان کامریڈ، ان مصرعوں کو یاد کر لو، انہیں اپنے دل میں از بر کر لو، او کے؟'' اسامہ نے بات جاری رکھنے سے پہلے اس کی طرف سے متفق ہونے کا انتظار کیا۔

''پکی بات؟''

اُس نے سر ہلا دیا۔

''فنگر پرامس؟'' اس نے اپنی چھنگلیا بڑھائی جو کتاب کے اندر تھی۔ انیتا مسکرادی اور اپنی

انگلی اس کی انگلی سے ملائی۔

''پنکی پرامس۔'' اُس نے کہا۔ یہ اسامہ ہی نے اُسے سکھایا تھا۔

O

انیتا لکڑی کے بینچ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور ٹیچر کے زیادہ مشکل sums کو دہرایا، بالکل ویسے جیسے اُس نے کہا تھا، اگرچہ اب بڑی اور زیادہ عقل مند تھی، انیتا جانتی تھی کہ ٹیچر غلط تھی۔ سکول کے سال کا تقریباً خاتمہ تھا۔ انیتا نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور خود کو یاد دلایا کہ کتنی جلدی یہ ختم ہو جائے گا۔

''گندی سؤر۔'' میرا جس کی بھنویں آپس میں ملی ہوئی تھیں اور اس کی کنپٹیوں کے بال لمبے اور گہرے رنگ کے ہو رہے تھے، انیتا پر غرائی۔

بینچ پر بیٹھی لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس دیں لیکن انیتا نے ان کی پرواہ نہ کی۔ اُس نے ریما کا سوچا، کیسے وہ اس طرح کی لڑکیوں کے دھمکاوے میں کبھی نہ آتی۔ لانڈری روم کے دروازے کے پیچھے کے پیچھے چھپ کر انیتا نے حال ہی میں ریما کو ٹیلی فون پر کسی مرد سے لڑتے دیکھا تھا۔ انیتا اب مہینوں سے اسے اس آدمی سے بات کرتے سن رہی تھی۔ کبھی کبھار ریما معنی خیز انداز میں دبی دبی ہنسی ہنستی۔ کبھی وہ اس سے خطرناک سرگوشیاں کرتی... شرارتی باتیں، باتیں جو لڑکیاں کبھی بلند آواز میں نہ کہتیں... لیکن پچھلے چار مہینوں سے وہ لڑ رہے تھے۔

''تم سمجھتے ہو، مجھے تمہاری ضرورت ہے؟'' ریما نے آدمی سے غصہ میں کہا، ''تم سمجھتے ہو مجھے کسی کی ضرورت ہے؟'' وہ ایک نفیس سنہری ڈبیا سے سگریٹ نکال کر سلگانے کو رکی۔ ''خیر، آؤ میں تمہیں کچھ بتاؤں۔'' وہ دھویں کو اپنے اندر اتارتے ہوئے دھیرے سے بولی، ''جب میں یہ فون بند کروں گی، تم جا چکے ہو گے۔ میں ہفتے بھر سے زیادہ تمہیں یاد بھی نہیں رکھوں گی۔''

پوری طرح متوجہ انیتا سنتی رہی، وہ اسی طرح کی بننا چاہتی تھی، اس قسم کی لڑکی جو کسی کو بھی ایک ہفتے میں بھول جائے۔ جسے کسی کی ضرورت نہ تھی، جو خوف زدہ نہ تھی، جو بہادر تھی اور آزاد۔ ایک شیرنی، جو نہ تھی اور کبھی نہ ہو گی، کسی مرد کی عورت۔

انیتا بدل رہی تھی، اُس نے محسوس کیا کہ حالات اس کے لیے بدلنے والے تھے، اس کی زندگی بدل رہی تھی، وہ آسانی سے ویسی عورت بن سکتی تھی جیسی ریما تھی۔

اس کا سینہ ابھرنے لگا تھا، گداز ہونے لگا تھا، اب تم اس کے لباس سے اسے جھانکتے محسوس کر سکتے تھے۔ نرم بھوری جلد کے ابھار۔ اس کی پیشانی پر موجود مہاسوں کے داغوں کا ایک چھوٹا سا جھرمٹ اب مدھم پڑنے لگا تھا، چند مہینے کے اندر وہ کم سے کم پانچ سینٹی میٹر بڑھ چکی تھی۔

میرا، انیتا کے مزید قریب جھک آئی۔ ''سؤر۔'' اس نے دہرایا کہ یہ الفاظ سیدھے انیتا کے کانوں میں پہنچیں۔ لیکن انیتا، میرا کی بات سن نہ پائی۔ وہ اب ان میں سے کسی کی بھی بات مزید نہ سن سکی۔

سنی

''تم درست جگہ کی بجائے ہر طرف تلاش کر رہے ہو۔'' سنی کے شام سے واپس آنے والے کزن عوز نے اُس سے کہا۔ عوز کا چہرہ سنولا گیا تھا اور اس کے بلیچ شدہ سنہری بال دھوپ میں مزید ہلکے رنگ کے ہو گئے تھے۔ سنی اس سے تقریباً ایک سال بعد ملا تھا اور بچپن میں بھی وہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب نہ تھے، لیکن عوز اب وہ نہ پہنتا تھا جو کبھی اس کا گویا یونیفارم تھا، ٹینک ٹاپ اور سویٹ پینٹس۔ اب عوز کا جسم بھر گیا تھا اور اس کی ڈاڑھی آنے لگی تھی، وہ ہر صبح اپنی مونچھیں شیو کرتا تھا۔ ''تم سچ کے سوائے ہر شے کی تلاش میں ہو۔''

عوز نے سنی کو بتایا کہ عورتیں ذات سے توجہ ہٹانے کا ذریعہ تھیں۔ وہ تمہیں خدا کی حقیقت یا سچ کی تلاش اور فہم سے روک دیتی ہیں۔ اماں حوا اور ان کے ممنوعہ پھل کے وقت سے عورتیں پیغام کو خراب کرنے کے لیے ہیں۔ سنی نے نایا کی حرکت کے بارے میں سوچا، سنیما میں روبینہ کی حرکت کے بارے میں، اور بے آرامی سے پہلو بدلا۔ اُس نے انہیں چھوڑ دیا تھا، عوز نے بتایا۔ کبھی بھی مزید واضح تر اور متوازن محسوس نہیں کیا تھا۔ اپنی گود میں اپنے ہاتھ تہ کیے وہ واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور خوبصورتی سے مسکرا دیا۔

عوز نے ایسے اعتماد کے ساتھ بات کی جو سنی نے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔

جب عوز سفر پر چلا گیا تو اس کے والدین نے سکون محسوس کیا۔ وہ شام کے قریب کسی مہاجر کیمپ میں رضا کارانہ خدمات کی خاطر گیا تھا۔ آنٹی شائستہ، سنی کے والد کی بہن نے کہا، ''شکر خدا کا، بیٹا۔'' دوپٹے سے اپنی پیشانی صاف کرتے ہوئے، ''شکر خدا کا کہ اُسے زندگی کا مقصد مل گیا۔'' عوز کے والدین مطمئن تھے کہ وہ کچھ کر رہا تھا، کچھ بھی، انہوں نے حقیقتاً پوچھا بھی نہیں کہ کہاں اور کیا، اور سچ کہا جائے تو کسی نے حقیقت میں توجہ بھی نہ دی کہ عوز جا چکا تھا۔ اور پھر وہ واپس آ گیا... اور وہ کچھ مختلف تھا۔

وہ سنی اور سلیمان جمیل سے دروازے پر اُس روز ملا جب وہ عید پر لنچ کے لیے آئے تھے۔

''السلام علیکم! انکل۔'' عوز نے تمام عربی حروف پر زور دے کر کہا تھا، جیسے وہ ہمیشہ درست لب و لہجے میں

سلام کہتا تھا اور اپنے انکل کو زور سے گلے لگا لیا۔ وہ کھل کر مسکراتے اور کلف شدہ شلوار قمیص پہنے پُر سکون دکھائی دیا۔ عربی میں اس کے نام کا ٹیٹو اب بھی اس کی گردن کی گدی کے قریب بنا تھا لیکن عوز نے وہ رنگ ہٹا دی تھی جو اس نے کبھی اپنی بائیں بھنوؤں کے ساتھ چھدوا کر پہنی تھی۔ وہ سنہری زنجیریں جو وہ گردن میں پہنا کرتا تھا، وہ بھی اب نہیں تھیں اور اس سے مختلف اور بوجھل عود کی سی خوشبو آتی تھی۔ سلیمان نے بھنویں اچکائیں اور اپنے بھانجے کی پشت پر تھپکی دی۔ ''مسلز شسلو، عوز۔'' سلیمان جمیل نے متاثر ہو کر کہا، ''اچھے لگ رہے ہو میرے بیٹے۔''

''سبحان اللہ!'' عوز نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ''مجھے بھی اچھا لگا انکل۔''

سنی نے اس روز اپنے کزن کو دیکھا، کیسے اس نے لنچ پر ہر کسی سے بات کی، جس طرح عوز نے بات کی، کیسے اُس نے سب رشتہ داروں کو موہ لیا۔ ملک شام کس قدر شان دار تھا، ایسے لوگوں کا ملک جو بنا کسی سبب کے Wanted تھے، اسلام کی سب سے مقدس خلافت کا گڑھ، ایک سلطنت جس نے صدیوں حکومت کی اور یورپ اور دنیا سے احترام حاصل کیا۔ جب نماز کا وقت آیا، وہ ڈرائنگ روم کے اگلے حصے میں کھڑا ہوا اور نماز پڑھنے والے آدمیوں کی امامت کی۔ حلب میں اُس نے اذان دینا سیکھ لیا تھا، اُس نے کہا۔ وہاں اذان موسیقی کی طرح دی جاتی تھی، خوبصورت ترین آواز جو آپ نے کبھی سنی ہو۔

جب سنی اور اس کے والد جا رہے تھے، عوز انہیں ان کی گاڑی تک چھوڑنے آیا۔ سنی کے دروازے کی طرف کھڑے ہوئے عوز جھکا اور اپنا بازو اس کی جانب کی کھڑکی پر ٹکا لیا۔ ''آنا اور مجھ سے ملنا، میرے بھائی۔'' اُس نے کہا، ''میرے پاس تم سے بانٹنے کو ایک جہان ہے۔''

سنی نے سر ہلایا اور وعدہ کیا کہ وہ آئے گا۔ کھڑکی کا شیشہ اوپر کرنے سے پہلے اُس نے اپنے کزن سے ہاتھ ملایا۔

''وہ سالا کیا بکواس بول رہا تھا؟'' پا نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ''خدایا یہ، شکر خدایا وہ۔'' سلیمان جمیل نے اپنا سر اداسی سے ہلایا۔ ''میرا خیال تھا لڑکا کچھ بڑا ہو چکا ہوگا۔''

''کچھ نہیں۔'' سنی نے اپنے والد کی طرف سے رخ موڑ لیا۔ ''وہ کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔''

مہاجر کیمپ، My bottom۔'' سلیمان جمیل نے ناک سکیڑی لیکن سنی اپنے کزن کے متعلق ہی سوچتا رہا۔ اس نے اتنا مضبوط اور اتنا پر سکون شخص پہلے نہیں دیکھا تھا۔ عوز کے متعلق کچھ نیا تھا۔ سنی ٹھیک سے نہیں جانتا تھا کہ کیا، لیکن اس سے متعلق کچھ روشن سا حتیٰ کہ خوب صورت تھا۔

اُس رات سنی سو نہ پایا۔ وہ عوز کے بارے میں سوچتے ہوئے بے آرامی اور بے چینی محسوس کرتے بستر پر لیٹا رہا۔ وہ اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا، کچھ ٹی وی دیکھا، نہایا، لیکن وہ جوش سے گنگناتا رہا تھا۔ رات دو بجے سنی نے اپنے کزن کو ٹیکسٹ پیغام بھیجا اور پوچھا کہ آیا وہ اگلے روز کہیں باہر گھومنا چاہتا

تھا۔ اُس نے مسجد میں ملنے کا مشورہ دیا، یہ سوچتے ہوئے کہ عوز ملنے کے اس مقام کو پسند کرے گا۔ لیکن عوز نے جواب دیا، عوز نے جواب دیا!... اور کہا کہ نہیں، بہتر ہو گا وہ کسی ایسی جگہ جائیں جہاں وہ آزادی سے بات کر سکیں، کوئی حقیقی جگہ۔

مسجد سے آزاد جگہ کیا ہو گی؟ اس سے بڑھ کر حقیقی کیا ہو سکتا تھا؟

جب سنی نے اگلے روز اُس سے پوچھا۔ ''برو، وہ تو اتنے پچھلی صدی کے ہیں۔'' تو بس مسکرا دیا۔ وہ البرٹ روڈ پر ایک کباب شاپ میں بیٹھے عزیر کے کچھ دوستوں کی آمد کے منتظر رہے۔ ''یہ امام اتنے لمبے عرصے سے یہاں ہیں، انہیں اب معلوم بھی نہیں کہ حق کیا ہے، وہ گورے مرد کے جیسا بننے، جھکنے اور اس کے ''انتہا پسندی کو روکو'' والے ایجنڈا میں اتنے مصروف ہیں کہ وہ بھول ہی گئے ہیں کہ دراصل وہ ہیں جن کے جیسا دوسروں کو بننا چاہیے۔ وہ اسلام کی شان و شوکت بھول گئے! وہ ان جھوٹوں پر یقین کرنے میں اس قدر مصروف ہیں جن سے ڈیلی میل دن رات ہمیں بھر رہا ہے، انہوں نے ہمارے پیغام کو آلودہ کرنے میں اپنا آپ کھو دیا اور تم جیسے اچھے بھائیوں کو گمراہ کر دیا۔''

دکان خالی تھی۔ وہاں کاؤنٹر کے پیچھے کوئی نہ تھا، بس شلوار سوٹ میں ڈاڑھیوں والے کچھ لوگ آپس میں دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ اپنی ٹھوڑی پر سختی سے باندھے رومال اور کینوس کی ٹرالی کو دھکیلتے ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا۔ ''معاف کرنا لو (Love)۔'' کاؤنٹر کے پیچھے ڈاڑھی والے نے کہا، ''ہم دکان بند کر چکے ہیں۔''

بوڑھی عورت نے دکان میں نظر ڈالی۔ اس کی نگاہیں مختلف میزوں پر بیٹھے آدمیوں پر پڑیں۔

''آج اِن ہاؤس ورک ہے''۔ ڈاڑھی والا معذرت خواہانہ انداز میں مسکرایا۔ جب اس عورت نے دروازہ بند کر دیا تو وہ کاؤنٹر کے پیچھے سے نکلا اور دروازہ مقفل کر دیا۔ ''اس پر نظر رکھنا۔'' اس نے عوز کے کندھے پر ایک سیکنڈ کو ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

کیسے جھوٹ؟ سنی نے اپنے کزن سے پوچھا۔ اسے مسجد سے اپنے مسئلے تھے، امام نرم تھا اور اپنی بری انگریزی میں ٹوٹے پھوٹے خطاب سے کسی کو متاثر نہ کرتا تھا۔ لیکن وہ اچھے لوگ تھے۔ سنی کو وہاں جا کر سکون ملتا تھا۔ وہ ٹھیک تھے۔

عوز نے اپنا سر جھٹکا۔ ''اوہ بھائی''۔ اُس نے اداسی سے کہا، ''میں کہاں سے شروع کروں؟''

سنی نے عوز کے ساتھ کباب شاپ میں کئی دن گزارے۔ مغرب پاگل ہو چکا تھا، عوز نے وضاحت کی۔ ہم جنس پرستوں کو پریڈ کی اجازت دے کر، عورتوں کو گھروں سے نکال کر، جہاں وہ زندگی کی نشوونما کرتی تھیں اور انہیں طوائفوں کی طرح بازاروں میں لا کر، یہ حق کی راہ کھو چکا ہے۔ عورتوں میں اب کوئی راست بازی نہیں رہی بھائی، وہ جب کسی مرد سے اکتا جاتی ہیں تو اسقاطِ حمل کروا لیتی ہیں، ان میں خاندان کا ذرہ برابر احترام باقی نہیں رہا۔ پانی کی سپلائی میں برتھ کنٹرول کیمیکل تیرتے ہیں جو اچھی بہنوں کو

جراثیم سے پاک کرتے ہیں اور مردوں کو عورتوں میں بدل دیتے ہیں۔ جنس کی تبدیلی کے آپریشنوں میں اور کیوں اضافہ ہو رہا تھا؟ صرف یہی لوگ اتنے بے حیا تھے کہ خدا کے ڈیزائن (ترکیب) کو الٹا دیں۔ ہمیں ہمہ وقت اپنے آپ کو کوڈ کرنا کوئی نام دینا کیوں ضروری تھا... رنگ دار لوگ، ایشیائی نسل، cis-male کیا بکواس ہے! صرف اس کے لیے کہ یہ چوتیا مزید اطمینان کر سکیں۔ ایسی دنیا سے نمٹنا جو مزید ان جیسی دکھائی نہیں دیتی، جو گوری (سفید فام) نہیں۔ مغرب ختم ہو چکا تھا، وہ ٹھیک ہونے کے نا قابل حد تک خراب ہو چکا تھا۔ اب یہ اصلی مردوں کی جگہ نہیں رہی تھی... ان جیسے مردوں کی نہیں۔

سنی نے سر ہلایا، بالکل مسحور۔ ''اشرافیہ دنیا کو کھا رہی ہے۔'' عوز نے وضاحت کی۔ ''اور اسی دوران، وہ تمہیں نکال رہے ہیں۔'' عوز نے اپنا ہاتھ سنی کے سینے پر اُس کے دل کے عین اوپر رکھا۔ ''کیوں کہ تم اور میں، کزن وہ ہمیں کبھی قبول نہیں کریں گے۔ ہم کہیں بیرونی حدوں میں کناروں پر ہیں۔ ہم کبھی میں مرکز میں نہیں ہوں گے۔ ہم اُن جیسے نہیں ہیں۔ ہم ایک مختلف ثقافت رکھتے ہیں۔ وہ ہمارے لوگوں کو، ہماری جدوجہد کو نہیں سمجھتے۔''

جب وہ سٹاربکس میں کھڑکی والے کاؤنٹر پر سٹولوں پر بیٹھے Guildhall Walk دیکھ رہا تھا، عوز نے کوکونٹ ملک لیٹے پر ونیلا پاؤڈر چھڑکا اور سنی کو بتایا کہ کیپٹل ازم اسی طرح کام کرتا تھا۔ یہ آپ کو ہر طرح کی بکواس پسند کرنے پر مجبور کرتا ہے XBoxes, Yeezy Boost Triple White V2 Sneakers... آپ کو جس کی ضرورت ہو، اس کی فہرست میں ہمیشہ مزید چیزوں کا اضافہ کرتے۔ لیکن آپ ساتھ نہیں دے پاتے۔ چاہے ان کے پاس کتنا کچھ ہی ہو، اس کے اور عوز جیسے مرد ہمیشہ ہی پیچھے رہ جاتے۔ کیوں وہ گورے نہیں تھے، کیوں کہ وہ مسلمان تھے، کیوں کہ وہ مختلف تھے۔

یہ سچ تھا۔ اس کی ٹک بنتی تھی۔ اپنی زندگی بھر سنی کو کبھی محسوس نہ ہوا تھا کہ وہ پورٹسماؤتھ سے متعلق تھا، بین اور وہ لڑکے، وہ کبھی اسے سمجھ نہ پائے۔ اُن کے تمام مذاق کے پیچھے سنی ایک بات جانتا تھا، کسی نے بھی اس دھند کے پار نہیں دیکھا تھا جو اس نے اپنے گرد جمع کر لی تھی، کسی نے کبھی اس سب کے دل کو مرکز کو یا اصل کو کبھی چھوا بھی نہ تھا... تکلیف، اکیلا پن، الجھن۔ کسی نے نہیں، یہاں تک کہ عوز نے۔

عوز نے کہا، چاہے وہ کتنا ہی ذہین تھا، وہ کبھی مشہور نہ ہوتا۔ اُس کا چہرہ کبھی بی بی سی کے میگزین پر نہ آتا، وہ کبھی مارننگ شو کے کاؤچ پر نہ بیٹھتا، کبھی کسی میگزین کے سرورق پر موجود شخص نہ ہوتا۔ اور کیوں نہیں؟ کیا وہ اس کا مستحق نہ تھا؟ کیا وہ چیزیں دیکھتا نہ تھا؟ جانتا نہ تھا؟ لیکن اُن کی یہ معمولی دنیا، عوز جیسے مردوں کو برباد کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں اس سے لڑنا تھا۔

سنی نے اِدھر اُدھر کی تمام لڑکیوں کے نمبرز ڈیلیٹ کر دیئے جو رات دیر گئے تک فون کرتی تھیں... نایا، روبینہ، ریشما... وہ ان سب سے تنگ آ چکا تھا۔ سنی کے پاس اب جو بھی وقت تھا، وہ اسے عوز کے ساتھ گزارتا تھا۔

''تم ہم جنس پرست نہیں بن رہے، ہے نا؟'' پا نے پوچھا جب عوز نے بریٹینکا روڈ پر ان کے گھر آ کر ویک اینڈ گزارا۔ سلیمان جمیل اپنے بیٹے کی صاف ظاہر نشانیوں پر نظر رکھتے کچن کاؤنٹر پر بیٹھ گئے کہ وہ بھی مسلز بناتے عوز کی طرح ہم جنس پرست بن چکا تھا۔ ''میں نے لکھنؤ اس لیے نہیں چھوڑا تھا اور برطانیہ اتنی دور اس لیے نہیں آیا تھا کہ تم اپنے کزن کی محبت میں گرفتار ہو جاؤ، تم جانتے ہو۔''

لیکن پا اس بات کو سمجھے ہی نہیں۔ عوز کے ساتھ ہونے سے ہی تو سنی اپنے آپ کو پہلے سے کہیں سے زیادہ مرد محسوس کرتا تھا۔ ''وہ Poof (ہم جنس پرست) نہیں ہے۔'' سنی نے چڑ کر جواب دیا۔

سلیمان جمیل نے اپنے دیدے گھمائے۔ ''اچھا، اس کے رنگے ہوئے سنہری بال اور ٹیٹو صرف سٹائل کے لیے ہیں، ایسا ہی ہے؟''

''وہ ایسا نہیں ہے پا۔'' سنی کو معلوم نہ تھا کہ اسے اس بات سے اتنی تکلیف کیوں ہو رہی تھی۔ عوز، سنی کو اس کے آبائی عقائد پر واپس لا رہا تھا، اُن کے آباؤ اجداد کی تعلیمات پر رہنمائی کر رہا تھا۔ اُن کے وعدہ شدہ ماضی کی شاہراہ پر راستے کی تلاش میں مدد کر رہا تھا، دودھ اور شہد کی سرزمین، ان کی اصل ذات کی شان شوکت۔ اسے مغرب کی بدعنوانی سے کچھ بھی لینا دینا نہ تھا۔ کیا پا نہیں دیکھتے تھے؟ کیا انہوں نے اپنے بیٹے کو یہاں کی اس زندگی کی بربادی سے، اس اجنبی ملک اور سیاست سے تعلق رکھنے والی ہر برٹش چیز سے اپنے آپ کو کاٹ کر الگ کرتے نہیں دیکھا؟ کیا انہوں نے سنی کو کچھ خالص شے کی طرف پلٹتے نہیں دیکھا؟

وہ بس تلخ تھا۔ اور بس۔ پا بس ایک اداس بوڑھے آدمی تھے جنہیں دنیا نے تھوک دیا تھا۔ سنی مختلف ہوگا... لوگ اس کی عزت کریں گے۔ وہ اسے یاد رکھیں گے۔ اس پہچانیں گے۔ سنی پہلے ہی اس سے زیادہ خوش تھا جتنا وہ پچھلے کئی مہینوں میں رہا تھا۔ عوز نے اس کا رنج وغم دور کر دیا تھا، صرف اس کے پاس ایسا کرنے کی طاقت تھی۔ اس کا کزن، اس کا دوست، اس کا پٹی بند بھائی، کچھ عرصے کو اس کا سب کچھ تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ شام گیا اور بچا لیا گیا، عوز زیادہ تر اپنے دوستوں کے ساتھ گیمز کھیلا کرتا، اور کچھ کم ہی کرتا تھا۔ جہاں تک سنی کو یاد تھا، عوز حتیٰ کہ یونیورسٹی بھی نہ گیا، وہ بس سٹوڈنٹ اتھلیٹک کلب میں گھومتا، مشینیں مفت میں استعمال کرتا، ٹرینر حضرات سے گپ شپ کرتا اور گزر بسر کے لیے Weed کے dime bags بیچتا تھا۔

وہ اب مختلف تھا، سنی نے پا کو یقین دلایا۔ سچ میں مختلف۔ عوز کا قدم مستقبل میں تھا... سچ میں... شام جانے کے بعد سے۔ اُس نے افق دیکھ لیا تھا اور انجیل گا کر سنانے کو واپس آ گیا تھا۔ پا نے دیکھا کہ عوز کس قدر پُر اعتماد اور پُر یقین تھا، سیاست اور حالاتِ حاضرہ میں کس قدر رواں تھا۔ لیکن یہ ایسا نہ تھا جس کی وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے تمنا رکھتے تھے کہ وہ اپنا تمام تر وقت اپنے عمر میں بڑے اور ٹیٹو شدہ

کزن کے ساتھ گزارتا۔

''میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ میں نے تمہیں ماڈرن برٹش اقدار کے ساتھ پال کر بڑا نہیں کیا کہ تم اس طرح ظاہر کرو کہ تم ابھی تک کسی گاؤں میں رہتے ہو۔ میں نے اپنی تمام عمر اس لیے کام کرتے ہوئے نہیں گزاری کہ تم اس کی بکواس حماقت کے ساتھ میرا دل توڑ سکو۔'' میں نے ایسا نہیں چاہا۔ میں نے ایسا نہیں چاہا۔ میں نے ایسا نہیں چاہا۔

سنی نے اپنے باپ کو نظر انداز کیا۔ اسے باپ کی ضرورت نہیں تھی، مزید نہیں۔ اس کے پاس نیا میوزک تھا، جو ہمیشہ سے اس کے لیے ایک پناہ گاہ رہا تھا۔ لیکن اب اپنے کزن کے بدولت سنی کے پاس اس دنیا میں بھی ایک جگہ تھی، اور اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے اس پناہ گاہ کو روشنی کے سامنے کھلتے ہوئے وسیع محسوس کیا۔ پا، عوز کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ پا ایک ایسے آدمی کے طور پر جدوجہد کے بارے کچھ نہیں جانتے تھے جس کے مخالف ساری دنیا کی طاقت ہو۔

مونٹی

وہ سکول میں روزانہ لنچ ٹائم ساتھ گزارتے، لیلیٰ مونٹی کی گود میں بیٹھی ہوتی ۔ وہ اس کے ہاتھوں کو چومتا، اس کے پپوٹوں کو، اس کے ہونٹ کے نیچے موجود تل کو۔ ہر مرتبہ جب مونٹی کے ہونٹوں نے اسے چھوا، تو جو کوئی خدا بھی موجود تھا، اُس نے اس کے لیے لیلیٰ کے لیے شکر ادا کیا اور اس ناممکن معجزانہ قسمت کا جو اُسے مونٹی کی زندگی میں لے آئی تھی۔ اس نے اس کی آنکھوں کو چوما، بائیں اور دائیں اور وہ جانتا تھا کہ زمین پر موجود کوئی مرد اس مسرت کو نہیں جان پائے گا جو اُسے تب محسوس ہوئی جب مسکارا سے بوجھل اس کی پلکیں اس کے ہونٹوں تلے مڑتی محسوس ہوئیں۔ جب وہ ساتھ نہ ہوتے، جب وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہوتی اور مونٹی لاؤنج کے دوسرے کونے میں ہوتا، یا جب وہ کلاس میں الگ الگ بیٹھے ہوتے تو کبھی کبھار لیلیٰ مونٹی کو اپنی جانب دیکھتے پکڑ لیتی۔

لیلیٰ ہمیشہ اپنی ہی دنیا میں گم، اپنی سیٹ پر جھکی بیٹھی ہوتی، اس کی گردن اس انداز میں جھکی ہوتی کہ آپ کو خیال ہوتا کہ وہ سو رہی تھی، اتنی کہ اس کی ٹھوڑی اس کے سینہ کو تقریباً چھو رہی تھی۔ بعض اوقات وہ اوپر دیکھتی، صرف اپنی نگاہیں اوپر اٹھا کر، یہ دیکھنے کو کہ مونٹی اُسے دیکھ رہا تھا۔ جب لیلیٰ نے اُسے دیکھا کہ وہ کیسے محبت اور بھروسے سے بھرپور اُسے دیکھتا تھا، اس کا دل جیسے تکلیف سے بوجھل ہو گیا۔

مونٹی، اس سے نگاہ ملنے پر مسرور، مسکرا دیتا۔ اور لیلیٰ جو کچھ بھی جھوٹ نہ کرتی تھی، جواب میں نہ مسکراتی۔ وہ اپنی ٹھوڑی اٹھاتی اور صرف اس کا نام پکارتی، مونٹی۔ اس کے نام کے حروف کو دھیرے سے اپنے منہ سے راؤنڈ کرتے ہوئے۔ مونٹی۔

بالکل ایسے:

مونٹی۔

اور اس کا چہرہ خوشی سے روشن ہو جاتا۔

لیلیٰ کو مونٹی کو خوش کرنے کے لیے زیادہ کچھ نہ کرنا پڑتا تھا۔ لیلیٰ نے اس کی شرٹس میں سے ایک لی، ایک سیاہ دھاریوں والی ڈریس شرٹ جو اس کے والد چین کے بزنس ٹرپ سے واپسی پر لائے

تھے۔ لیلیٰ کے کان عقاب جیسے تھے اور وہ یقین دہانی حاصل کرتی کہ وہ تمام معلومات حاصل کر لے جو مونٹی معصومیت سے، پیارے انداز میں ٹیلی گراف کیا کرتا۔ اکبر احمد ہمیشہ سفر میں ہوتے، ہر مہینے وہ گوانگ زو، دبئی، جدہ جاتے۔ وہ چند روز اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ گزارتے اور پھر دوبارہ سفر پر چلے جاتے۔

لیلیٰ نے مونٹی کی گوانگ زو شرٹ اپنی Skinny جینز پر ڈھیلی سی پہن لی، جینز جوز ینب مارکیٹ سے خامیوں کے ساتھ خریدی گئی تھی۔ اس کے ناخنوں پر سیاہ نیل پالش ہمیشہ Chipped اور خراشوں زدہ۔ وہ اس پر اتنی اچھی لگی، ڈھیلی سی قمیص اور تنگ جینز۔ ''مجھے اچھا لگتا ہے جب تم یہ پہنتی ہو۔'' مونٹی نے کیمسٹری کی کلاس میں اس کے پچھلی سیٹ پر بیٹھے سرگوشی کی۔

''مجھے اور شرٹس لے دو۔'' لیلیٰ نے کہا، ''اور میں وہ سارا وقت پہنوں گی۔''

وہ اپنے باپ یا ماں کے بارے میں بات کرنا پسند نہ کرتی تھی۔ اس نے اپنے بھائی کے متعلق بھی کبھی کوئی بات نہ کی۔ اپنے خاندان کے بارے میں بالکل کچھ نہیں، صرف یہ کہ اُسے اصل میں اُس کے بہترین دوست نے پالا تھا۔ مونٹی کا خیال تھا کہ اس کے دادا، ایک بوڑھے شخص جنہیں وہ بہت پسند کرتی تھی۔ وہ ہر شے کے لیے اُن کی ممنون احسان تھی، اُس نے کہا۔ میں کسی وقت ان سے ملنا بہت پسند کروں گا، مونٹی نے کہا۔ لیکن لیلیٰ نے کبھی پیشکش نہ کی، کبھی تجویز نہ دی کہ وہ بھی ایسا کرنا پسند کرے گی۔ مونٹی جن لڑکیوں کو جانتے ہوئے بڑا ہوا تھا، وہ نہ تو کتابی تھیں اور نہ ہی بحث کرنے والی۔ وہ سکول میں خوبصورت ٹاپس پہن کر آتیں، جن کے ساتھ اپنی ماؤں کی جیولری اور اس بارے میں بات کرتیں کہ کس نے کس ویک اینڈ پر کیا کیا تھا، اور یہ کہ اگلی بار کون سی پارٹی آرہی تھی۔ دوسری جانب لیلیٰ مسلسل پڑھتی رہتی تھی۔ وہ لنچ ٹائم میں فرش پر بیٹھ جاتی، اردو بازار سے خریدی گئی شاعری کی استعمال شدہ پرانی کتابیں اس کے گھٹنوں پر دھری ہوتیں۔ جب وہ پہلی بار ملے تو تب وہ میر کو پڑھ رہی تھی۔ لیلیٰ کہتی تھی، میر کی شاعری اس دنیا میں اُس کی تنہائی کو کم کرتی تھی۔ ایک روز اسے امید تھی کہ اُسے بھی جلا وطن کر دیا جائے گا، فیض کی طرح۔

کون؟ مونٹی نے خجل ہو کر پوچھا تھا۔

فیض احمد فیض، لیلیٰ نے جواب دیا۔ وہ کسی خوب صورت چیز کے لیے کبھی لڑے تھے، کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہیں اُن کا نام بھی نہیں معلوم؟

سزا کے طور پر، مونٹی، میر تقی میرؔ اور فیض احمد فیض کی کتابیں لینے لبرٹی بکس گئے، لیکن ان کے پاس ان شعرا کا کلام انگریزی میں نہیں تھا۔ کیا اسے ازابیل الاندے یا پائلو کوئیلہو کی کتب چاہئیں؟ مونٹی، لیلیٰ کے لیے چند کتابیں لایا۔ کتب فروش نے کہا تھا کہ وہ بہت مقبول تھیں، لیکن لیلیٰ نے وہ اس سے واپس کروا دیں۔

وہ گھنٹوں سکول لائبریری میں بیٹھی رہتی اور اس نے چھوٹے سے اردو سیکشن کی ہر کتاب پڑھ

ڈالی، اس کی کمر دھاتی بک شیلفوں سے ٹیک لگائے ہوتی، اس کے لمبے سیاہ بال اس کی آنکھوں پر گر رہے ہوتے۔لیلیٰ نے کہا کہ وہ یورپی کتابوں کو کلاسیک نہیں سمجھتی تھی، کیوں کہ وہ اس کے کسی بھی تجربے کی بات نہ کرتی تھیں۔ وہ اردو میں پڑھتی کیوں کہ یہ وہ زبان تھی جس میں اس نے تکلیف اٹھائی تھی، ایک زبان جو اس کے تمام دکھ ورنج کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

کیا تمہیں روزانہ ایک ایسی زبان بولتے ہوئے عجیب محسوس نہیں ہوتا، جو تمہاری اپنی نہیں ہے؟ لیلیٰ نے مونٹی سے پوچھا۔لیکن مونٹی انگریزی کے سوا کسی زبان میں بات نہ کرتا تھا۔

مونٹی کراچی لٹریچر فیسٹیول کے ٹکٹ لایا اور لیلیٰ کو نوبل انعام سے امریکی ناول نگاروں کے اخراج کے سیشن میں لے گیا۔ بیچ لگژری ہوٹل کے کانفرنس روم میں بیٹھے ہوئے، جہاں سے مینگروو کی گدلی دلدل اور ڈرامائی طور پر سٹیل کی کرینیں کراچی کی بندرگاہ پر لٹکی ہوئی دکھائی دیتی تھیں، لیلیٰ نے مونٹی کا ہاتھ تھاما اور پینلسٹ کی کہی ہر بات پر دیدے گھماتی رہی۔

کھڑے ہوئے بالوں والے ایک مہمان امریکی سیلف پبلش ناول نگار نے جو ائیر کنڈیشنڈ کمرے کی خنکی سے حفاظت کے لیے Pilling سے بھرے سویٹر میں لپٹا ہوا تھا، یقین دہانی حاصل کی کہ وہ مداخلت کرتی رہے اور ہر سوال پر اپنی رائے ضرور دے۔''یہ غیر اہم شخص سب سے کم متوقع ہے کہ کوئی انعام حاصل کرے۔'' لیلیٰ نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی۔مونٹی نے چچہ گیری کرتے ہوئے آنکھیں گھمائیں، حقیقت میں بغیر سمجھے کہ ایسا کیوں تھا۔

کاشف کی سالگرہ پر گروپ کاشف کے والدین کے فرنچ بیچ ہٹ گیا۔ چاند پورا تھا، بالآخر وہ پانی میں گم ہو جاتا۔ڈی جے تھا اور ایک بارٹینڈر بھی اور حتیٰ کہ Flo سے کھانا۔مونٹی جب ہٹ میں گیلے پن کے لیے صوفہ کشنز کو چھو کر چیک کرتے ہوئے گھومتا رہا اور نہ جانتے ہوئے کہ ساحل کی مرطوب نمی تمام فرنیچر میں گھس چکی تھی، اُسے Patio میں کاشف اور سار یہ کھڑے دکھائی دیئے۔ سار یہ، کاشف کی طرف جھکی ہوئی اس کی باتیں سن رہی تھی۔سار یہ کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کاشف کے ہاتھ نے اس کی کمر پر سفر کیا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی کے آخری سرے پر چھوٹے سے خم پر رک گیا۔مونٹی ساکت کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔

سار یہ، کاشف کی گرل فرینڈ بھی نہیں تھی، ان کا ٹکراؤ ایک دو بار ہی ہوا تھا۔لیکن کاشف کو سار یہ پر ایسا اختیار حاصل تھا جو با اعتماد اور آسان تھا۔اس کا ہاتھ اس کی لمبی سکرٹ کے کمر بند سے نیچے چلا گیا، اسے چٹکی کاٹتے ہوئے اُس نے اپنے قریب کھینچ لیا۔

مونٹی نے لیلیٰ کو تلاش کیا، اس کی اصلی اور باضابطہ گرل فرینڈ، لیکن وہ وہاں نہ تھی۔ وہ احتیاط سے کاشف اور سار یہ کے قریب سے آگے بڑھا، اور ساحل کے قریب چلا گیا جو سفید چاندنی سے روشن تھا۔ کسی نے کہا کہ یہ پرندوں، جانوروں کے انڈے دینے کا موسم تھا۔اگر آپ انہیں تلاش کرتے تو آپ

غروبِ آفتاب کے بعد نیچے سمندری کچھوؤں کو دیکھ سکتے تھے، ان کی جھلی دار فلپر سمندری ریت میں کھود کر بِل رہے ہوتے تھے۔

مونٹی ان لکیروں کا پیچھا کرتے ہٹ سے دور چلا گیا، جو کچھوؤں نے ریت میں بنا دی تھیں، یہاں تک کہ وہ موسیقی اور بار بی کیو کے اٹھتے دھوئیں سے دُور ساحل تک آ پہنچا۔ اور وہاں تھی لیلیٰ، ریت پر کمر کے بَل لیٹی ہوئی، اس کے بال اس کے گرد بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں بند کیے ہوئے منتظر تھی کہ سمندری لہر اٹھے اور دوڑ کر اُسے غرق کر دے۔

انیتا روز

وہ اسامہ کے گھر کی چھوٹی سی چھت پر بیٹھے تھے۔ دو روز سے کالونی میں بجلی نہ تھی۔ وہ اپنا بیشتر وقت ہمسائے کے گھر گزارتی۔ جب وہ اپنا سکول کا کام ختم کر لیتی، اس کے جستی دروازے پر دھیرے سے دستک دیتی، اپنے اس نئے گھر سے بھاگ کر جو اس کے بھائی نے لیز پر لیا تھا اور اپنی ماں سے بھی جو انیتا کو شک تھا کہ دنیا سے نفرت کرنے لگی تھی۔ زنوبیا نے اپنی بیماری، اپنے تھکے ہوئے ہاتھوں کو خدا سے کھلے بندوں مقابلے کے طور پر لیا تھا۔ وہ اسے یوں معذور کر کے اُسے برباد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

یوں انیتا، اسامہ سے ملنے جاتی، چاہے اس کے جستی دروازے سے جتنا بھی فاصلہ ہوتا، اور اُس کی لکڑی کی پرانی کرسی پر بیٹھ جاتی، جس کی نشست پر اس کی بے آرامی کو چھپانے کے لیے ایک پتلی سی شال ڈالی گئی تھی اور کامریڈ صاحب کو لڑنے والوں کی باتیں کرتے سنتی، وہ آدمی جنہیں وہ جانتا تھا جو کسی عظیم نظریے پر یقین رکھتے تھے، لکھاریوں کی جنہوں نے جبر و ناانصافی کی مخالفت کی۔

لیکن اس شام جب کالونی پر تاریکی کا پردہ تھا، اسامہ نے رکشہ لیا اور انیتا کو پریس کلب لے گیا۔ جس لمحے وہ سفید گیٹ سے اندر داخل ہوئے، کامریڈ صاحب نے اہم دکھائی دیتے لوگوں کو سلیوٹ کیا اور ہاتھ ملائے۔ ''یہ میرے لوگ ہوا کرتے تھے۔'' اس نے انیتا روز سے سرگوشی کی۔ گھنٹہ بھر وہ ایک آرام دہ صوفے پر ٹیلی ویژن کے سامنے، دودھ کی میٹھی چائے پیتے اور جنریٹر کے شور میں دبی خبروں کو سنتے بیٹھے رہے۔

اشتہاروں کے ہر وقفے کے درمیان، کوئی آتا اور ہیلو کہتا اور کوئی اور کامریڈ صاحب کو فون دیتا، جو وہ محتاط انداز میں کان سے لگا لیتا۔ جی جناب؟ وہ ہر فون کال کا آغاز ایسے کرتا۔ جب کال کرنے والے کی آواز سنائی دیتی، اس کے چہرے پر پُرسکون ہو کر مسکراہٹ آ جاتی۔

خبروں کے آخر میں ان کے لیے کینٹین سے آئی چائے اور مکھن والے بسکٹ سے بھرے پیٹ کے ساتھ انیتا اور اسامہ رکشہ روکنے کے لیے سڑک تک آئے۔ فٹ پاتھ پر لوگوں کا ہجوم جمع تھا جو تیل کے لیمپوں کے سمندر سے روشن تھا۔ شام کے Vigil میں شریک احتجاج کرنے والے پوسٹرز اور بینرز اٹھائے

ہوئے تھے لیکن وہ سب بازوؤں پر پٹیاں باندھے ہوئے تھے۔ جب وہ پریس کلب سے باہر نکلے تو ہجوم میں چوکڑی مارے بیٹھا ایک نوجوان کھڑا ہوا اور انہیں دیکھنے لگا۔ اس کا قد لمبا اور شانے چوڑے تھے اور وہ سفید شلوار قمیص پہنے ہوئے تھا۔ اس نے اسامہ کی جانب ہاتھ ہلایا اور سڑک پار سے اُسے بلایا۔

''میرا انتظار کرو۔'' کامریڈ صاحب نے انیتا کے بازو پر تھپکی دے کر نرمی سے کہا۔ اُس نے ایک رکے ہوئے رکشہ کو اشارہ کیا اور ڈرائیور نے انجن سٹارٹ کرتے ہوئے اپنے ننگے پیر گلی سے اٹھا کر چپل پہن لی۔

اسامہ احتجاجی مظاہرین کی طرف بڑھ گیا جو مٹی کے روشن دیے اٹھائے ہوئے تھے اور اس نوجوان کو گرم جوشی سے گلے لگا لیا۔ انیتا نے انہیں بات کرنے کے لیے فٹ پاتھ پر بیٹھتے دیکھا۔ جب نوجوان ذرا جھکا تو اُسامہ نے اپنا ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھا۔ اُسی لمحے رکشہ ڈرائیور رکشہ بڑھا کر انیتا کے عین سامنے آ گیا۔ ''ہم چل رہے ہیں یا کیا؟'' اس نے پوچھا، اُس کے گال پان کے باعث پھولے ہوئے تھے۔ انیتا روز رکشہ میں چڑھی اور اپنی گردن اونچی کر کے کھلے دروازے سے اسامہ کو دیکھا۔

نوجوان نے کامریڈ صاحب کے شانے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور وہ اسے بہت قریبی، شفیق انداز میں تھامے ہوئے تھے۔ وہ انیتا کو پہلے سے دیکھا بھالا لگا۔ اس کے گھنے سیاہ بال تھے جو اس کے چہرے پر آ رہے تھے۔ اپنے فارغ ہاتھ سے نوجوان نے اپنے بالوں کو آنکھوں سے پرے کیا اور جہاں انیتا بیٹھی تھی، وہاں سے دیکھ سکتی تھی کہ وہ بوڑھے شخص کو محبت سے مشابہ کسی جذبہ سے دیکھ رہا تھا۔

''محترمہ۔'' رکشہ ڈرائیور اپنی سیٹ پر سے مڑا اور طنزیہ انداز میں انیتا سے مخاطب ہوا۔ ''ہم چل رہے ہیں یا نہیں؟''

انیتا روز نے یہ دیکھتے ہوئے اسے نظر انداز کیا کہ جیسے اسامہ کا چہرہ اٹھتے ہوئے نرم پڑا تھا جب اس نے نوجوان کو الوداع کہا۔ اچانک ہی وہ کمزور دکھائی دیا، بوڑھا۔ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھا۔

''میڈم!'' رکشہ والا مشتعل ہو کر انیتا پر چیخا۔

''جی سائیں۔'' اسامہ نے آہستہ سے لنگڑا کر ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ رکشے میں بیٹھتے اس نے دھاتی ہینڈل تھاما، پوری کوشش سے سانس لیا اور ڈرائیور کی پیٹھ پر تھپکی دی۔ ''چلو!''

''وہ کون تھا؟'' جب وہ آگے بڑھا تو انیتا نے پوچھا لیکن اسامہ کی نگاہیں کہیں دُور تھیں۔

''یہ شہر اپنے زیور کے بغیر کس قدر تاریک لگتا ہے۔'' اُس نے اُسے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

انیتا زیادہ زور دینا اور اپنے کامریڈ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی زندگی نئے مستقبل، ایک بہتر مستقبل کی طرف بڑھتے ہوئے جتنی ارتقا پذیر ہوئی، اتنا ہی اس نے ان کے درمیان تناؤ پیدا ہوتے

محسوس کیا۔ واحد وقت جب اسامہ نے اپنا دروازہ انیتا پر بند کیا تھا، مہینہ بھر پہلے تھا، جب اس نے پوچھا تھا کہ آیا وہ اُس کی Antiseptic کی بُو دیتی شراب کا ایک گلاس لے سکتی تھی۔

وہ ہمیشہ اُسی گلاس میں پیتا تھا، ایسے ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے یہاں تک کہ خواب آور آہستگی سے اُس کے الفاظ باہر نکلتے۔ وہ انیتا کو صرف چائے پیش کرتا تھا، بہت سی چینی کے ساتھ، لیکن اور کچھ نہیں۔ کیا میں بھی لے سکتی ہوں؟ انیتا روز نے ان کی رفاقت میں مزید با اعتماد ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ یوں جیسے کوئی سوئچ ٹرپ ہو گیا ہو، اسامہ اپنے قدموں پر گڑبڑا کر کھڑا ہوا، اپنی شکن آلود سفید شلوار قمیص کو سیدھا کیا اور اُسے وہاں سے جانے کو کہا۔ اُن کی گفتگوئیں اچانک ختم ہونے پر حیران مگر اس کے موڈ کو الکوحل سے منسوب کرتے ہوئے انیتا کھڑی ہوئی اور فیض احمد فیض کا مجموعہ کلام اٹھا لیا جس پر وہ بات کر رہے تھے۔ ''کتاب چھوڑ دو، برائے مہربانی۔'' اسامہ نے اس کی جانب دیکھے بغیر کہا۔ ''یہ میری جان لے لے گی، انیتا۔'' اُس نے جستی دروازہ اس کے منہ پر بند کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں اسے کبھی چھونے نہیں دوں گا۔''

اگلے روز اسامہ نے دروازے پر اس کی انگلیوں کی ہلکی سی دستک کا کوئی جواب نہ دیا، نہ اس سے اگلے روز۔ اُس نے انیتا کو جواب نہ دیا تھا جو اس کے گھر کے باہر کھڑی تھی، کھلی ہوا میں، جب گرمیوں کی ہلکی سی بوندا باندی سیڑھیوں کو گندا کر رہی تھی۔ اسامہ نے انیتا کو واپس اپنے گھر میں خوش آمدید نہ کہا۔ اُسے اپنا شیر بھی نہ کہا، یہاں تک کہ ہفتہ بھر کی خاموشی کے بعد اُس نے ایک میگزین کے دھندلے سرورق پر لکھی معذرتی تحریر اس کے دروازے کے نیچے سے اندر کھسکائی۔

وہ ایک بے رنگ سوویت لائف تھا۔ آئی ایم سوری۔ انیتا نے ایک مسکراتے افغانی کے چہرے کے خدوخال پر لکھا تھا۔ اُس کے معزز چہرے پر ان حروف کو بار بار نقل کیا تھا۔

وہ اسامہ کے دروازے کے باہر کھڑی منتظر رہی، ہلکی بارش میں بینائیں اندر باہر دائروں میں اڑتی رہیں۔ جلد ہی وہ کھانے کی تلاش میں بکھرے ہوئے کوڑے کرکٹ میں پھدکتی ہوئی زمین پر آ بیٹھیں گی اور پارک شدہ موٹر سائیکلوں کے پہیوں کے بیچ پناہ لے لیں گی۔

لیکن تب جب انیتا، اسامہ کے پہلی منزل پر موجود گھر سے واپس جانے کو سیڑھیاں اترنے والی تھی کہ ان یتیم پرندوں کے درمیان جا بیٹھے، اُس نے دروازہ کھول دیا۔

''میرے الفاظ ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھنا۔'' اسامہ نے لڑکی کی پشت سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''ہمیشہ۔'' انیتا نے رخ موڑے بغیر جواب دیا۔ اُس نے اسامہ کی اس سے کہی ہر بات اپنی نوٹ بک میں لکھ رکھی تھی۔ میں ایک شیرنی ہوں، اُس نے حتیٰ کہ پہلے صفحے پر لکھ رکھا تھا۔ اپنی اس سے پچھلی کم با اعتماد بدخط شکستہ تحریر پر۔

''ایک روز میں چلا جاؤں گا۔'' برستی بارش کے بے ضرر شور کی طرح اُس نے نرمی سے کہا، ''تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا۔''

انیتا، اسامہ کا سامنا کرنے کو مڑی، اس کے خودرو، سرکش سفید بال شیر کی ایال کی طرح اس کے چہرے کے گرد بڑھ رہے تھے۔

''میں وعدہ کرتی ہوں۔''

واپس مچھر کالونی کی جانب آتے رکشہ میں بیٹھے ہوئے انیتا پوچھنا چاہتی تھی کہ ہر بار جب بجلی نہ ہوتی تھی تو وہ پریس کلب کیوں نہ آتے تھے۔لیکن وہ سمجھ گئی کہ وہ نوجوان اس سبب کا حصہ تھا کہ کیوں۔ اوراب، جبکہ وہ اسے دیکھ چکے تھے، وہ جانتی تھی کہ وہ واپس وہاں نہ آتے۔

''کیا وہ آپ کے طالب علموں میں سے ایک تھا؟''

اسامہ نے تب انیتا کی طرف رخ کیا اور مسکرا دیا، اُس کی بھنویں اچکی ہوئی تھیں۔''طالب علم؟''

''میری طرح۔''اس نے جس طرح لفظ دہرایا تھا، اس پر انیتا نے کچھ خجل سی ہو کر کہا،''کوئی جسے آپ پڑھاتے ہیں... آپ جانتے ہیں، شاعری اور لکھنا اور سیاست۔''

اسامہ نے اپنا بازو انیتا کے کندھے کے گرد پھیلایا اور اُسے ہولے سے قریب کیا۔''میری پیاری، تم میری کامریڈ ہو، میری آوارہ گردہ معاون اور دوست۔''

انیتا مسکرا دی۔مگر اس نے اس کے سوال کا جواب نہ دیا تھا۔

''اور وہ؟''

''لیث۔''

لیث؟ انیتا اس نام سے واقف تھی۔ اس نے چند ایک کتابوں پر جو اسامہ نے اسے دی تھیں، یہ نام تحریر دیکھا تھا، بے ڈھنگے، شکستہ خط میں۔

''میرا بیٹا۔'' اسامہ نے اپنا بازو ہٹا لیا، سر کو رکشہ کے پلاسٹک کور سے ٹیک لگالی۔

انیتا خاموش ہوگئی۔ اس نے اسے پہلے بھی دیکھا تھا۔ ہوا نکلی فٹ بال کو دیوار پر مارتے ہوئے، چلاتے ہوئے، اُس کا غراتا ہوا وجیہہ چہرہ، پک اَپ ٹرک کے پچھلے حصہ میں۔ وہ جانتی تھی کہ اسامہ کا خاندان اسے چھوڑ چکا تھا۔ ایذرا کا کہنا تھا کہ اس کا سبب اُس کی شراب نوشی تھی۔ مگر یہ تب کی بات تھی جب انیتا اُسے جانتی نہیں تھی۔ وہ تب سے یہ فرض کرتے ہوئے بڑی ہوئی تھی کہ اسامہ شاہ صرف اُس کا تھا۔ اور کیوں نہیں؟ وہ اس کی پرواہ کرتی تھی، ہر روز اسے ملنے جاتی تھی۔ جب وہ مزید بوڑھا اور کمزور ہوا تو باہر کی دنیا کی خبریں اسے پہنچاتی تھی، اس کی تمام کہانیوں اور لیکچرز کو پوری توجہ سے سنتی۔ جب وہ رات دیر گئے تک بیٹھا پیتا رہتا تو اُسے کمپنی دیتی تھی۔

انیتا نے فرض کرلیا تھا کہ اُس کا پہلا خاندان، وہ جو کوئی بھی تھے، کسی اور زندگی سے متعلق تھے اور اس طرح پرانی کتابوں سے بھرے گرد آلود فلیٹ سے وہ مٹ گئے تھے، مچھر کالونی سے، کراچی سے اور دنیا سے مٹ گئے تھے۔ اُس نے فرض کرلیا تھا کہ وہ اس کے سنگ دل اور ظالم شہر کا حصہ تھے، اُسامہ جس کی اکثر بات کیا کرتا تھا، اُسے سکھاتے ہوئے کہ کیسے اس کی نامہربانی میں سے گزر کر عبور کرنے کو صحیح راستہ تلاش کرے۔ وہ تیاگی تھے، مفرور یا بھگوڑے تھے۔ وہ اسامہ کو اس طرح سے نہیں سمجھتے تھے جیسے وہ سمجھتی تھی، ایک سے دوسرا اجنبی۔

اسامہ نے باہر سڑک کی جانب دیکھا۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے چمک رہی تھیں۔

''وہ بہادر دکھائی دیا۔'' انیتا کو نہیں معلوم تھا کہ اور کیا کہے۔ اُس نے حتیٰ کہ وہ سائنز تک نہ پڑھے تھے جو لیث اور مظاہرین اٹھائے ہوئے تھے۔ اس کی تمام تر توجہ اس کے چہرے پر تھی، کیسے وہ اپنے باپ کو اتنی ملامت سے دیکھ رہا تھا۔

کامریڈ صاحب نے غیر حاضر دماغی سے سر ہلایا۔ ''لیث۔'' اُس نے اداسی سے خواب آسا انداز میں دہرایا۔ ''کراچی بھر میں واحد لڑکا جس کا یہ نام ہے۔''

''آپ کو کیسے معلوم ہے؟'' انیتا نے پوچھا۔ اگرچہ اُس نے اِس نام کو کوئی شخص پہلے کبھی کہیں نہیں دیکھا تھا، حتیٰ کہ ٹی وی پر بھی نہیں۔

''اس کا نام میں نے رکھا تھا۔'' اسامہ نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ ''کیا تم نے کبھی ایسا خوب صورت نام سنا ہے؟''

نہیں، انیتا نے کچھ حسد محسوس کرتے ہوئے سر ہلا دیا، کبھی نہیں۔ ''اس کا کیا مطلب ہے؟''

کامریڈ صاحب نے آہ بھری۔ ''شیر۔ عربی میں اس کا مطلب شیر ہے۔''

سنی

وہ اپنے کزن کی جائے قیام پر رات کو رک گیا۔ دونوں اکیلے تھے، کمپیوٹر کے قریب حماۃ سے، تکریت سے، عین العرب سے، کالز آنے کے منتظر۔ اُس نے خود سے نوعمر اُن لڑکوں کے چہرے سکائپ پر روشن ہوتے دیکھے جب انہوں نے امۃ تحریک کے جہاد کی بات کی اور وہ کس قدر خوش قسمت تھے کہ وہ بالآخر اس مقام پر تھے جہاں شریعت کے سخت قوانین کی پیروی کی جا رہی تھی۔

''تم نے دیکھا، Cuz (کزن)۔'' عوز نے سنی سے کہا، ''یہ مجاہد گھر پر نہیں بیٹھتے، فارغ اور اپنی ہنرمندی کی کمی پر شاکی، جبکہ ان کے بچے آرام سے اپنے بنک بیڈز پر سو رہے ہیں اور ہمارے بچے، ہمارے بیٹے اور بیٹیاں، ان کا قتل عام ہو رہا ہے۔'' حقارت سے ان کا منہ بگڑ گیا۔ ''ہم اسلام کی حفاظت کے لیے لڑ رہے ہیں۔'' اسلام کے لیے لڑنا ہمارا فرض ہے، عوز نے سنی کو بتایا، اور تمہارے خیال میں خدا نے ہمیں یہاں کیوں بھیجا ہے؟ تمہاری زندگی اور کس لیے ہے، سوائے خدا کے؟

''شام لیبارٹری ہے، کزن۔ تمہیں نہیں معلوم کہ ہم وہاں کیا تعمیر کر رہے ہیں۔'' عوز کا چہرہ فخر سے چمک اٹھا۔ ''تم Kouachi برادرز کو جانتے ہو؟''

سنی نے سر ہلایا... ان بھائیوں کو ہر کوئی جانتا تھا۔ البرٹ روڈ پر دکان کے مالک جس کی کھڑکیوں پر Je Suis Charlie کے پوسٹرز چپکے ہوئے تھے، اور EDL ٹھگوں نے اُس حملے کے ہفتوں بعد مسجد پر مالوٹوو کاک ٹیل پھینکے تھے۔

''میری ان کے ساتھ تربیت ہوئی ہے۔''

سنی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

عوز سے آہستہ سے فخر سے سر ہلایا۔ اس نے اپنی انگلیاں اپنی ران پر بجائیں۔ ''تم بکواس کرو گے، تم نشانہ بنو گے۔''

وہ فرانس کی رقم اور گنز تھیں، شام میں باغیوں کے لیے اُن کی حمایت، جس نے ان کے بھائیوں کی تربیت کی، عوز نے کہا۔ وہ توانائی کا دائرہ تھا، کرموں کا بدلہ، مکافاتِ عمل۔ تم جو دو گے، وہی پاؤ

گے ۔جو بوؤ گے، وہی کاٹو گے۔تم بکواس کرو گے،تم نشانہ بنو گے ۔نہیں، Je ne suis pas fucking Charlie۔''اوہ نہیں۔''عوز نے اپنی ملکتی آنکھوں کے ساتھ کہا۔''Je Suis، بالکل ہی کچھ اور۔''

عوز نے اسے نعرے لگاتی عراقی فوج کی ویڈیوز دکھائیں ،صدام کے سوا کوئی خدا نہیں ، انہوں نے کہا، روبوٹس کی طرح بار بار۔اُس نے اسے شیعہ ملیشیا کے کلپس دکھائے۔ جنگ شروع ہونے سے قبل دمشق میں منی سکرٹس اور ہائی ہیلز پہنے عورتیں۔وہ لوگ مسلمان نہ تھے۔کافر،مسلمان نہ تھے۔مرد جو شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کاری کرتے، اپنی اسلامی بہنوں کو خراب کرتے ، وہ مسلمان نہ تھے۔ عورتیں جو اپنا جسم ڈھانپتی نہ تھیں، وہ اخلاق باختہ اور ناپاک تھیں، وہ مسلمان نہیں تھیں۔مرد جو خوشی میں غرق ہو جاتے، جو گاتے اور رقص کرتے اور اذان نہیں بلکہ موسیقی سنتے تھے، وہ مسلمان نہ تھے۔مرد جو جنگ پر نہیں مگر مسجد جاتے تھے،وہ بھی مسلمان نہیں تھے۔

''میں یہ سب بکواس کر چکا ہوں کزن۔''سنی نے ایک روز اپنے ڈیپریشن کو واپس آتے محسوس کرتے ہوئے عوز کے سامنے اعتراف کیا۔اس نے گھبراہٹ میں اپنی انگلیاں فارمیکا کی میز پر چلائیں اور اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور اپنی انگلیوں کے جوڑوں سے بجایا۔''میں یہ سب بکواس اور اس سے بڑھ کر کر چکا ہوں۔''سنی نے اپنے فکر سے بوجھل دل کے ساتھ اعتراف کیا۔

لیکن عوز اس کے برابر بوتھ میں آ گیا، کنکھیوں سے دیکھتے کہ کباب شاپ میں اور کوئی نہ تھا، اور اپنے کزن کے گرد بازو پھیلا دیئے۔''لیکن تم وہ سب چھوڑ چکے ہو، ہے نا؟''عوز نے سنی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے ہاتھوں سے موسیقی بجاتے کہا،''تم ان لڑکیوں میں سے کسی سے دوبارہ نہیں ملو گے، ہے نا؟''

وہ بہت قریب تھا،سنی اُس کے Lynx باڈی سپرے کو محسوس کر سکتا تھا۔عوز نے اُسے کیسے معاف کر دیا تھا؟ عوز کی طرف دیکھنے سے خائف سنی نے اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں۔وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے کزن کی معافی کا حق دار نہ تھا۔جانتا تھا کہ اس نے گناہوں اور لغزشوں سے بھری زندگی گزاری تھی۔

''خدا تمہارے لیے ایک منصوبہ رکھتا ہے، ایک مقدر۔''سنی کے کان کے مقابل عوز کی سانس گرم تھی۔''وہ تمہیں دیکھ رہا ہے سنی۔اس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔''

اور اسی طرح سنی نے اپنی ہمت بحال ہوتی محسوس کی، ایک مرتبہ پھر اس نے خود کو آزاد محسوس کیا۔اپنی روح کے تاریک گوشوں میں وہ جو تمام بوجھ اٹھائے ہوئے تھے،اس سے آزاد ہو گیا، وہ سب پتھر جو اس پر لدے اس کو بوجھل کیے ہوئے تھے، ختم ہو چکے تھے،محض عوز اور اس کے الفاظ کی تسلی سے۔ اور اسی طرح جب عوز دُور اور اجنبی سا تھا اور اس کے پاس سنی کے لیے وقت نہ تھا، یا وہ طویل راتیں جو انہوں نے باتیں کرتے اور ویڈیوز دیکھتے گزاری تھیں، وہ واپس یاد آنے لگیں۔

''تم سنّی نہیں ہو۔''عوز نے دو ہفتے بعد سنی کو بتایا،''تم سنّی نہیں ہو کیوں کہ ایک حقیقی ایمان

والا یہاں نہ بیٹھا ہوتا۔ وہ وہاں ہوتا، کافروں اور اخلاقی بربادی کے خلاف اپنے لوگوں کا دفاع کر رہا ہوتا۔تم اپنے بارے میں افسوس کرتے ہوئے بس یہاں بیٹھے رہنا چاہتے ہو۔''

میں ہوں۔سنی نے اصرار کیا، میں مسلمان ہوں۔

''میں نے کہا سنّی۔'' عوز نے جواب دیا،'' وہ جو سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو۔''

میں ہوں۔سنی نے وعدہ کیا۔میں کروں گا۔

''پھر؟'' عوز یکدم مشتعل ہو گیا۔ جب اس کا کزن پہلی مرتبہ آیا تھا سنی نے توجہ نہ دی تھی، مگر جتنا زیادہ وقت انہوں نے البرٹ روڈ پر بند کباب شاپ میں گزارا، اتنا ہی اس نے دیکھا کہ اس کا کزن کس قدر غصیلا تھا۔ لمحے بھر سنی کو خیال ہوتا کہ کیا تھا جو وہ نہیں کر رہا تھا، اگر اُس نے کسی طور عوز کو مایوس کیا تھا، ان کے درمیان ایک مضطرب سا تناؤ تھا، جیسا کہ عوز ہمیشہ کسی شے کا منتظر رہتا تھا۔ جیسا کہ سنی نے ابھی خود کو ویسا شخص ثابت نہ کیا تھا۔ جیسا عوز جانتا تھا کہ وہ بن سکتا تھا۔ اور حقیقت میں، سنی نے بھی ایسا محسوس کیا۔

''کزن، مسلمان مسلمان سے لڑ رہے ہیں۔'' سنی نے اُس حصے کو آواز دینے کی کوشش میں اعتراض اٹھایا جو اُسے شروع سے تنگ کر رہا تھا۔''کیا یہ غلط نہیں؟ یہ کوئی انقلاب کیسے ہو سکتا ہے، اگر ہم ایک دوسرے کی جان لے رہے ہوں؟'' ایمان داری سے، وہ حقیقت میں کسی شیعہ کو بالکل نہیں جانتا تھا۔ اور ایک بار پھر خود کو کسی غلط جانب رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جھوٹوں سے بھری ایک زندگی کو چھوڑ کر ایسی ہی کسی دوسری زندگی میں جانا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن عوز ہنس دیا۔''یہ جہاد ہے، میرے بھائی وہاں اسلام داؤ پر لگا ہوا ہے۔ یہ تمہاری وہ مسجد ہے جو تمہاری برین واشنگ کر رہی ہے۔تم ان کے برابر میں نماز پڑھ کر یہ سوچتے ہو کہ ہم سب ایک جیسے ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے کہ تمام لوگ بھائی ہیں۔ وہ واجب القتل ہیں۔'' عوز نے اپنے کزن سے کہا، ''ہمیں ان کی جان لینے کا حق حاصل ہے۔''

''میں بس پوچھ رہا تھا۔'' سنی نے نرمی سے جواب دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عوز اس کے لیے ترجمہ کرے۔ وہ عربی وغیرہ نہیں جانتا تھا مگر یہ ضرور جانتا تھا کہ'' اعرض عن الجاھلین'' کا مطلب تھا کہ جاہلوں کو نظر انداز کو۔ وہ عوز سے پچھلی گفتگوؤں سے جانتا تھا کہ وہ جن کی موت کے لیے نشاندہی کی گئی تھی، اُن میں کافروں کی بڑھتی ہوئی فہرست تھی: احمدی، شراب نوش، رقاص، بلاگرز، رومانوی ناول نگار، پورنوگرافر، خواتین کے میگزین میں لکھنے والے، بڑے پیمانے پر لکھاری، ملحدین، مرتدین، ویلنٹائن ڈے منانے والے، شامی یا عراقی سپاہی، کُرد، روسی، کارٹونسٹ، مصور، اداکارائیں، عورتیں جو اپنے بال نہیں ڈھانپتی تھیں، عورتیں جو عریاں لباس پہنتی تھیں، عورتیں جو سگریٹ نوش تھیں، شراب نوشی کرنے والی عورتیں، ڈرائیو کرنے والی عورتیں، بے حیا عورتیں، عمومی طور پر عورتیں اور اب شیعہ۔

لیکن اُن مردوں کا کیا جو دوسرے مردوں کے قریب تھے؟ ان سے متعلق کیا؟ سنی پوچھنا چاہتا تھا مگر پوچھنے سے بے حد خوف زدہ تھا۔ کیا اس سے متعلق کچھ غلط تھا؟

اگرچہ حقیقت میں، سنی نے اپنے کزن سے پہلے اس میں سے کچھ بھی سنا نہیں تھا۔ یہ اس کے مطالعے میں کہیں نہ تھا، ان میں سے کسی کی کتاب میں بھی نہیں جو اس نے جامع مسجد میں پڑھی تھیں اور یقیناً محمد علی یا میلکم ایکس کی کسی ویڈیو میں نہیں۔ عوز کے شام لڑنے جانے سے قبل اس نے جتنا بھی اسلام کو جانا تھا، وہ رحم سے متعلق تھا۔ وہ اسلام کو صرف اس کے تحمل اور اس کی پناہ سے جانتا تھا۔ یہ شدت پسندی نہیں بلکہ تسلیم و اطاعت گزاری تھا۔ یہ بیٹوں کے درمیان کوئی امتیاز نہ کرتا تھا، نہ سنی اور شیعہ میں۔ وہ سب ایک تھے... سب مسلمان، سب ایک دوسرے سے منسلک۔ وہ اُس ایک Thread کو کبھی کھونا نہیں چاہتا تھا جو اُسے کبھی مل گیا تھا، جو کہیں رہنمائی کرتا تھا۔

''میرا یقین ہے۔'' سنی اپنے کزن کے بالمقابل کھڑا ہو گیا، جو اُس لمحے اسے کوئی اجنبی دکھائی دیا۔ سنی نے عوز کے لیے جو محسوس کیا، ایک قربت جو اس کے پیٹ کے گڑھے میں تنگ ہوتی تھی جب وہ اس کے بارے میں سوچتا تھا، اس کی گردن کی پشت پر ایک گرم حدت، اس نے اُسے الجھا دیا۔ اس نے سنی میں کچھ دیکھا جسے وہ پہچان نہ پایا، کچھ جو ٹھیک نہیں تھا اور اس نے اُسے بے چین کر دیا۔

سنی، عوز کو پرے ہٹتے محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اس قدر اجنبی ہو چکا تھا، ہمیشہ آزماتا ہوا، ہمیشہ مشتعل و خفا، ہمیشہ چھوڑ دینے کی دھمکی دیتا ہوا۔ عوز، پورٹسماؤتھ میں جتنا لمبا عرصہ مقیم رہا، اتنا ہی چڑچڑا ہوتا گیا۔

''تم مجھے سمجھتے نہیں۔'' عوز نے سنی پر ترخ کر بولنے پر معذرت کے سے انداز میں وضاحت کی... جو وہ اور مزید کرنے لگا تھا۔ ''میں اپنی کوششوں کی وجہ سے مانا نہیں جاتا، وہ جو میں تمہارے لیے کرتا ہوں۔ تم مجھے سمجھے نہیں، یہ ایک بھائی کو مایوس کرتا ہے، تم جانتے ہو؟''

میں جانتا ہوں، سنی نے وعدہ کیا، اس خیال پر رد دینے کو کہ اس نے عوز کو تکلیف پہنچائی تھی۔ میں تمہیں بالکل سمجھتا ہوں۔ عوز نے سنی کی دنیا میں کچھ بدل دیا تھا، اس نے وہاں امید کو راہ دی تھی جہاں پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ ''میں آگے کیا کروں؟'' اس نے عوز سے پوچھا، ''میں تیار ہوں۔ مجھے اگلا قدم بتاؤ۔''

''اوہ، کزن، یہ تو بے حد خوب صورت ہے۔'' عوز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس نے سنی کو گلے لگایا اور اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ ''تم ایسی چیزیں محسوس کرو گے جو تم نے پہلے کبھی نہ کی ہوں گی۔''

سنی نے بات نہیں کی۔ اس نے خود کو عوز، اس کی خوشی، اُس کی قبولیت میں سانس لینے دیا۔

''تم اب ایک مختلف شخص ہو گے۔'' عوز نے اب بھی اپنے سے کم عمر کزن کو تھامے ہوئے کہا، ''وہاں بہت خوب صورت ہے۔ واللہ تم دیکھو گے۔''

وہ بہار کا موسم تھا۔ سنی بریٹینکا روڈ پر چھوٹے سے پارک کے کناروں پر دوڑتا رہا، اس کے

پیر زمین پر بج رہے تھے۔ جنگلی پھولوں کی نم خوشبو سے لدی ہوئی اپریل کی تازگی بخش ہوا میں سانس بھرتے ہوئے وہ اس سے زیادہ دوڑا جتنا وہ برسوں میں دوڑا تھا۔ چند ایک بچے ارد گرد فٹ بال کو ٹھوکریں لگا رہے تھے۔ ''ارے!'' سنی نے پکار کر کہا، ''ادھر پاس دو۔'' سب سے کم عمر بچے نے فٹ بال سنی کی جانب پھینکی، جس نے بال کو اپنے سینہ پر لیا اور ہوا میں روک لیا۔ اتنی نازک کوریوگرافی سے کہ یہ فطری ہی ہوسکتی تھی۔ اس نے گیند کو اپنے جسم کے مقابل متوازن کیا، کندھے سے ٹخنے تک، گھٹنے سے ہوا تک، تقریباً ایسے جیسے وہ رقص کر رہا ہو۔ جب سنی نے شبنم سے ڈھکی تازہ گھاس کے ساتھ حرکت کرتے ہوئے بہار کی صبح کی ہلکی ہوا میں فٹ بال کو اپنے جسم کے ساتھ اِدھر اُدھر حرکت دی، لڑکے اُس کو مرعوب ہو کر دیکھتے رہے۔

مونٹی

مونٹی کے فون پر بیپ ہوئی۔اس نے اسے اسے اپنی ماں سے چھپاتے ہوئے محتاط انداز میں اپنی ہتھیلی سے ڈھانپ دیا۔ پچھلے گھنٹے بھر سے رامی نیر کا شوآن ایئر تھا، جب مدرسے کے بچوں کی ٹولی کے ساتھ عالم نے بے سُری آواز میں گایا۔

جب سے زہرہ احمد اسلام پر عمل کرنے لگی تھی، اپنے سرکو ڈھانپنے اور پنجگانہ نماز ادا کرنے لگی تھی، وہ ایک مختلف عورت بن گئی تھی۔ زہرہ کو اپنے شوہر اکبر کے برعکس قومی تعمیر سے کچھ لینا دینا نہیں تھا لیکن وہ اسلام آباد کے سول سرونٹس کے ایک اچھے خاندان سے تھی، پرانی جن اور ٹانک پینے والے، ٹھسے دار آئی سی ایس۔ اور وہ اپنی زندگی بھر خوش نصیب رہی تھی... اچھی شادی، اچھا بیٹا، اچھا گھر، اچھا نصیب۔لیکن اس کے علاوہ کچھ ہونا تھا، اس نے استدلال دیا، اور یوں اسے یہ یقین دہانی حاصل کرنے کو اپنے خدا کا شکر ادا کرنا تھا کہ خیر کبھی راہ نہ بدل لے۔

اُس کی ایک تازہ طلاق شدہ دوست نے اُسے رامی نیر سے متعارف کروایا، یہ منحنی سا، یوسف اسلام والی ڈاڑھی والا، ارغوانی سوٹ پہنے، پتلے فریم کی عینک لگائے اور ٹی وی پر مذہبی تبلیغ کرنے والا شخص۔ رامی نیر واضح لکنت کے ساتھ بولتا مگر اسلامی عقائد پر سٹوڈیو ناظرین کو لیکچر دیتے ہوئے قطعی بے عیب دکھائی دیتا تھا۔ اطراف سے اس کے بال نفاست سے شیو ہوتے۔ اس کے بالوں کی لمبی سی جھالر جیل سے چمک رہی ہوتی، اس کے تیکھے چہرے پر اُس کا کیمرا میک اَپ گہرا ہوتا، اس کی ڈاڑھی والے رخساروں پر بلش کے گول دائرے دکھائی دیتے۔ نیر کے چار گھنٹے کے لیکچرز کے دورانیے میں، وہ مذہبی نعتیں پڑھتا، حدیثیں سناتا اور حاضرین کی پستی یا گراوٹ کا علاج کرتا۔

اپنی تبلیغی سرگرمی میں مدد کے لیے عطیات کی خاطر، نیر وقتاً فوقتاً امیر حامیوں سے ملاقات کرتا، ان کے لیے ذاتی دعاؤں اور ان کے مسائل میں مشاورت کی پیشکش کرتا۔ زہرہ احمد اس سے صرف ایک مرتبہ ملی تھی... بیگم صاحبہ، نیر نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ میں نے آپ کو اپنے خوابوں میں دیکھا ہے۔ آپ ایک عظیم خاتون ہیں۔ اب وقت ہے کہ آپ عظیم کام کریں۔ اُس نے مسز احمد کو اپنی نیل

پالش اتارنے کی نصیحت کی کیوں کہ اس میں الکوحل شامل ہوتی تھی اور پوچھا کہ آیا اس نے گھر پر کوئی فلپینو سٹاف رکھا تھا۔ اپنے خاوندوں اور بیٹوں کے اتنے قریب نوجوان عیسائی عورتوں کو رکھنا غلط تھا۔ وہ معصوم مردوں کے دلوں کو بے چین کرتی تھیں۔

دوسری جانب، دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا کے ملازمین ٹھیک ہیں۔ نیر نے صاد کرتے ہوئے بات ختم کی۔

وہمی اور اُس نفع کو کھونے سے خائف جو خدا نے احمد خاندان کو باقی تمام ہمعصروں پر بخش رکھا تھا، زہرہ اب اپنی پرانی زندگی کے آرام و تسکین میں مشغول نہ ہوتی تھی۔ وہ اب عام سلیپر پہنتی، Selfridges کی سمر سیل سے لیے سیاہ اور خاکستری Chanels نہیں۔ اُس نے اپنے کانوں اور گردن سے تمام جیولری جڑی بوٹیوں کی طرح کھینچ کر اتار دی اور انہیں سیف ڈیپازٹ باکس کے حوالے کر دیا۔

اب مونٹی کی ماں اپنی چھٹیاں کراچی میں گزارتی، باورچیوں کو قرآن پاک پڑھاتی۔ اُس نے اپنے ڈیزائنر سکارف کا بقیہ حصہ گھر پر بال ڈھانپنے کے لیے استعمال کیا، ایک مشق جو اس نے اپنے تمام مرد ملازمین کو نوکری سے فارغ کرنے کے بعد عرصہ تک جاری رکھی۔

زہرہ ہر شام اپنی گود میں ایک نوٹ بک لیے، نیر کی تمام آراء کو لکھتے اور خاموشی سے اُس کے غلط تلفظ سے ادا شدہ دعاؤں کو درست کرتے ہوئے، فیملی پلازما ٹی وی کے سامنے وقت گزارتی۔ مونٹی نشست گاہ میں ہاتھ میں فون لیے اپنی ماں کے برابر میں صوفے پر بیٹھا ہوتا اور اس کی ٹانگیں اپنے سامنے میز پر پھیلی ہوتی تھیں۔

مونٹی۔

ہاں، لیلیٰ؟ اُس نے اپنی محبوبہ کے نام کے آگے ایک سرخ دل کا اضافہ کیا اور اُس کے جواب ٹائپ کرنے کے دوران سکرین کو تکتا رہا۔ اس نے اُسے اپنا پرانا آئی فون دے دیا تھا، اس یقین دہانی کے بعد کہ اُس نے ان امیچور پورن سائٹس کو صاف کر دیا تھا جو وہ کبھی کبھار سرف کیا کرتا تھا تا کہ لیلیٰ اپنے گلشن والے گھر میں ہو تو اُسے ای میل کر سکے، گلشن جو کلفٹن سے لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ لیلیٰ نے بتایا کہ صرف اس کے بھائی کے پاس کمپیوٹر تھا اور وہ ہمیشہ اس پر کام کر رہا ہوتا تھا، بظاہر نیٹ ورکنگ۔

مجھے لے لو۔ وہ کبھی Emojis استعمال نہ کرتی تھی۔

ابھی؟

نہیں، اگلے مہینے، ڈفر۔

خواب آور سی بے خودی میں جھومتے ہوئے زہرہ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پاپا لونگ روم کے دروازے پر کھڑے اپنی بیوی کو دیکھ رہے تھے، ان کے ہاتھ میں ایک کرسٹل گلاس تھا۔ ''یہ hocus-pocus کتنی دیر چلے گا؟'' انہوں نے اپنی وسکی کی چسکی لی۔ ''ہم میں سے کچھ اصلی خبریں دیکھنا

چاہتے ہیں۔''

مذہبی عالم لگتا تھا کہ کبھی سانس بھی نہ لیتا تھا۔ وہ بچوں کی دھیمی آواز پر غالب آتے ہوئے بغیر رکے گیا تھا۔ مونٹی نے اپنے والدین کو دیکھا، اسے یاد نہیں تھا کہ آخری مرتبہ وہ کب ٹی وی کے سامنے اکٹھے بیٹھے تھے۔ حتیٰ کہ پاپا کے ممنوعہ مشروب اور ممی کے انہیں نظر انداز کرنے کے ساتھ بھی، یہ ایک ساتھ ہونا اچھا تھا۔

مونٹی ہچکچایا، وہ لیلیٰ کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ اُسے blast wall کے سامنے سے لے لے گا۔ خاکستری پلاکس کی ایک قطار جو اُن کے سکول کے احاطے کے آگے پردہ کیے ہوئی تھی۔ پندرہ منٹ میں۔ لیکن وہ ابھی جانا نہیں چاہتا تھا، ابھی نہیں کہ جب پاپا میز پر سے اپنے بیٹے کے پیر ایک دھپ سے ہٹا کر اور اس کے سامنے اپنا Laphroaig کا گلاس رکھ کر، صوفے پر اس کے برابر میں بیٹھے تھے۔

زہرہ نے اپنی ایک آنکھ کھولی، ذرا سی تانک جھانک، یہ دیکھنے کو کافی کہ اکبر کو کوسٹر کا استعمال کرنے کے آداب نہ تھے۔

''ناظرین!'' اپنی پتلی فریم کی عینک کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے نیر نے نگاہ ڈالی۔ ''کل میرے تازہ ترین پروگرام میں میرے ساتھ شریک ہوں۔''

پاپا کی جانب سے ایک بلند غراہٹ۔ ''اس فراڈ کے کتنے شوز ہیں؟''

''... جہاں آپ نوعمر لڑکیوں کو قرآن کی تعلیم سے متعلق میری نئی فاؤنڈیشن کا دورہ کریں گے۔'' سکرین کے نچلے حصے پر ایک فون نمبر نمودار ہوا، جس دوران نیر نے اپنی عینک درست کی اور اپنے سامعین کے تمام خیرخواہ اراکین کو نصیحت کرتے ہوئے کہ وہ فوری طور پر چندہ دیں، گا کر نمبرز بتائے۔

ایک گھنٹہ؟ مونٹی نے ٹائپ کیا۔

نہیں۔ اُس کا جواب فوراً آیا۔ ابھی۔

مونٹی مسکرا دیا، وہ ضرور بیٹھی اس کے جواب کی منتظر ہوگی۔

''تم کس کو ٹیکسٹ کر رہے ہو؟ سارا دن ٹک ٹک ٹک۔'' پاپا میز پر آگے جھکے اور اس سے قبل کہ زہرہ فون نمبرز لکھتی اور اپنا کریڈٹ کارڈ نکالتی، ریموٹ اٹھالیا اور چینل بدل کر بی بی سی لگا لیا۔

سکرین پر جنرل پرویز مشرف کی ساکت تصویر نمودار ہوئی۔ سابق پاکستانی صدر کی گرفتاری کے وارنٹ جاری۔ بریکنگ نیوز کے سرخ ٹکر پر درج تھا۔ پاپا نے غصے سے اپنے ہاتھ اپنی ران پر مارے۔

''شرم کا مقام ہے۔'' پاپا نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا، ''بہت شرم کا مقام ہے کہ ہم نے اس بہادر Chap کا ساتھ نہ دیا۔'' اکبر احمد کی تیوری چڑھ گئی۔ ان کی یخ Laphroaig میں برف کیوبز آپس میں بج رہی تھیں۔ جنرل پرویز مشرف، خاندان کے پرانے دوست تھے، ایک ساتھ Single-Malt صاحب

ذوق اور انڈیا سے مہاجر۔ پاپا نے والیم مزید تیز کر دیا۔

مونٹی کے فون نے نگلنے کی سی ایک آواز خارج کی۔آئی میسج پر ویڈیو اَپ لوڈ ہونے کی آواز۔ اس نے انگوٹھے سے آواز بند کی اور کلپ پر انگلی رکھی۔اور وہاں تھی لیلیٰ، اپنی پشت کے بَل دراز، اپنا نیا آئی فون تھامے اور ایک قمیض پہنے ہوئے جو اتنی اٹھی ہوئی تھی کہ اس کے پیٹ کا حصہ دکھائی دے رہا تھا، اُس کا نام پکارتی اور ہوا میں بوسہ اچھالتی ہوئی لیلیٰ۔

آئرش بی بی سی اینکر کے الفاظ نے لونگ روم کے خالی پن کو بھر دیا، جب لیلیٰ کی ویڈیو مونٹی کے ہاتھوں میں تھرتھرائی۔

مونٹی، بوسہ۔

بوسہ، مونٹی۔

وہ بوم رینج ویڈیو تھی اور مونٹی نے اسے فون کو اپنی گود میں رکھے بار بار آواز کے بغیر پلے کیا۔

''Bloody Nonsense''۔ پاپا نے اپنا گلاس زور سے میز پر رکھا۔''کوئی ٹھیک ٹھاک بہادر شخص ہی تاریکی اور گمنامی سے نکلتے ان پاگلوں کے خلاف جنگ کا آغاز کر سکتا تھا۔'' انہوں نے زہرہ کو کنکھیوں سے دیکھا جس کی آنکھیں ان نعتوں کو پڑھتے ہوئے اب بھی بند تھیں، جو نیر شام بھر پڑھتا رہا تھا۔

زہرہ نے اپنے شوہر کو جواب نہ دیا۔اس نے اپنی آنکھیں بند رکھیں جس دوران اس کے ہونٹ دھیرے سے دعا کی یاد میں حرکت میں رہے۔

مونٹی کو بالکل سمجھ نہ آئی کہ انکل پی نے کیسے جنگ کا آغاز کیا تھا اور کیسے ان کی زیادہ حمایت کرنی چاہیے تھی، حقیقت میں اس سے فرق بھی نہ پڑا۔احمد خاندان کے پاس، کنسگٹن اور نائٹس برج میں فلیٹس والے اپنے ہم مرتبہ امیروں کی طرح جو حقیقت میں یہ یقین رکھتے تھے کہ فیشن شوز طالبان کے خلاف مزاحمت کا ایک طریقہ تھے، پاکستان سے متعلق افسوس کرنے کو کم ہی کچھ تھا۔ ملک ان پر مہربان رہا تھا۔ تقسیم کے بعد سے انہوں نے کم ہی اس کے لیے کوئی مدد کی تھی یا آنسو یا پسینہ اپنے ملک کے لیے بہایا تھا۔ 1965ء آیا اور چلا گیا۔ 1971ء اور 1999ء کی شرمندگیاں بھی۔جب کارگل کا واقعہ ہوا تو مونٹی بچہ تھا، اتنا نوعمر کہ گلیشیر اور بنجر کشمیری چوٹیوں کے کلومیٹروں پر لڑی گئی جنگ پر جذباتی نہ ہو سکتا تھا۔

تن تک نہیں، جب لیلیٰ... بہادر اور خوب صورت لیلیٰ نے مونٹی سے اس کی زندگی کے متعلق سوالات کرنے کی پرواہ کی۔لیلیٰ سے پہلے مونٹی دنیا میں بے مقصد ہی تیرتا رہا، صرف لیلیٰ کے بعد ہی وہ دنیا میں بسنا شروع ہوا تھا۔

آرہا ہوں۔مونٹی نے ٹیکسٹ کیا۔

گڈ بوائے۔لیلیٰ نے جواب دیا۔

انیتا روز

ایذرا شاذ ہی بتاتا تھا کہ وہ کام کے لیے کہاں جاتا تھا۔ اس نے نئی نوکری کر لی تھی اور اگر چہ وہ ہمیشہ اخفا پسند رہا تھا... تم نہیں سمجھو گی، وہ انیتا سے کہتا۔ شہر کے اس حصے کو آپ نہیں جانتیں، وہ اپنی ماں سے کہتا... اس نے اپنے خاندان کو یقین دلایا کہ حالات اب مختلف تھے۔ وہ اِدھر اُدھر کام تلاش کرتے ہوئے، پارٹ ٹائم شفٹوں اور چھوٹے موٹے کام کرتے ہوئے سارے کراچی بھر میں مارا مارا پھر کر تنگ آ چکا تھا۔ ایذرا نے اپنی ماں اور بہن سے وعدہ کیا کہ تنگی کے وہ برس کہیں پیچھے رہ گئے تھے۔

وہ اب بڑے آدمیوں کے لیے کام کر رہا تھا۔ اہم آدمی۔ انگریزی بولنے والے، غیر ملکی بزنس مین، طاقت ور لوگ۔ وہ شان دار تھے، اُس نے زنوبیا کو بتایا، ان کی ایسی کلاس تھی جو بھی وہ چاہتے تھے، انہیں مل جاتا۔ وہ کراچی کے پہیوں کو اِس یا اُس رخ پر گھومنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اپنے پیسے کے بَل پر وہ شہر کو جام کر سکتے تھے۔ اور وہ اُن سے سیکھ رہا تھا، ہاں، اس نے اپنی ماں کو بتایا، وہ سیکھ رہا تھا۔ جلد ہی وہ بھی ڈان بن جاتا۔

ایذرا پہلے سے زیادہ پیسہ گھر لانے لگا اور اس نے انیتا کو اعتماد میں لے کر بتایا کہ وہ سال بھر میں یا شاید دو سال میں ایک اصلی گھر، ایک بنگلے میں انہیں لے جائے گا۔ تین کمروں والا جس کی کھڑکیاں منحوس چھت کے اس قدر قریب نہ ہوں گی تا کہ آپ دھوپ کو اپنے چہروں پر محسوس کر سکیں، شاید ایک چھوٹے سے باغ کے ساتھ بھی۔ وہ اب چند ایک جگہیں دیکھ رہا تھا، ملیر میں مالکانِ مکان سے بات کر رہا تھا۔ شاید اس کے بعد وہ ترقی کر کے اَپ گریڈ ہو کر ناظم آباد چلے جائیں۔

اَپ گریڈ، ایذرا کا انگریزی کا پسندیدہ لفظ تھا۔

اُن کے چھوٹے سے گھر کو وہ پہلے ہی اَپ گریڈ کر چکا تھا، مگر ابھی مزید کرایہ دارانہ اَپ گریڈیشن ہوتی۔ اَپ گریڈ شدہ تعلیم، اُن کی ماں اپنے کلائنٹس اَپ گریڈ کر سکتی تھی، وہ اپنی بائیسکل کو سکوٹر میں دوبارہ سے اَپ گریڈ کرتا اور پھر جناب، گاڑی میں۔

ایک رات جب انیتا روز سونے کے لیے لیٹنے والی تھی، اُس کی ماں پہلے ہی دھیرے سے

خراٹے لے رہی تھی۔ اُس کے سانولے ہاتھ گول رخساروں تلے دھرے تھے۔ ایذرا گھر آیا، وقت سے پہلے، وہ آدھی رات سے پہلے کا وقت تھا۔ جس قدر ہولے سے ہو سکتا تھا، اُس نے دروازہ کھولا اور جب اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا تو مسکرا دیا، جو اَب اُس جتنی لمبی تھی، سیدھی بیٹھی ہوئی، بیدار۔

شش، ایذرا نے انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھی۔ وہ اپنے ہاتھوں اور کہنی کے درمیان میں ایک براؤن ڈبہ اٹھائے ہوئے تھا، کسی ڈسک کی طرح، اُن کے چھوٹے سے گھر میں آٹے کی گرم مہک تیر گئی۔

ایذرا نے ٹھنڈے فرش پر جھک کر بیٹھنے سے پہلے اپنے آگے سے نوک دار اور چھوٹی سی ایڑی والے جوتے اتارے۔ وہ کالی جرابیں پہنے ہوئے تھا اور وہ اُس کی بالکل نئی Distressed جینز کے مقابلے میں پتلی اور پرانی لگ رہی تھیں۔ ایذرا نے ڈبہ کھولا اور پتلی ترین روٹی اور پنیر کی مثلث اٹھائی اور وہ چکنا سلائس انیتا کی ہتھیلی میں دے دیا۔ ''یہ پیزا ہے۔'' اس نے کسی شہر کے نام کی طرح لفظ کو دھیرے سے ادا کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

بڑے سے ڈبے میں صرف تین سلائس تھے۔ وہ سب تربتر سے سرخ وہیل کے گرد جمع تھے۔

''مجھے معلوم ہے پیزا کیا ہوتا ہے۔'' انیتا نے ریشہ دار پیزا کا لقمہ لیتے ہوئے جواب میں سرگوشی کی۔ اگرچہ وہ کسی بھی ایسے پیزا جیسا ذائقہ نہیں رکھتا تھا جو اس نے پہلے کبھی دیکھا تھا۔ اس کی چھوٹی سبز پتیاں تھیں، خوشبودار پتے، جو آٹے میں گندھے ہوئے تھے اور ایک پھیکی سفید پنیر جو گرم دودھ جیسا ذائقہ رکھتی تھی۔

''یہ بہترین قسم کا ہے، اصلی پیزا۔'' ایذرا اپنی بہن کے قریب جھک آیا۔ اس کی ٹھوڑی پر تیل کی چکناہٹ تھی جس پر چاندنی پڑی جو چھت کے قریب اونچی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔ ''کلفٹن سے، Xanders نامی جگہ سے۔'' کھانے سے بھرے اپنے منہ کے ساتھ اُس نے اپنے ہاتھ جینز کی جیب میں ڈالا اور اپنا فون نکال لیا۔

اس نے حال ہی میں سام سانگ، کوریا کا ایک سٹائلش طرح کا فون لیا تھا، اس نے بتایا، ایک ملک جو انیتا کو نقشے پر ڈھونڈنا پڑا تھا۔ اس کی بہترین خصوصیت، سب سے اوریجنل، اس کا شارپ کلر کیمرا تھا۔ محتاط کہ وہ سکرین کو گندا نہ کر دے، جو ابھی تک باریک شفاف پلاسٹک سٹکر سے محفوظ تھی، ایذرا نے فوٹو البم کھولی اور فون انیتا کی طرف کر دیا تا کہ وہ Cloistered باغ میں لٹکی فیری لائٹس دیکھ لے، بغیر آستین کی ٹاپس پہنے اور سرخ لپ سٹکس والی عورتوں سے بھری میزیں۔ ڈھیلی کھلی شارٹس پہنے مرد اور دوسرے گھنی مونچھیں والے سگار پیتے مرد بھی تھے۔

''ہر کوئی انگلش میں بات کرتا ہے، حتیٰ کہ ویٹرز بھی۔ ساری رات میوزک بجتا ہے۔ وہ پیزا وہیں بناتے ہیں۔ باغ میں، دیوار میں، اینٹوں کے اودن میں۔''

انیتا نے اپنی قمیص سے ہاتھ صاف کیا اور تصویروں پر کلک کیا۔ باغ کتنا بڑا تھا؟ اُس نے

ساری گلیمرس عورتوں کو گننے کی کوشش کی۔ ایک تصویر میں کئی لڑکیوں والی ایک میز تھی، اُس کی ہم عمر، سب اکیلی، اُن کے بڑے بڑے پرس میز کے اوپر رکھے تھے، کھانے کی بجائے پرس۔ اس نے چھے تک گنتی کی تھی جب فون اس کے ہاتھوں میں مرتعش ہونے لگا۔

انیتا نے اپنے بھائی کو دیکھا، جو اَب دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھا، بظاہر شور سے بے پرواہ جو اُن کی سوئی ہوئی ماں کو جگا سکتا تھا۔

''بھائی۔'' اُس نے فون ایذرا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جواب دو۔ تم اٹھالو۔'' ایذرا مسکرایا۔

انیتا روز نے سبز بٹن پر کلک کیا اور پیچھے مڑ کر دیکھتے کہ زنوبیا بلی تو نہیں تھی، فون اپنے کان تک لے آئی۔ ''ہیلو؟'' ''ہیلو، فیروز؟'' فون پر آواز چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ہیلووو، فیرووز؟

انیتا کی تیوری چڑھ گئی۔ ''نہیں۔'' اس نے ہوشیاری سے انگریزی میں جواب دیا۔ ''یہاں کوئی فیروز نہیں ہے۔''

ایذرا اُسے توجہ سے دیکھ رہا تھا، اُس کے تھکے ہوئے چہرے پر ایک مسکراہٹ تیر گئی۔

''اوہ اچھا... خیر پلیز فیرز کو بتا دینا کہ حمید کا فون تھا، جب وہ... فارغ ہو جائے...''

اوہ، آئی سی، ویل، پلیز ٹیل فے روز حامید کالڈ وین ہی از آہ، فری، آہ گین.... جس عجیب انداز میں اس آدمی نے بات کی، اُس کی آواز میں کچھ غلاظت سی تھی۔

انیتا نے فون نیچے کیا۔ وہ ابھی تک کلفٹن پیزا کا سلائس اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی۔

''فیروز؟'' اُس نے کہا۔

ایذرا نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

انیتا نے کورین سام سنگ فون کی سکرین کو دیکھا۔ کال کرنے والی آئی ڈی اس نام سے محفوظ تھی CEO Hameed Ringola VIP۔ ''او کے سر، شکریہ۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں جھجکتے ہوئے جواب دیا مگر لائن پہلے ہی کٹ چکی تھی۔

ایذرا کھڑا ہوا اور الماری تک گیا۔ انیتا کی طرف پشت کیے ہوئے اس نے اپنی گھڑی اتاری اور دراز میں رکھ دی، اپنی قمیص کے بٹن کھولے اور اسے تار پر لٹکا دیا۔ انیتا نے اپنے بھائی کی پشت دیکھی، اس کی سفید بنیان اندھیرے میں تقریباً چمک رہی تھی۔

''اس نے تمہیں فیروز کیوں کہا؟'' اس نے اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان سوتی ہوئی تھکی ہوئی عورت کی پرواہ کیے بغیر بلند آواز میں کہا۔

ایذرا نے اپنی جرابیں اتاریں اور لمحے بھر کو خاموش کھڑا رہا۔ ''یہ واحد طریقہ ہے۔'' اس نے بالآخر جواب دیا، اس کی پشت اب بھی اپنی بہن کی طرف تھی۔ انیتا کو خیال ہوا کہ اس نے اُس کے

شانے جھکتے ہوئے دیکھے تھے۔ ''ہمارے لوگ شہر میں اس طرح چل سکتے ہیں۔''

''لیکن کیا وہ جانتے ہیں کہ تم کہاں رہتے ہو؟ ماما کیا کرتی ہیں؟ ہم کتنے غریب ہیں؟''

ایذرا نے اپنی بیلٹ کھولی۔ G پیتل کے بکل پر لکھا تھا۔ G سے غنڈا، جب وہ اپنی Distressed جینز کے ساتھ اسے خرید کر گھر لایا تھا، وہ ہنسا تھا۔ اس نے چمڑے کو اپنے ہاتھ میں خاموشی سے یوں لپیٹا جیسے رسی لپیٹ رہا ہو۔

''یہ تمہارا نام نہیں ہے۔'' انیتا نے فون اپنی گود میں رکھا۔

زنوبیا نے ناراضی سے آہ بھری اور فرش پر پہلو بدلا۔

ایذرا نے کندھا اچکائے اور آہستہ سے رخ موڑ کر اندھیرے میں اپنی بہن کو دیکھا۔

''میرے نام نے میرے لیے کبھی کیا ہی کیا ہے۔''

سنی

اس کے جانے سے پہلے سنی اور عوز آکسفورڈ سٹریٹ میں کندھے سے کندھا ملائے ساتھ کھڑے تھے۔ یہ سنی کا لندن کا پہلا ٹرپ تھا، اُس نے ہمیشہ سوچا تھا کہ وہ پہلے کبھی کیوں نہ گیا تھا، وہاں پہنچنے میں اس اتنی دیر کیوں لگی۔ سنی نے گزشتہ رات اپنے بہترین کپڑے نکالے تھے، Yeezus کی سیاہ شرٹ جس پر بے کیف سنہری رنگ میں تحریر تھی... وہ اس نے انٹرنیٹ سے خریدی تھی، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ Concert merch نہ تھی۔ تنگ سیاہ جینز جو گھٹنوں سے پھٹی ہوئی تھی، بے داغ سفید سنیکرز۔ اس نے نائلون بومبر جیکٹ پہنی اور باتھ روم کے دروازے پر قدآدم آئینہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ حال ہی میں اس کا جسم بھر گیا تھا جب سے اس نے اپنے پہلے سے ورزش کے محنت طلب معمول کو اور بڑھاتے ہوئے ٹریننگ شروع کی تھی۔ لیکن جیکٹ اور اس کے پتلے پیراشوٹ میٹریل کے ساتھ آپ بتا نہیں سکتے تھے کہ Yeezus سویٹ شرٹ اس کے چوڑے ہوتے شانوں پر تنگ سی تھی۔

سنی جیکٹ کے بازوؤں کو ذرا درست کرنے کو استری کرنے کے لیے جلدی جلدی اٹھ گیا تھا۔ اس دوران عوز نے ٹوتھ پیسٹ کے داغ والی شرٹ پہن لی جس کا سفید ربن اس کے سینہ پر آرہا تھا۔ سنی نے داغ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا، ''برو، تم یہی پہنو گے؟''

اور عوز جس کا ایک ہاتھ اپنی پرانی سکوڈا کے سٹیرنگ وہیل پر تھا اور دوسرا اپنے منہ میں ساسیج رول ٹھونس رہا تھا، ہنس دیا۔ ''یہ خاص طور پر پہنی ہے، کزن۔''

لیکن حتیٰ کہ یہ بات بھی سنی کے بڑے شہر کے پہلے سفر کو برباد نہ کر پائی۔ یہاں پورٹسماؤتھ کمرشل روڈ کا وعدہ حقیقی دکھائی دیا... بینچوں پر سوتے بے گھروں اور پھٹی ہوئی ڈینم ہاٹ پینٹس پہنے لڑکیوں کے نقلی تاثر کے ساتھ جو اُن کے بدن کو بمشکل ڈھانپے ہوتی تھیں۔ سنی نے وہ گاڑیاں دیکھیں جن کے بارے میں اُس نے فرینک اوشن کے گانوں میں صرف سنا تھا، بی ایم ڈبلیوز، Bugattis، اُس نے ایک سفید Ferrari دیکھی۔

آکسفورڈ سٹریٹ پر ٹہلتی لڑکیوں نے وہ لباس پہن رکھے تھے جو اس نے پورٹسماؤتھ میں

صرف پوسٹرز میں دیکھے تھے۔ ان کے بال موی مجسموں کی طرح سیدھے اور چمک دار تھے اور ان کے کپڑے بہترین سٹائل کے تھے، بالکل فرنچ کنکشن کے لائف سائز پوسٹرز جیسے جو بس سٹینڈ اور سرخ ڈبل ڈیکرز پر لگے ہوئے تھے۔ اُن کی سکرٹس کولہوں سے اوپر نہ تھیں اور اُن کے بلاؤز ان کی حرکت کے ساتھ ہلتے نہ تھے۔

سنی نے خریداری کرنے والوں کی سخت پریڈ دیکھی۔ چھوٹے قد کی جاپانی لڑکیاں جو اپنے لمبے سیاہ کوٹ اور بھاری پپوٹوں والی آنکھوں کے ساتھ، ایک دوسری کو تھامے، ناقابل قیاس زبان میں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتیں اُسے اُن پہاڑی کووں کی یاد دلاتیں جو سایہ دار درختوں کی شاخوں پر پھدکتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے پلیٹ فارم بوٹس بھی فٹ پاتھ سے بے آواز ٹکراتے تھے۔ اُسے لمبے کہردار بالوں والی زیتونی رنگت کی ایک حسینہ دکھائی دی، جس کے بالوں کے سرے Fairy واشنگ اَپ لیکوڈ کے رنگ میں سبز رنگے ہوئے تھے۔ اُس کے سر کا چوتھائی حصہ مونڈا ہوا تھا۔ وہ ڈیزائنر ہینڈ بیگ تھامے ہوئے تھی اور اس نے جان لینن سن گلاسز پہن رکھی تھیں۔ اُسے پرانے سنیکرز میں کنگسٹن پارک میں گھومتا، پرندوں پر چلّاتا ہوا، ہوا میں مکے لہراتا ہوا، ایک عجیب سا شخص بھی دکھائی نہ دیا۔

سنی نے شوفروں والی گاڑیوں سے عرب سسٹرز کو نکلتے دیکھا، ان کے ہونٹ اور آنکھیں گلابی اور نیلے اتنے تیز رنگوں میں رنگے ہوئے تھے، اس قدر کہ یہ Graffatti ہو سکتی تھی۔ اگر انہوں نے خود کو ڈھانپ بھی رکھا ہوتا تھا تو وہ اپنے ملک کی طرح ڈھیلے Shapless کپڑے نہ ہوتے تھے، یہاں لندن میں وہ ریشمی سربند اور اپنے چمک دار ریشمی بالوں کے گرد کشمیری بینڈ پہنے ہوتیں۔ اُسے خیال ہوا کہ اس نے چینل 4 کی پاکستانی Weather Girl کو دیکھا تھا۔

وہ Pleated لیدر سکرٹ اور سانپ کی کھال کے جوتے پہنے ہوئی تھی جو اس کے ٹخنوں تک آتے تھے۔ جب وہ چلتے ہوئے قریب آئی، وہ اس کی آنکھوں کے نیچے تھیلیاں دیکھ سکتا جو میک اَپ سے کیموفلاج نہ ہو سکتی تھی۔ اُسے حیرت ہوئی کہ آیا وہ روتی رہی تھی۔ لیکن جب وہ عوز اور اُس کے قریب سے کان کو فون لگائے گزری تو سنی نے اُسے دبی دبی ہنسی ہنستے سنا۔ کیا وہ اس پر ہنس رہی تھی؟

اُن تمام اعلیٰ عالی مقامی مخلوقات میں جو بلا کوشش گھوم رہی تھیں، کسی قسم کا کوئی اضطراب نہ تھا۔ فضا دولت سے بوجھل تھی، اُن تمام تر نا تمام امکانات اور بلا روک ٹوک سہولت سے جو دولت خرید سکتی تھی۔

لیکن عوز یوں دکھائی نہ دیتا تھا کہ اُس نے سمور کے استر والی Capes پہنے عورتوں اور مردوں... جو پورٹسماؤتھ میں خصوصی طور پر جنازے والا سیاہ رنگ پہنتے تھے... پر توجہ نہ دی تھی... یہاں جو ڈیزائن والے گلابی اور ارغوانی بزنس سوٹ پہنے ہوئے تھے، اور سفید دانت جو اوّلین سہ پہر کی روشنی میں ہیروں کی طرح چمک رہے تھے۔ عوز نے اپنا فون اپنے ہاتھ میں ہی رکھا اور اپنا ٹوئٹر وہمی طور پر چیک کرتا

رہا۔ ''اگر میں سانس نہیں لے سکتا تو تم بھی نہیں۔'' @Ozmatic #Londonwillfall نے ٹویٹ کی۔ گھنٹے بھر سے وہ دارالحکومت پہنچے تھے۔ اسے اب تک صرف ایک لائک ہی ملا تھا۔

عوز نے سڑک کو تحقیر آمیز انداز میں دیکھا، اس کی جیکٹ کا نقلی لیدر کالر کے پاس سے اکھڑ رہا تھا۔ پرانے پینٹ کی طرح، اُس کی ٹانگیں کھلی ہوئی، شانے چوڑے، ٹوتھ پیسٹ کے داغ والا سینہ سٹریٹ کے سامنے باہر نکلا ہوا۔ ''سیدھے کھڑے ہو کزن۔'' اس نے غصے سے سنی سے کہا جو پُرہجوم سٹریٹ پر چلنے کے دوران اس کی آڑ لیے ہوئے تھے۔ ''تم کس سے چھپ رہے ہو؟''

سنی کا Yeezus سویٹر اب سستا محسوس ہوا، بے حد نرم، غلط سلا ہوا، بازوؤں کے نیچے سے گول سلائی میں کٹا ہوا، اس کے شانوں پر بے حد تنگ۔ ''کوئی نہیں۔'' سنی اپنی پا میر کی جیکٹ کی زپ بند کرتے ہوئے منمنایا۔

سنی کو امید تھی کہ اس کے کزن نے توجہ نہیں دی کہ جب وہ واٹرلو میں ٹیوب کے ذریعے لندن آئے تھے تو وہ چوگوشیا دروازے سے درست طور پر گزر نہیں پایا تھا۔ اُسے امید تھی کہ جب تنگ اور پُرہجوم سب وے میں سفر کرنے والے اُس سے آٹکرائے تھے تو اس کے کزن نے اس کی آنکھوں میں گھبراہٹ کی چمک نہیں دیکھی تھی۔ ہر کوئی اپنے ساتھی مسافروں سے پہلے تیزی سے باہر نکلنے کے تناؤ میں تھا۔ ''کم آن۔'' جب شاپ پر دروازے کھل نہ سکے کیوں کہ اُس نے بٹن نہ دبایا تھا تو ایک پہلے سے لمبے سنہری بالوں نیلی آنکھوں والی جس نے اونچی ایڑی کے جوتوں سے خود کو بے فائدہ مزید لمبا بنایا تھا، ایسے لہجے میں بڑبڑائی جو اُسے خیال ہوا کہ سلاوی تھا۔ سنی کا معصومانہ خیال تھا کہ دروازے خودکار طور پر کھل جائیں گے۔

یہاں کی لڑکیوں نے سنی کو نوٹس نہ کیا، انہوں نے اسے نظر انداز کیا۔ پورٹسماؤتھ کے برعکس، جہاں وہ اسے للچائی نظروں سے دیکھتی تھیں، جب وہ Common کے گرد جاگنگ کرتا تو اُسے دیکھ کر سیٹیاں بجاتیں، اُس کے قریب آکر بات کرنے کے لیے ہر قسم کے بہانے ڈھونڈتیں (ایکسکیوزمی، مگر تم کس ملک سے ہو؟ تم پورٹوریکن لگتے ہو...؟) یہاں جب وہ ایکسی لیٹر کی غلط طرف کھڑا تھا تو وہ برہمی سے بڑبڑاتے ہوئے اسے ہاتھ سے پرے ہٹاتی تھیں۔

عوز اور سنی ایڈی ڈاس کی بڑی سی ونڈو کے ساتھ خمیدہ بیٹھے پیدل چلنے والوں کو گن رہے تھے۔ یہ عوز کا آئیڈیا تھا، عوز سڑک کے ایک جانب سے گن رہا تھا، اور سنی دوسری طرف سے۔ چند منٹ میں ان کی گنتی 500 تک پہنچ گئی۔ ''تم نے دیکھا، سن؟'' عوز نے اپنی ہتھیلی پر کیریمل شدہ مونگ پھلی کا ایک چھوٹا سا کاغذی لفافہ تھامے ہوئے تھا۔ اپنی گنتی کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اور اس امید میں کوئی بھی اس کی نیلی جیکٹ پر توجہ نہ دے، سنی نے اپنا سر جھکائے رکھا، مگر عوز اپنی مونگ پھلی کھاتے ہوئے لندن ٹاؤن سروے کرتے ہوئے پُرسکون تھا۔ اُس نے ایک مونگ پھلی ابھی آنے والے ایک بھائی سے خریدی تھی، اس کے گلابی ہونٹ پان سے سرخ ہو رہے تھے۔ عوز نے اُسے بخشش میں ایک پاؤنڈ دیا۔ ''تم

نے دیکھا نیکوکاری کتنا نقصان کرسکتی ہے؟ ایک آدمی، دس کلو۔''

عوز نے ان دونوں کے لیے واپسی کا کرایہ سٹرلنگ پاؤنڈ ادا کیا تھا، کہا تھا کہ وہ سنی کو دنیا میں میں آزاد چھوڑنے سے پہلے لندن دکھانا چاہتا تھا۔

عوز نے اپنی انگلیوں سے چپکی چینی چاٹ لی اور ہجوم کی طرف اشارہ کیا، سامان اور شاپنگ بیگ اٹھائے، اپنے فونوں میں چھپے چہروں والا ہجوم۔ ''تمہارا خیال ہے کہ یہ کچھ دیکھتے ہیں؟'' اس کی آواز دھیمی اور برہم تھی۔ ''تمہارا خیال ہے کہ انہوں نے ہمیں یہاں کھڑے دیکھا؟ جو کچھ انہوں نے بنا محسوس کیے ہمارے ساتھ کیا ہے سنی؟ تمہارا خیال ہے کہ یہ ہماری تکلیف سے متعلق کچھ جانتے ہیں؟'' لیکن ہماری آنکھیں کھلی ہیں، عوز نے قسم کھائی۔ اور سنی اور اس نے ساتھ گنتی کی 1000,700,500۔

جب وہ ایکسی لیٹر سے نیچے ٹیوب کی طرف واپس واٹرلو جا رہے تھے، عوز نے اپنے ہاتھ اپنے کزن کے کندھوں رکھے، اپنی انگلیاں سنی کی ہڈیوں میں گاڑتے ہوئے اس کی جلد کے اندر گھستے ہوئے پٹھوں کی گرہوں کا مساج کیا۔ ''سواری کرو یا مر جاؤ، سنی۔'' عوز کی سانسوں میں کیریمل کی مہک تھی، اور جب اس نے الفاظ ادا کیے تو سنی نے اس کے دانتوں کو ایک دوسرے پر بجتے سنا، ''سواری کرو، (سفر کرو) یا مر جاؤ۔''

سیاہ ڈنڈے اور ہولسٹر میں Glock 17s لیے، اپنے سینوں پر بلٹ پروف جیکٹ پہنے دو مسلح پولیس والے، سنی اور عوز کے متوازی سیڑھیاں چڑھے۔ وہ کنکھیوں سے سٹیشن کو دیکھتے آپس میں گپ شپ کر رہے تھے۔ وہ بھرتی کے پوسٹرز والے پولیس والے نہ تھے۔ ایک سکھ، ایک عورت، ایک چینی... وہ دونوں سنہری بالوں، نیلی آنکھوں والے گورے تھے۔ ایک کی آنکھیں نیلی ترین تھی، پلاسٹک کا سا رنگ، بے حد تیز، دوسرے کی چگی ڈاڑھی تھی۔ اس نے اس صبح شیو کی تھی، اس نے اپنے رخسار کی جلد پر چیرا لگا لیا تھا۔

''آفیسرز!'' عوز نے سنی کے کندھے چھوڑے اور سیلیوٹ کے لیے سیدھے ہوتے ہوئے پکار کر کہا۔ پولیس والوں نے دونوں آدمیوں کو دیکھا جو اُن کے ساتھ ایکسی لیٹر سے نیچے جا رہے تھے۔ ''آپ کی خدمات کا شکریہ!'' عوز نے اپنے انتہائی شیریں لہجہ میں اُن پر چلایا اور تیزی سے اپنا ہاتھ کنپٹی تک لے آیا۔ پولیس والے مسکرائے اور سر ہلایا، لیکن جب وہ ان کے برابر میں آئے، تبھی جب عوز اور سنی نے ان کی آنکھوں کی نیلاہٹ دیکھی، عوز نے سیلوٹ کرتے اپنی تیسری انگلی اور چھنگلیا کو موڑا اور اپنے ہاتھ کو پستول کی شکل دے دی اور اس آفیسرز کا گویا نشانہ باندھا۔ صرف چگی ڈاڑھی والے نے جو لڑکوں کے قریب ترین تھا، عوز کو اپنے ہاتھ سے ان کی طرف اشارہ کرتے دیکھا، اپنی انگلیوں کو یوں لپیٹے جیسے وہ پستول سے نشانہ لے رہا ہو۔ آفیسر نے تیوری چڑھائی اور رک گیا، ان کی طرف دیکھنے کو مڑا مگر ایکسی لیٹرز مین تک پہنچ چکی تھی اور وہ اپنا ہاتھ دوبارہ سنی کے کندھے پر رکھ چکا تھا۔ ''خدا بھلا کرے!'' وہ آنکھ مار کر پولیس والوں

پر چلایا،''تم نے دیکھا،کزن؟''

سنی نے دیکھا اور اس اپنا دل تیز دھڑکتا محسوس ہوا۔

''چلتی پھرتی لاشیں۔'' عوز نے سنی کے کان میں سرگوشی کی۔''ابھی جانتے تک نہیں۔ وہ اپنے سامنے ہوتے ہوئے بھی ہمیں دیکھتے تک نہیں۔''

''کسی سؤر پر بندوق تان لو۔'' سنی نے دیکھا کہ عوز نے ان کے ٹیوب سے باہر نکلتے ہی دوبارہ جب وہ سروس رینج میں آئے تو ٹویٹ کی تھی۔ Bitch , Beg 4 yr life۔

واپس فریٹن سٹیشن جانے کی خاطر سنی واٹرلو سے باہر جاتی ٹرین پر بیٹھا، اپنی انگلیوں سے کھڑکی بجاتے، واپس پورٹسماؤتھ آتے دو گھنٹے اس کے کانوں میں بڈ زر ہے، پوری بلند آواز میں فرینک، مگر اس نے کچھ بھی نہ سنا تھا۔

میں اپنے پا کو کیسے بتاؤں؟ سنی نے عوز سے پوچھا، اس نے ابھی ترکی کے لیے اس کی ٹکٹ بک نہ کروائی تھی لیکن اپنی چیزیں مسجد کے کلیکشن باکس میں دینی شروع کر دی تھیں۔ اس نے اپنا ایکس باکس، اپنے باکسنگ کے دستانے، اپنی DVDs اور اپنے تمام سنیکرز عطیہ میں دے دیئے، سوائے ان کے جو وہ پہنے ہوئے تھے۔

انہیں بتانے کو کیا ہے؟ عوز نے پوچھا، کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہاں ہو کیا رہا ہے۔ وہ مسلمان دنیا کو آگ لگا رہے ہیں۔''ہم کچھ کرتے کیوں نہیں؟ ہم برٹش ہیں، ہے ناں؟ ہمارا کوئی کردار نہیں؟ یہ انسانیت کی بات ہے، ہے ناں کزن؟ یہی ہے جو ہم کر رہے ہیں... انسانیت کو برباد ہونے سے بچا رہے ہیں۔ ٹرمپ مسلمانوں کو سفر کرنے سے روکنے کی کوشش کر رہا ہے، جیسے ہم انسان ہی نہیں، بالکل جیسے انہوں نے 39ء میں یہودیوں کے ساتھ کیا تھا۔ تم اس کی اجازت دے دو گے؟'' یورپ میں دائیں بازو کی حکومتیں بن رہی تھیں۔ عوز نے کہا.... Brexit کو دیکھ لو، وہ ان پراپیگنڈا پوسٹروں پر جیتے کہ مسلمان Calais سے سیلاب کی صورت آ رہے تھے۔

عوز کا اپنا انسٹا گرام بند کر دیا گیا کہ اس نے گن سائٹ میں Nigel Farage کی تصویر پوسٹ کی تھی۔ Fuck UKIP اس نے جواب میں ٹویٹ کی، میں نے تو ابھی آغاز بھی نہیں کیا Shoot back۔ دیکھو فرانس، نیدرلینڈ، پولینڈ تو ہر گھنٹے بعد مسلمان مخالف ریلیاں نکال رہے ہیں۔ سویڈز اور سوئس، یورپ کی دو بیزار کن ترین قومیں، مساجد کو نذرِ آتش کر رہے تھے۔ وہ ہماری مدد نہیں کرنے والے، کزن۔

عوز نے سنی کو بتایا کہ اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا، اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کیوں کہ اس تمام دائیں بازو کی نفرت نے اپنا مقصد مضبوط بنایا تھا، اس نے مزید لوگوں کو جہاد کی طرف مائل کیا۔''تو آؤ گھر چلیں سنی، آؤ وہاں چلیں جہاں سے ہمارا تعلق ہے۔ جہاں انہیں ہماری ضرورت ہے۔''

سنی نے اپنی مونچھیں شیو کرنا شروع کر دی تھیں اور نماز پڑھتے ہوئے اپنا ماتھا مٹی کی ٹھیکری پر

رکھنے لگا تھا، اپنے جسم کو اپنی دین داری کے اتنے نشانات سے سجاتے، جتنا وہ کر سکتا تھا۔لیکن موسیقی کو وہ نہ چھوڑ سکا۔لڑکیاں، سوچیں جن سے اُسے تکلیف ہوتی تھی، اس کے حلق میں گرہیں لگتی تھیں، حتیٰ کہ وہ جن پر اُس کا اختیار نہ تھا۔لیکن وہ پھر بھی رات دیر تک اپنے کمپیوٹر پر بیٹھتا، جب تک سو نہ جاتا Pyramids کو سنتا رہتا تھا۔

پا نے اپنے بیٹے کو بدلتے دیکھا، اُس زندگی سے دور ہوتے دیکھا جو انہوں نے مسلسل قربانی دے کر اس کے لیے بنائی تھی۔ رات کو جب وہ لونگ روم میں بیٹھے ہوتے، ٹیلی ویژن کی روشنی صفیہ بیگم کے زرد چہرے کو روشن کر رہی ہوتی، اپنے لونگ روم میں موجود اجنبی کو دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے سلیمان جمیل زیرلب خود کلامی کرتے، ''یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ یہ کس قسم کا بیٹا ہے؟ صرف اپنا سوچتا ہے، اس قدر خودغرض۔ میرا کوئی خیال نہیں، اس سب کے باوجود جو میں نے اس کے لیے کیا۔ میں، میں، میں۔ یہ میرا بیٹا نہیں ہے، میرا بیٹا نہیں۔''

سنی نے ریموٹ اٹھایا اور اپنے Beats اپنے کانوں میں ڈالنے سے پہلے ٹی وی کی آواز بڑھا دی۔

ایک روز سنی ٹوسٹ کا ٹکڑا چباتے اور اپنی ہتھیلی کی لکیروں سے شہد کو چاٹتے ہوئے اور ان لوگوں کو دیکھتے ہوئے بس میں کھڑا تھا، جن سے وہ زندگی بھر سے واقف تھا، ان میں سے ہر کوئی جو اُس کی واقفیت سے غافل تھا، سنی سے غافل جو دیکھنا سیکھ چکا تھا۔ یہ طاقت، حقیقت میں مشاہدہ کرنے کی طاقت، اب اس میں برسوں سے پنپ رہی تھی اور یہ کبھی دیکھے نہ جانے کے عالم میں زندگی گزارنے کی بائی پروڈکٹ تھی۔

گورے لوگ کس قدر ست تھے، اس قدر کاہل کہ ان میں کوئی اکساہٹ نہ تھی، انہیں کسی شے کی طلب نہ تھی۔ یہ سب آسان کامیابی اور آرام، نوآبادیاتی دَور اور دوسرے لوگوں کے ملکوں پر قابض ہونے سے ملا ہوا، اس نے انہیں فربہ کر دیا تھا۔لیکن سنی، برہم اور بھوکا سنی، اس کی آنکھیں اب لیزر جیسی تھیں، سنی سب کچھ دیکھ سکتا تھا، سب کا سب، ہر جگہ۔

اس نے ایک نوجوان عرب ماں کو دو نوعمر بچے بس پر چڑھاتے دیکھا جبکہ تیسرے روتے ہوئے بچے کو وہ پرام میں گھسیٹ رہی تھی۔ بچہ پوری قوت سے چلاّ رہا تھا مگر شکستہ مشینری کی طرح اُس کے صرف ہچکیاں بھرنے یا منہ سے لعاب نکالنے کی ہی آواز آ رہی تھی۔ بڑے لڑکے ساتھ ساتھ بیٹھ گئے اور ماں اپنے نوزائیدہ بچے کو اس کی پرام سے نکال کر سفید بالوں والی عورت کے برابر میں سیٹ پر گر سی گئی جس کا چہرہ ناگواری سے بھر سا گیا کہ وہ خاندان ایک اجنبی زبان بول رہا تھا۔

سنی دیکھ کر جانتا تھا، سوسائٹی سے باہر بیٹھنے کے سبب، کہ شرابی جو پلاسٹک بیگ تھامے بس پر سوار ہوئی تھی، جیسا کہ دکھائی دیتی تھی، 65 کی نہ تھی بلکہ چالیس کے قریب تھی، اس کا چہرہ جھریوں سے بھرا

تھا جیسے گرم پانی سے نہانے کے بعد انگلیاں ہو جاتی ہیں۔ سنی بتا سکتا تھا کہ وہ دن بھر میں پوری ڈبیہ سگریٹ پینے والی سگریٹ نوش تھی... شراب نوش ہمیشہ ایسے ہوتے تھے۔ جب اس نے اسے بس کے پچھلے حصے میں کتے کے ساتھ کھڑی عورت کو مسکرا کر دیکھتے پایا تو وہ جانتا تھا کہ وہ محبت کی وجہ سے شراب نوشی کرتی تھی... یا محبت نہ پانے کے احساس کے باعث۔ وہ جانتا تھا کہ خوف جس نے اُسے مے نوشی کی طرف، صبح کے گیارہ بجے گرم، تیز وہسکی کی بُو دینے کی طرف دھکیلا، اُس مایوسی سے اٹھا تھا جس نے اُس کے سارے ذی حس حصوں کو خاموش کر دیا تھا: کون مجھے چاہے گا؟ کوئی اس سے محبت کیسے کر سکتا ہے؟

اپنی تھکن زدہ آنکھوں کو بند مٹھیوں سے مسلتے سنی جانتا تھا کہ کل دوبارہ بس پر انہی اکیلے رہنے والے اور محروم محبت لوگوں کا یہی گروہ سوار ہوگا۔ اور اُس سے اگلے روز۔ اُس سے اگلے روز۔ وہ ان سے کبھی فرار نہیں ہوگا، اگر وہ پورٹسماؤتھ میں رہے تو بھی نہیں۔ حتیٰ کہ عوز اور اس دنیا کے ساتھ بھی نہیں جس سے اس نے اُسے متعارف کروایا تھا، تب بھی سنی کسی شے کا حصہ نہ ہونے، اَن دیکھا ہونے کی اداسی سے فرار نہ ہو پایا۔

کتے والی لڑکی ایک سے لہجے میں بولتی رہی، جیسا کہ فون پر لڑکیاں کرتی ہیں، ''ہاں... ہاں... میں جانتی ہوں... ہاں... پتا نہیں... تمہارا ایسا خیال ہے؟'' تصدیق، توثیق چاہتے ہوئے... کیوں تھا کہ لڑکیاں جب تک اپنی سہیلیوں سے ٹیلی فون لائن پر صاد کروا کر اور منظور نہ کروا لیتی تھیں، کچھ نہ کرتی تھیں؟ ''ہاں... ہاں... تیس Quid ادا کیے...'' اُس نے گھبراہٹ کے عالم میں اپنی انگلیوں سے اپنی پلکوں کو چھوا، اس کے ناخن بھی پلکوں کی طرح نقلی تھے۔ ''تم ایسا سمجھتی ہو؟ تمہارا خیال ہے کہ وہ توجہ دے گا؟'' ایک بار پھر اس نے اپنی پلکوں پر دباؤ ڈالا، ان کے کناروں پر چمکتی گوند لگی تھی۔

نہیں، وہ نوٹس نہیں کرے گا۔ کون آدمی دوسرے خردبینی بالوں پر چپکے نہایت چھوٹے بالوں کو نوٹس کرے گا؟

''اچھا... واقعی؟... تمہارا خیال ہے؟''

سنی کے لیے بہت دیر ہو چکی تھی کہ وہ ان میں شامل ہوتا۔ وہ انہیں دیکھ چکا تھا۔ وہ اب ان میں سے ایک نہ ہو سکتا تھا۔

یہ برداشت سے باہر تھا، زندگی کا یہ تنہا راستہ حتیٰ کہ عوز کی اس تسلی کے ساتھ بھی کہ غلط کو بھی آخرکار شدت سے صحیح کر لیا جاتا، سنی کسی فریب یہ دھوکے میں نہیں تھا: وہ اکیلا تھا۔

اپنے باپ کے خوابوں تلے اُس کا دم گھٹ جاتا، فون پر روتی ہوئی عورتیں، کافی کی دکانوں کے فلور سے بھاپ کی طرح اٹھتی اداسی۔ یہاں کی زندگی کے ماتم سے فرار کے لیے سنی کہاں جاتا۔ اس سب کے بے حقیقت ہونے سے نجات وسکھ پانے کے لیے سنی کہاں جا سکتا تھا؟ پب نہیں، جم نہیں، حتیٰ کہ خدا کے پاس بھی نہیں... جو ایک ہی وقت میں ہر جگہ اور پھر کہیں نہیں تھا... مسجد نہیں، کباب شاپ نہیں، اور

پھر بالکل اسی طرح، اس نے اسے پا لیا۔

اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بدلے میں وہ اُن دیکھا نہ رہا۔

آلوش ایک امتحان تھا۔ ایک لمحہ جب سنی کو یقین نہ تھا کہ وہ بچ پائے گا۔ یہ سب سے آخر میں آیا، عین تب جب عوز نے سنی کے سفر کی تیاریاں شروع کیں، عین تبھی جب سنی نے تصور کیا کہ وہ بالآخر اپنی زندگی میں سکون پا سکتا تھا۔ آلوش کے ساتھ اُس کا تقریباً ایک مہینہ گزرا تھا۔ لیکن ہفتے اس کے سامنے گھنٹوں کی طرح گزرے، یوں جیسے اُس کے بائیس برس میں صرف ان لحات میں وہ حقیقتاً زندہ تھا۔

ایک شام سنی اپالو گیا تھا... گلڈ ہال والک میں ایک چھوٹا سا تہ خانہ... وہ وہاں سرو نہیں کرتے تھے، اس لیے اُس کے وہاں جانے میں کچھ غلط نہ تھا، عوز سے تذکرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ سنی نے اپنے ائیر بڈز گردن میں لٹکائے اور سیڑھیاں اتر گیا جو بار کی روشنیوں میں سرخ چمک دے رہی تھیں۔ تقریباً نصف شب کے قریب، وہ ڈرم لے آئے، انہوں نے روشنیاں بجھا دیں اور ڈی جے شروع ہو گیا۔ جب کھلے حرم یا جاموں اور ڈیوڈورنٹ کے نشان والی شرٹس میں ملبوس لڑکے مرطوب فلافل کی پلیٹیں کلب کڈز پر اچھال رہے تھے جو ایک لقمہ لینے کو رینگ رہے تھے، سنی ڈی جے کے چھوٹے سے سٹیج پر بیٹھ گیا۔ اس کے پاؤں نازک ٹانگوں والے لکڑی کے سٹول پر دھرے تھے، اور Darbuka اپنی رانوں پر جما لیا۔

سرخ فیری لائٹس کے علاوہ اپالو میں بہت تاریکی تھی۔ جب ڈی جے آلوش نے سُر اونچا کیا، سنی نے اپنی انگلیاں ڈرم کی تنی ہوئی کھال پر بجائیں۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور صرف اپنے دھڑکتے ہوئے سینے کی رہنمائی میں بجاتا رہا۔ سنی کو ڈرمز کے بارے میں کوئی حقیقی علم نہ تھا اور اس نے پہلے کبھی سیکھنے کے سبق نہیں لیے تھے۔ وہ عربی موسیقی سنتے بڑا نہیں ہوا تھا۔ اُسے اس کے Rolling Blows، اس کے تیز Snaps اور سلائیڈنگ ضربوں کے بارے کچھ علم نہ تھا، جو دل کے ایڈرینالین کی نقالی کرتی تھیں۔ لیکن اُس نے اسے محسوس کیا۔ سنی نے موسیقی کو خود میں تیرتے محسوس کیا۔

ڈرم اس کے ساتھ بالکل اسی انداز میں بج رہے تھے، جیسے اس کا جسم بھاگتے ہوئے محسوس کرتا تھا، جب وہ Turned on ہوتا، جب وہ اس انداز میں خوش ہوتا کہ جو بالکل اُس کا تھا۔

''حبیبی...'' آلوش، سنی کے گرد بانہیں ڈال کر چلایا، "Break me a beat"۔

اور سنی جس کی پیشانی پر پسینہ آ رہا تھا اور اُس کی دھڑکن آلوش کی بجائی موسیقی کے ساتھ آہنگ میں دوڑنے کی کوشش کر رہی تھی، ڈرم پر جھک جاتا اور اپنی زندگی کی موسیقی بجاتا۔

''حبیبی، تم نے ایسا بجانا کہاں سے سیکھا؟'' پہلی رات جب سنی نے اُس کے سٹیج پر قدم رکھا تھا، آلوش نے بعد میں اس سے پوچھا۔ اُس کے ہونٹوں کے گوشوں میں ایک جلتا سگریٹ دبا ہوا تھا۔

''خدا نے مجھے تحفہ دیا۔'' سنی فیروز کے ری مکس گیت کی Techno Thrum پر چلایا۔

اللہ اللہ، آلوش نے اپنی انگلیاں ہوا میں لہرائیں جو دھوئیں کی مہک سے بوجھل تھی۔ اللہ اللہ۔

جب آلوش نے اس کی مہارت پر خدا کی حمد کی تو سنی نے آنکھیں بند کرلیں۔ جب وہ چلا جائے گا تو اسے سب سے زیادہ اس کی یاد آئے گی، وہ جانتا تھا کہ پہلی رات جب اس نے اپالو میں موسیقی بجائی۔ وہ کسی طور جانتا تھا کہ اگر کسی چیز نے اُسے روکا تو وہ یہی ہوگی، جو کچھ بھی یہ تھی۔

عوز کے وقت سے، سنی اپنی زندگی ختم کرنے کو تیار تھا، سفر کے لیے، لڑنے کے لیے، مرنے کے لیے۔ دنیا کے خلاف خود کو بھک سے اڑانے کے لیے اُسے کسی چیز نے بھی دھمکایا نہ تھا۔ اُس کی زندگی میں بچانے، محفوظ رکھنے کو کچھ نہیں تھا، کچھ نہ تھا جسے وہ تھامے رکھنا چاہتا۔ یہاں تک کہ یہ۔

سنی جو کبھی نگاہ میں نہ آیا تھا، جسے کبھی جانا نہیں گیا تھا، اسے یہ کہنا ناممکن محسوس ہوا کہ تب کیا ہوا تھا۔

لیکن اُن راتوں، زیرزمین کیفے میں چھوٹے سے سٹیج پر سنی نے خود پر سے اختیار کھو دیا۔ اپنی انگلیوں کے جوڑوں اور سخت پوروں سے وہ جتنی تیز ہوسکا، ڈرم بجاتا رہا۔ قلو پطرا، قلو پطرا۔

سنی اس راز سے متعلق عوز سے بات نہ کرسکا، اس لیے اس نے اسے اپنے باپ کے بارے شریک راز کرلیا۔ سلیمان جمیل مذہب سے متعلق اتنے برے طور سے بات کرتا تھا، کیسے وہ اسے انسان کی اپنی بنائی بیماری کہتا تھا۔ کمزوروں کو قابو کرنے کا ایک طریقہ۔ سنی نے عوز کو بتایا کہ کیسے اس کے پا ہفتہ وار چھٹی پر شراب گھر لاتے اور حرام حلال کا خیال نہ کرتے تھے، حتیٰ کہ شیخیاں بھگارتے کہ انہوں رفقائے کار کے ساتھ بیکن (سؤر) کھایا تھا جو انہیں Sal کہہ کر پکارتے تھے۔ ہم میں سے ایک، ہمارا Sal، وہ کہتے تھے۔ اس پر پپا کو بہت فخر محسوس ہوتا تھا۔ ''ان کا خیال تھا کہ میں یہیں پیدا ہوا تھا، ڈارلنگ۔ سوچو، میں ان کہ بیشتر بچوں سے بہتر انگریزی بولتا ہوں۔''

اور عوز اسے اپنے خاندان میں شرم انگیز اخلاقی انحطاط سمجھتا تھا، سنی نے اپنی سانس روک لی۔ وہ عوز کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے کزن نے اپنے سنہری Spiky بالوں میں اپنا ہاتھ پھیرا اور خاموشی سے معلومات پر کچھ دیر غور کیا۔ ''بس چھوڑ دو بھائی۔'' آخرکار عوز نے اپنے نوعمر کزن کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے کہا، ''انہیں چھوڑ دو۔''

امہ تحریک کے برٹش کتائب اُسے خوش آمدید کہتے، عوز نے یقین دلایا۔ اس نے اپنی بریگیڈ کے برادران سے سکائپ پر بات کی تھی اور انہیں بتایا تھا کہ وہ ایک حقیقی جنگجو کو بھیج رہا تھا۔ ''عموماً تزکیہ میں بہت وقت لگتا ہے۔'' عوز نے تنبیہ کی۔ ''وہ امہ تحریک کے لیے ہر کسی کو لڑنے نہیں دیتے۔ انہیں یقین دہانی کرنی ہوتی ہے کہ تم جاسوس تو نہیں، کہ تم کوئی شریک کار، کوئی خفیہ طور پر سرایت کرنے والے تو نہیں۔''

سنی نے اپنا سر ہلا دیا... نہیں کبھی نہیں، ایسی کوئی بھی بات نہیں۔

''لیکن انہیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم سیاح تو نہیں۔ تم جانتے ہو؟ ان لڑکوں میں سے کوئی ایک جو خیال کرتے ہیں کہ جہاد کوئی Gap year ہے یا پھر Cruise Hunks کا کوئی مقام۔''

سنی نے تیوری چڑھائی، یہ کہنے کو بڑی عجیب سی بات تھی۔

عوز ہنس دیا اور اس کے گھٹنے پر تھپکی دینے کو اس کی طرف جھکا۔ ''تم نہیں کزن۔ لیکن تم جانتے ہو وہ لڑکیاں جو گھر سے بھاگ جاتی ہیں، یہ سوچتے ہوئے کہ وہ ہماری جنگ کو Hack کر سکتی ہیں۔ یہ بہنیں حقیقی جنگجوؤں کی ساتھی بننے کی تیاری نہیں رکھتیں۔ وہ ہماری عورتوں کی سی قابلیت کی حامل نہیں، ہماری لیڈر۔'' عوز نے سنی کو پاکستان کی Straight up مسلمہ کی ویڈیوز دکھائی تھیں جو ٹویٹر پر جنگ کی پاگلانہ دعوت پوسٹ کرتی تھی۔ جب سے اس نے امہ تحریک میں شمولیت حاصل کی تھی، اس کا اپنا لائیو لیک چینل تھا جو اس نے نام نہاد لبرل مسلمانوں کی منافقت کو عیاں کرنے کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

وہ سب ایشیائی... امیر پاکستانی معروف لوگ، انڈین کرکٹرز اور بنگلہ دیشی لکھاری... ''ہماری لڑکیاں واپس لاؤ'' واپس والے سائن کیوں اٹھائے ہوئے تھے، لیکن وہ اُن عرب بہنوں کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہتے تھے، عراق میں امریکی فوجیوں کے ہاتھوں جن کی عصمت دری ہوتی تھی؟ کسی نے کیوں سوال نہ اٹھایا تھا کہ قطریوں نے ورلڈ کپ کے لیے ادائیگی کی منصوبہ بندی کیسے کی تھی، جب پوری مسلمان دنیا کے بچے بھوک سے مکھیوں کی طرح مر رہے تھے؟ مسلمانوں کے لیے Red Nose Day کہاں تھا؟ ہمارا ''ہم دنیا ہیں'' کہاں تھا؟ تمہاری حد بصارت سے باہر مرتے ہوئے، تمہاری جنگوں سے معذور، ہمارے لیے ہیش ٹیگ اور کک سٹارٹر فنڈز کہاں تھے؟ ویڈیوز پوسٹ کرتی ہماری بہن، وہ پہلی مسلمان تھی جو سوشل میڈیا پر کھل کر وہ سوال اٹھا رہی تھی۔

عوز نے کہا کہ وہ حقیقی جنگجو تھی، منحرف، اور یہ کہ ان کے مقصد پر میڈیا کی توجہ میں 20 فیصد اضافہ کی وہ تنہا ذمے دار تھی۔ وہ یہ کہتے ہوئے کچھ حاسد محسوس ہو۔ اس لڑکی کے ہزاروں فالورز تھے، ہر لمحے ہر روز بڑھ رہے تھے۔ ٹوئٹر اسے شٹ ڈاؤن نہ کر سکا، اس سطح پر سمجھ ہی نہ سکا جس پر اُس کے جہاد کے لیے بلاوے گونج رہے تھے۔ وہ جنگجو تھی، تنہا بھیڑیا۔ عوز نے متنبہ کیا، ''مگر وہ دوسرے، وہ بس اپنے دوستوں کی کوئی ذرا سی کہانی سنانے کو نکلتے ہیں، گھبراتے اور گھر واپس بھاگ جاتے ہیں۔''

انہوں نے سختی سے یورو کے بارے میں تمام معلومات حاصل کیں، انہیں کسی موجود نمبر کے ذریعہ تصدایق کروانی تھی لیکن عوز پہلے ہی اپنی تجویز دے چکا تھا۔ سب ٹھیک ہوگا، اس نے اپنے کزن کو تسلی دی۔ اس نے اپنے کچھ ساتھیوں سے بات کی تھی جنھوں نے سنی کو سکائپ پر ایسا ہی کرنے کو کہا تھا۔

''تم شامل ہو، کزن۔'' Lynx باڈی سپرے سے معطر عوز نے سنی کا چہرہ تھام کر ہنستے ہوئے اسے بتایا، ''تمہیں بس یہ کرنا ہے کہ وہاں پہنچ جاؤ۔''

عوز اس کے ساتھ سفر نہ کر سکتا تھا۔ بہترین تھا کہ سنی اکیلے جاتا۔ ''میں ان کے ریڈار پر ہو سکتا ہوں۔'' عوز نے کہا۔ وہ کچھ عرصہ لندن میں روپوش رہتا، کچھ فنڈز جمع کرتا، کچھ اور سپاہی بھرتی کرتا۔ ''لیکن میں تم سے وہاں ملنے والا ہوں۔'' اس نے وعدہ کیا۔ ''ہم ساتھ مل کر لڑیں گے، تم فکر مت کرو۔''

مونٹی

مونٹی نے لیلیٰ کے چہرے سے بال پیچھے ہٹائے، لہریے بالوں کی ایک لمبی نرم سی لٹ اُس کے کان کے پیچھے اڑس دی۔ لیلیٰ نے کچھ نہ کہتے ہوئے دھیرے سے سانس لی، اُسے دیکھتے ہوئے جب وہ نیچے جھکا، اس کی کمر ہلکی سی خمیدہ اور اپنی زبان اُس کے ہونٹوں کے گوشوں پر رکھ دی۔

لیلیٰ نے اپنے ہونٹ مونٹی کے لیے وا کیے جس کے بوسے حریصانہ اور شیریں تھے۔ وہ سائیکلوجی کلاس روم کے عقب میں سیڑھیوں کی دیوار کی اینٹوں سے ٹیک لگائے ہوئے تھی، یہاں تک کہ اس نے سرخ پتھر کے کھردرے کنارے اپنی کمر میں چبھتے محسوس کیے۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند نہ کیں۔

مونٹی نے اُسے بوسہ دیا یوں جیسے وہ جانتا ہو کہ وہ اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اکتوبر تھا، کراچی میں ایک گرم حبس زدہ مہینہ۔ صرف تب جب اس نے اپنا چہرہ لیلیٰ سے پرے کیا، جس سے چاکلیٹ کا ذائقہ آ رہا تھا، مونٹی کو ادراک ہوا کہ وہ گہرے سانس لے رہی تھی۔ اُس کی ناک کی نوک پر پسینے کے ننھے قطرے جمع تھے۔

مونٹی نے سیمنٹ پر جوتوں کی آواز سنی، گھنٹی پانچ منٹ پہلے بج چکی تھی۔ سب کو پہلے ہی کلاس میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اسے پرواہ نہیں تھی کہ ان سیڑھیوں کے نیچے انہیں کس نے تاریکی میں چھپے دیکھا تھا۔ اُسے پرواہ نہ تھی کہ اگر وہ کسی مسئلے میں پھنس جاتے۔ مونٹی نے اُس کے ہاتھ سختی سے اپنے ہاتھوں میں تھام کر اپنے ہونٹوں سے لیلیٰ کے کان کے گوشوں، اُس کی گردن، اس کی ہنسلی کی ہڈی پر زرد جلد کو چھوا۔

"آہستہ سے، مونٹی۔" لیلیٰ نے اُسے ہدایت کی۔ "جلدی مت کرو۔"

اُس نے اپنا سر دھیرے سے مونٹی کے سینے سے لگا دیا، اس کے تیز کولون میں سانس لیتے ہوئے، اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، یوں جیسے وہ خوف زدہ تھا اور لیلیٰ نے لمحے بھر کو وہ دھڑکن سنی۔

"مونٹی۔" لیلیٰ نے اپنا سر اُس کی قمیص کے بٹنوں کے درمیان گاڑے پوچھا، "کیا تم خوف زدہ ہو؟"

وہ خاموش تھا، لیکن وہ اس کے لرزتے دل کو پہلے سے زیادہ تیز رفتار میں دھڑکتے ہوئے سن سکتی تھی۔ مونٹی نے لیلیٰ کا سر اپنے سینے سے ہٹایا اور اس کی ٹھوڑی کو اونچا کیا، اُسے آہستہ سے دھیرے سے چوما، بالکل جیسے اُس نے کہا تھا۔

کسی نے لیلیٰ کو کبھی اس طرح بوسہ نہ دیا تھا، اتنی نرمی سے، اتنی فریفتگی سے۔ مونٹی نے اس کے بال اس کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے اس کے رخسار کو نرمی سے چھوا، بالکل اس طرح جیسے اُس نے ٹی وی کے ایک سیریل میں دیکھا تھا، جیسے وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا، اُسے امید سے دیکھتے ہوئے اور لیلیٰ پر یہ کھلا کہ اسی لیے اُس کا دل ایسی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

محبت کے باعث، خوف سے نہیں۔

لیلیٰ نے خود کو مونٹی کی بانہوں سے نکالا، دھیرے سے قدم پیچھے ہٹایا، اپنا منہ بند کرتے ہوئے، اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ واپس کھینچتے ہوئے سیڑھیوں کے اس خالی حصے میں سرد اینٹوں سے اپنا سر ٹیک لیا۔ لیکن مونٹی قدم بڑھا کر قریب آ گیا، اس خلا ختم کرتے ہوئے اپنے ہاتھ لیلیٰ کی پشت پر رکھے جو اُس نے ان دونوں کے درمیان بنایا تھا۔ ''لیلیٰ، تم کہاں جا رہی ہو؟'' اس نے اس کی گردن، اُس کے رخسار، اس کی کنپٹی، اس کے سر، اس کے لمبے اور الجھے ہوئے بالوں کو چوما جن سے تمباکو کی مہک آ رہی تھی۔

''ہمیشہ بھاگتی ہو۔'' مونٹی اس کے ساتھ لگتے ہوئے بڑبڑایا، ''ہمیشہ دور جانے کی کوشش کرتی ہو۔''

لیلیٰ اس کے دل کی تیز اور بلند آہنگ دھڑکن کو اپنے دل کے قریب سن سکتی تھی۔ وہ ایک لمحے کو ہچکچائی، ایک مہلک سیکنڈ اور اس سے پہلے کہ وہ حرکت کر سکتی، مونٹی نے اس کا ہاتھ دوبارہ بڑھ کر تھام لیا اور اپنی انگلیاں اس کی انگلیوں میں ڈال دیں۔

''مت جاؤ۔'' بوسوں کے درمیان اُس کے بالوں کے بیچ اُس نے سرگوشی کی۔ ''مت جاؤ، لیلیٰ۔''

انیتا روز

کچھ ہی وقت میں، جوزف خاندان اپنی زندگیوں میں حقیقی اَپ گریڈیشن سے لطف اٹھا رہا تھا۔ ایذرا شہر کے بہترین کوثر میڈیکوز سے اپنی ماں کے لیے گولیاں خریدتا۔ فارماسسٹ نے کہا تھا کہ اگر وہ روزانہ یہ مہنگی گولیاں لیتی تو اس کے آرتھرائٹس سے متاثر جوڑوں میں مزید درد نہ ہوگا۔ اب وہ پبلک ٹرانسپورٹ پر سفر نہ کرتا تھا، بلکہ چین کے ایک ماڈرن میک سکوٹر پر۔ اور نئے سکول میں اپنی پہلی ٹرم کے اختتام پر، جب اس کے بہت اچھے نمبرز آئے... اپنی کلاس میں بہترین، تو فینسی پرنسپل نے کہا کہ انیتا میں حقیقی صلاحیت تھی، اس طرح کے رزلٹ کے ساتھ وہ جس کالج میں چاہے اپلائی کرسکتی تھی۔

ایذرا، انیتا کے ساحل سمندر پر لے گیا۔ اس نے اپنی بہن کو گلے لگاتے ہوئے کہا، میں نے تمہیں بتایا تھا۔ اس کے لمبے بال تازہ دھلے ہوئے تھے اوران میں سے لیموں کی خوشبو آرہی تھی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا انیتا روز کہ ہم بہتر کے مستحق ہیں اور ہم یہ حاصل کرلیں گے۔

ایک بہتر زندگی کے وعدہ پر جذباتی انیتا نے اپنے بھائی کو زور سے گلے لگایا۔ واقعی، بھائی؟

میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، ایذرا کی آواز ٹوٹ گئی، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہمارے پاس سب کچھ ہوگا، سب کچھ جو ہم چاہیں۔ نیا سکول، نیا گھر، نیا فرنیچر۔ اس نے اپنی بہن کو اچھا لباس پہننے کو کہا، ''اپنا بہترین جوڑا پہنو۔'' اس نے قدم اٹھاتے ہوئے کھینچ کرنیٹ کی سیاہ قمیص اور سیاہ سیدھا ٹراؤزر نکالتے ہوئے کہا جو انیتا نے ایک میگزین سے نقل کرکے بنوایا تھا۔ ''اپنے چہرہ پر بھی کچھ اچھا لگاؤ (میک اَپ کرو)۔'' ایذرا نے خوش گوار مزاج میں نصیحت کی۔ ''اور اپنے بال کھلے چھوڑ دو۔''

اس طرح ایذرا بھائی؟ ایذرا نے اپنے بال احتیاط سے درمیان سے آدھے کرتے اور ان میں برش کرتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنی بہن کے پیچھے چلنے سے پہلے، احتیاط سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے لمحے بھر کو اُسے دیکھا۔

''نہیں، اسے زیادہ Casual زیادہ Relaxed بناؤ۔'' اس نے بالوں اس کے کندھوں پر آزاد چھوڑتے ہوئے اپنی انگلیاں ان میں کنگھی کی طرح چلائیں۔'' اور نام فیروز ہے، انیتا۔ تم جانتی

ہو۔''

انیتا تڑ خے ہوئے آئینے کے سامنے ساکت کھڑی تھی جب ''فیروز'' نے چابیاں اور والٹ اپنی جیب میں رکھے۔ یہ اپنے بھائی سے بحث کا وقت نہ تھا۔ اس نے دیکھا کہ حالات کیسے بدل چکے تھے، کیسے انہوں نے اُسے چن لیا تھا، اب جب کہ اس نے کسی اور آدمی کے طور پر جنم لیا تھا۔ اچانک سب کچھ مزید تھا، مزید وقت، مزید تحفہ، مزید کھانا۔ اس نے لیلیٰ کو بتایا کہ اگر وہ تمیز دار رہی تو وہ اس کے لیے بھی اپنی طرح کام کا طریقہ تلاش کر لے گا، کچھ روپے بنانے کے لیے، اصلی روپیہ، اس کی تعلیم کے ساتھ ساتھ۔ انیتا جاننا چاہتی تھی کہ کیسے، کب، وہ اصلی روپیہ کتنی رقم ہوگی، لیکن وہ فیروز کو پریشان نہ کرنا چاہتی تھی۔ خصوصاً ابھی نہیں جب وہ اُس کو اپنی سخاوت سے نوازنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ''شکریہ بھیا!'' اس کی بجائے اس نے کہا۔ وہ ابھی بھی اس کا نیا نام بلند آواز میں پکارنے کے ناقابل تھی۔

اُن کی ماں خوش تھی۔ وہ اب کم کام کرتی تھی، چرچ جانے کے لیے اتوار کی چھٹی کرتی۔ اتوار کے دن جو اس کے لیے کبھی مصروف ترین ہوا کرتے تھے، اب اُس کے صرف خاص گاہکوں کے لیے مخصوص تھے، جن سے وہ ہر دوسرے ہفتے ملنے جایا کرتی تھی۔ انیتا کلفٹن ہاؤس کے ان اتوار کے دنوں کو یاد کرتی تھی۔ اسے چرچ کے پچھلے حصے میں سخت ترین بینچوں بیٹھنا بے حد پسند تھا۔

لیکن ان دنوں ہر نقصان کے ساتھ ایک فائدہ تھا۔ انیتا پہلے کبھی ساحل سمندر پر نہ گئی تھی، اور جب فیروز کی نئی چینی موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھے اُسے اپنے بالوں سے گزرتی ہوا میں سمندر کے کھاری پانی کی مہک محسوس ہوئی، وہ خوشی سے چلا اٹھی ''ساحل، بھیا؟'' اُس نے خوشی سے تالیاں بجاتے پوچھا۔

''بالکل ساحل سمندر۔'' اُس نے خوشی سے جواب دیا۔

فیروز نے اپنی بہن کے لیے لِپ دار سٹرا کے ساتھ سافٹ ڈرنک خریدی اور والز کے ٹھیلے سے آئس کریم۔ وہ چاکلیٹ کرنچ تھی، اُس نے اسے رات گئے چائے والے کے ٹی وی پر دیکھا تھا۔ اُس کے کھانے کے بعد فیروز نے اپنی بہن کو گھوڑے کی سواری کروائی۔ کچھ بات چیت کے بعد، لمبی سیاہ مونچھوں والا آدمی جو گھوڑے کی موتیوں والی باگ تھامے ہوئے تھا، انیتا کو مفت سواری کروانے پر راضی ہو گیا۔

اس کے کولہوں کو اپنے چوڑے ہاتھوں میں سختی سے تھام کر اُس کے قریب جھکتے ہوئے اُس نے انیتا کو گھوڑے پر سوار ہونے میں مدد دی۔ جب اس نے اسے کاٹھی تک اٹھایا تو اس کا جسم لیلیٰ کے جسم کے ساتھ دب رہا تھا۔ آدمی نے اپنی تیل چپڑی مونچھیں سنواریں اور انیتا کو دیکھتے ہوئے فیروز کے ساتھ کھڑا ہو گیا جو لاغر عربی گھوڑے پر سوار تھی جو کھائی گئے مکئی کے بھٹوں، سگریٹ کی خالی ڈبیوں اور پلاسٹک کے سینکڑوں پھٹے ہوئے لفافوں کے درمیان اچھل کر چل رہا تھا، جنہیں تیز ہوا بکھیر کر گہری بھوری ریت پر ہر طرف پھیلا رہی تھی۔

انہوں نے ایک بار بھی نظریں اُس پر سے نہ ہٹائیں۔ آدمی نے اُسے دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھ Crotch پر رکھے۔ جب انیتا نے سواری کرتے ہوئے اُس سے دور جانے کی کوشش کی، اُس کا بھائی پکارا، ''واپس مڑو، انیتا۔'' جب انیتا نے اپنے گھوڑے کو خالی ساحل سمندر پر جہاں تک وہ دیکھ سکتی تھی، اتنا دور لے جانے کی کوشش کی۔ ''مڑ کر یہاں واپس آؤ۔'' فیروز چلایا۔ ''اُس حصے میں نرم ترین، صاف ترین، ریت ہے۔''

سنی

آخر میں، سنی نے اپنے پپا سے کچھ نہ کہا۔

اُس نے اپنے پپا کے بینک کی تفصیلات کو اپنے فون کے ڈائریکٹ ڈیبیٹ سے منسلک کیا اور اپنا ڈیٹا پیکج ایک سے پانچ جی بی تک بڑھا لیا۔ وہ اُس قبرستان گیا جہاں اس کی ماں دفن تھی اور اس کی کائی سے ڈھکی قبر پر نرگس کے پھول رکھے سنی کے پاس ماں کبھی نہ تھی اور اب اُس کے پپا نے بھی اُس سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

پورٹسماؤتھ میں اپنی آخری رات، سنی عوز کے پاس گیا اور تاریکی میں اس کے گھر کے باہر کھڑا ہو گیا، بے یقین کہ وہ وہاں کیوں آیا تھا۔ وہ عوز سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ عوز جان لے کہ جانا کس قدر مشکل تھا، اُس کے کزن نے اُسے کیا کچھ دیا تھا، حتیٰ کہ اُس خفیہ شے کے بعد بھی جس نے سب بالکل الٹا دیا تھا۔ اندر کہیں، سنی اپنے کزن کو بتانا چاہتا تھا کہ اُس نے غلطی کر دی تھی۔ یہ کہ وہ اب وہیں رکنا چاہتا تھا۔

لیکن عوز کے والدین کے گھر کے باہر گھنٹہ بھر ٹہلنے کے بعد، سنی واپس چلا آیا۔ وہ صحیح الفاظ منتخب نہ کر پایا تھا، عوز کو یہ بتانے کا درست طریقہ نہ جان پایا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ اُسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہا تھا۔

یہ قربانی تھی۔ یہ مصیبت تھی۔ ایسی جگہ کو چھوڑ جانا نہیں جس کے کوئی معنی نہ تھے، بلکہ کچھ ایسا ترک کرنا جسے آپ چاہتے تھے، کچھ جس سے آپ محبت کر سکتے تھے، کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے، کسی خوبصورت مقصد کے لیے لڑ سکتے تھے۔

سنی تیزی سے Kofi's کی طرف بڑھا، ایک بلند آہنگ اداس ریگی (Reggae) بار جہاں کوئی ایشیائی نہ آتے تھے اور شرمندگی محسوس کرتے ہوئے سٹول پر بیٹھ گیا۔

سو عوز کے گھر کے باہر منڈلاتے ہوئے وہ کیا کر رہا تھا؟ اگر آنٹی انکل اسے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ وہ کیا کہتا... اوہ سوری، انکل، میں بس آ کر عوز کی کھڑکی میں جھانکنا اور اس بتانا چاہتا تھا کہ میں کتنا

الجھا ہوا ہوں۔ سوری انکل، کیا عوز اندر ہے؟ اُسے بس یہ بتانا چاہتا تھا کہ کیسے اپنی عمر بھر میری خواہش تھی کہ میں یہاں سے جا سکوں، لیکن اب کوئی مل گیا ہے جس کی وجہ سے میں اب یہاں رکنا چاہتا ہوں اور میں اسے چھوڑ کر جانا برداشت نہیں کر سکتا۔

لیکن وہ ایسا کچھ بھی نہ کہہ پایا۔ اتنا کچھ تھا جو سنی کہہ نہ پایا، وہ خود کو سوچنے کی محسوس کرنے کی بہ مشکل اجازت دے سکا، جیسے کسی خواب میں آنکھیں جھپکنے کی اجازت کیوں کہ یہ اسی قدر ناقابل یقین تھا۔

اُس آخری اتوار سنی Kofi's گیا۔ اس تلاش میں کہ اُسے کوئی مل جائے... کوئی بھی۔ کچھ وحشی سا، کچھ فوری، اُس میں کچھ وحشی پن سا کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ اُس نے آنے والی تمام سوچوں کو آنکھیں جھپکا کر، سختی سے آنکھیں جھپکا کر دور بھگایا، جس دوران اس نے ڈائٹ کوک کی چسکیاں لیتے ہوئے ڈانس فلور کا جائزہ لیا۔ اور پھر اُسے وہ نظر آئی، نایا، اپنے تنے ہوئے چھوٹے سے جسم کے ساتھ، دیوار کے ساتھ گری پڑی، وہ مختصر سا لباس پہنے ہوئے تھی، سبز اور موتیوں والا، ایک بازو اس کے شانے سے ہٹا ہوا تھا۔

''ارے، نایا۔'' سنی نے اس کے قریب جا کر گھٹنوں کے بَل بیٹھتے ہوئے کہا، ''Hey''۔

لیکن اس کا سر ایک سے دوسری طرف گھومتا رہا اور اس نے میوزک کے متعلق زیر لب کچھ بکواس کی، جو کہ بہر حال جمیکن ٹرانس تھا، اور اس میں کوئی الفاظ نہ تھے۔ اُس نے ارد گرد نظر دوڑائی مگر نایا اکیلی اور برباد تھی۔ ایسی جیسی اُس نے اُسے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ سنی کھڑا ہوا اور اس نے اُن کمینی لڑکیوں کی تلاش میں کلب کا جائزہ لیا عموماً جن کے ساتھ وہ باہر جاتی تھی۔ مگر اُسے اُس کی کوئی دوست دکھائی نہ دے سکی۔ آخری مرتبہ چیک کرتے ہوئے اُس نے اپنا بازو نایا کی کمر کے گرد ڈالا اور اُسے دھویں سے بھرے کلب سے باہر لے آیا۔

اُس نے اسے اپنے گھر لے جانے کا سوچا، اپنے پپا کے چہرے کے تاثر کا سوچا جب وہ صبح جاگتے اور مسٹر خٹک کی چھوٹی بیٹی کو اپنے کچن میں زیر جامے میں ملبوس دیکھتے۔

لیکن وہ بوڑھے کا دل جلد ہی توڑنے والا تھا۔ سو سنی، نایا کو پارکنگ لاٹ میں لے آیا اور اسے سرد اینٹوں کی دیوار کے ساتھ سہارے سے کھڑا کیا۔ اُس نے اُس کا لباس اوپر کیا، اس کے زیریں لباس کو کھینچا۔ اُس نے عوز کے بارے میں سوچا، اُس کے بیڈ روم کی لائٹ آن تھی۔ سنی گھنٹی بجا کر اندر ہی کیوں نہ چلا گیا تھا؟ شاید عوز سمجھ جاتا۔ شاید عوز بھی کبھی محبت میں اور الجھن میں رہا ہو۔

سنی نے اپنے جسم کے بوجھ کے ساتھ نایا کو دیوار کے ساتھ لگا دیا، اس کی گردن، اس کے شانوں پر کاٹتے ہوئے، اپنی انگلیوں سے اس کے بدن کو چھوتے ہوئے۔ سنی نے نایا کی گردن کی گدی پر اپنی زبان رکھی اور اگرچہ وہ اس کے پسینے میں ملے جلے اس کے پرفیوم کے تلخ الکوحل کا ذائقہ محسوس کر سکتا

تھا، اسے عوز کی موٹی سانولی گردن کا خیال آیا اور اس کا جی چاہا کہ وہ اس کے ٹیٹو کے حروف کو اپنی زبان سے ٹریس کرسکتا۔ اسے بین کا خیال آیا اور وہ وہیں پارکنگ لاٹ میں نایا کی عزت... یوں کہ وہ چیختی اور اس سے رک جانے کی التجا کرتی۔

وہ اس کے بارے میں نہ سوچ پایا، وہ سوچ نہ پایا کہ آلوش کا کیا ہوا تھا، جو خوبصورت اور خالص تھا۔ جتنی سختی سے سنی نے ان احساسات کو پرے ہٹایا، اتنا ہی مشتعل وہ ہوتا چلا گیا۔

اس کی حلق کے اندر سے کہیں بدصورتی سی ابھری۔ اس نے اپنے دانتوں سے نایا کو کاٹ لیا، اس کی جلد کو۔ تبھی نایا نے تھرتھراتی پلکوں کے ساتھ اپنی آنکھیں کھولیں اور کراہ بھری، اُس کی کمر کسی پتھر سے ٹکرا رہی تھی۔ ''تم کیا کررہے ہو؟'' وہ بڑبڑائی۔

وہ اپنے حواسوں سے اس قدر باہر تھی، اُس نے حتیٰ کہ سنی کو پہچانا تک نہیں۔ اور بالکل اسی طرح سنی نے نایا کو ویسے ہی دیکھا، جو وہ تھی: خالی، بیکار، کسی حقیقی شے کی حسرت ناک متبادل۔ اس نے اُسے نیچے فرش پر بٹھا دیا جہاں وہ کسی بے شکل چیتھڑے کی طرح سکڑسمٹ گئی، اُس کا سبز لباس اُس کے پیٹ تک اٹھا ہوا تھا... اور وہ آگے بڑھ گیا۔

اگلی صبح، عوز نے سنی کو ٹرین سٹیشن پر چھوڑا، اس کے ہلکے سنہری رنگ کے بالوں پر دھوپ چمک رہی تھی۔ سنی نے اپنے کزن کو دیکھا، اُس کے ناک کے اردگرد چند چھائیوں کے سوا اُس کی جلد زرد تھی اور اُسے محسوس ہوا کہ نرم دلی سے اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ ''تم جانتے ہو کزن۔'' عوز نے اُسے فریٹن سٹیشن لے جاتے ہوئے راستے میں کہا۔ سنی فرنٹ سیٹ پر اپنی گود میں بیگ اٹھائے ہوئے بیٹھا تھا۔ ''برادران واپس نہیں آتے، وہ وہاں مرنے جاتے ہیں۔''

''ان شا اللہ۔'' سنی نے اپنا بیگ سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ سنی اب زندگی کا سامنا کیسے کرے گا، جب اُس کو معنی دینے کو کوئی عوز، کوئی پا، کوئی آلوش نہ ہوگا؟ وہ کیا کرے گا، جب اُسے اُس کی ذات کو معنی دینے کو کوئی شخص نہ ہوگا؟

سنی اپنے کزن کو یہ بتانے کے ناقابل رہا تھا کہ وہ اُسے کتنا یاد کرے گا۔ ''ان شا اللہ۔'' جب عوز نے نوجوانوں کی شہادت کی بات کی تو اس نے اپنی موت کی تمنا کرتے ہوئے دعا کی۔

اور اس کے بعد یہ بس بدتر ہی ہوا۔ جس لمحے اُس نے برٹش سرزمین کو چھوڑا، سب غلط ہو گیا، ایزی جیٹ چیک اِن دلبرانہ عورت کے الفاظ اُس کے کانوں میں گونجے۔ ''ذمہ داری کے ساتھ پیو۔'' وہ سرگوشی کرنے کو سنی کی طرف جھکی، اس کی کافی بھری متعفن سانس سے موت کی بو آرہی تھی۔ ''میرا بھتیجا وہاں گیا تھا اور بے حد بیمار ہوکر واپس آیا۔''

سنی چل کر اپنے گیٹ تک گیا، قبل اس کے کہ اُسے بتایا گیا کہ وہ غلط ٹرمینل تھا اور اُسے اپنی فلائٹ وقت پر لینے کے لیے اپنے پھٹتے ہوئے پھیپھڑوں کے ساتھ دوڑ کر نارتھ ٹرمینل تک آنا پڑا۔ وہ

دوڑتے ہوئے سیکیورٹی کے پاس سے گزرا، کسی نے بھی اُسے مڑ کر دوبارہ نہ دیکھا۔ تو ندوالے ایک گورے سیکیورٹی آفسر نے سنی کی پانی کی بوتل لے لی۔ ''ایک سو ملی لیٹر سے زیادہ۔'' اُس نے اسے کوڑے دان میں پھینکتے ہوئے کندھے اچکائے۔ سنی کو خود کو مسکرانے سے روکنا پڑا۔ ''بوتل لے لو، بم کو جانے دو۔'' اس نے ٹویٹ کی، یہ واحد غیر سنجیدہ لہجہ تھا جو اُس کے سفر میں اب تک آیا تھا۔ جہاز پر سنہری رنگے بالوں والی خاتون سٹیورڈیس نے اُسے ایمرجنسی ایگزٹ والی سیٹ سے پاؤں پھیلانے کی اضافی جگہ والی سیٹ پر منتقل کر دیا کیوں کہ وہ ایمرجنسی طریق کار پر اُس کی چنیدہ وضاحت پر اُلجھن میں دکھائی دیا تھا۔ ''فکر مت کرو ڈارلنگ۔'' فربہ سٹیورڈیس نے سنی کے اردگرد سیٹوں کا جائزہ لیتے کہا۔ ''آؤ کسی ایسے کو ڈھونڈتے ہیں جو سمجھ جائے اور تمہیں کسی آسان سی جگہ پر بٹھا دیتے ہیں۔''

اُس نے انطالیہ لینڈ کیا اور اُسے ائیر پورٹ پر چار گھنٹے روکے رکھا گیا۔ ائیر پورٹ گارڈز نے سنی کو ایک چھوٹے سے کمرے میں رکھا، جہاں سے پرانے سگریٹوں اور چائے کی بو آرہی تھی اور اس سے ایک سے ہی سوالات بار بار پوچھے۔

ڈاڑھی کیوں ہے؟

تم کس سے ملو گے؟

طالبانی ہو؟

''میں برٹش شہری ہوں۔'' سنی نے دہرایا، جیسے عوز نے اُسے سکھایا تھا۔ ''تمہیں مجھے روکے رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ میں برٹش شہری ہوں۔''

لیکن گارڈز بس ہنس دیئے۔ سلمان خان برٹش نہیں۔ سلمان خان مسلمان ہے۔ گارڈز میں سے ایک انڈین اداکار کو جانتا تھا۔ سلمان خان، انڈین بالی ووڈ، وہ ہنسا۔ اُس کی سانس بدبودار تھی اور اس کے دانتوں پر نکوٹین کے داغ تھے۔

''میرا نام سلیمان جمیل ہے اور میں برٹش شہری ہوں۔'' سنی نے دہرایا لیکن کچھ نہ ہوا۔ اگر وہ جواب نہیں دیتا تو انہوں نے اُسے دوبار جیل لے جانے کی دھمکی دی۔

''تمہیں معلوم ہے ٹرکش جیل میں کیا ہوا تھا؟'' بدبودار سانس والے نے حقارت آمیز انداز میں کہا، ''تم نے دیکھی ہے فلم؟''

گارڈز نے اس کے بیچ بیگ کی تلاشی لی اور سنی شکر گزار تھا کہ اگر چہ اُس نے عوز کی سفر سے پہلے ڈاڑھی منڈوانے کی نصیحت نظر انداز کر دی تھی، وہ کم سے کم تھوڑے سامان کے ساتھ سفر کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ دو ٹی شرٹس ایک ٹریک پینٹس، (Eno) اینو کیوں کہ سکائپ پر برادران نے بتایا تھا کہ وہاں کا پانی کبھی مزاحیہ ہو جاتا تھا، اس کا چارجر اور ایڈاپٹرز۔

''کوئی رقم کیوں نہیں؟ کنڈوم کیوں نہیں؟ کوئی گرل فرینڈ کیوں نہیں؟'' یوں تھا جیسے وہ کبھی

گھر سے نکلا ہی نہیں تھا۔

لیکن سنی اپنے ائیرفونز کی تار اپنی انگلیوں پر اتنی سختی سے لپیٹتے ہوئے مصر رہا کہ ان سے خون نکل آیا۔ ''میں برٹش شہری ہوں، میں Stag-do (بیچلر پارٹی) کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میں انطالیہ کے ساحلی ریزارٹ جارہا ہوں۔''

چار گھنٹے بعد جس دوران انہوں نے اُسے باتھ روم جانے کی اجازت دی اور نہ ہی ایک گلاس پانی دیا، گارڈ نے دروازہ کھولا اور سنی کو جانے دیا۔ اُس کی آئی فون بیٹری تقریباً خالی ہوچکی تھی۔ جاتے ہوئے سنی ائیرپورٹ کے شیشے کے دروازے پر رکا اور اپنے فون کو چارج کرنے کا سوچا، لیکن پھر خیال آیا کہ بعد میں خاصے مواقع آئیں گے۔

وہاں سے بس کا چوبیس گھنٹے کا سفر تھا۔ موصل پہنچنے سے پہلے اُسے ادانہ، ویران شہر اور حتیٰ کہ شام میں القامشلی میں بسیں بدلنا تھیں۔ کوئی بھی انگریزی نہ بولتا تھا، کوئی بھی ترکی کے سوا کوئی زبان نہ بولتا تھا۔ پہلی بس پر سوار ہونے سے پہلے سنی نے عوز کو فون کیا، اس کی بیٹری 10 فیصد پر تھی۔

''The fuck؟'' اُس نے خود کو فون پر چیختے سنا، پچھلے گھنٹوں کا تمام اشتعال اور تناؤ اُس کی آواز میں بھر آیا۔ عوز نے جواب دیا، وہ اونگھتا ہوا سنائی دیا، اگرچہ وہ عین سہ پہر کا وقت تھا۔ یہ معمول کے مطابق ہے۔ عوز نے کہا، انہیں یہ دکھانے کو اس طرح کے کام کرنے ہی تھے کہ وہ برادران پر سخت تھے۔ لیکن تم دیکھو گے، عوز نے وعدہ کیا، وہ سب تمہیں بہ حفاظت کیمپ تک پہنچائیں گے۔

لیکن انہوں نے نہ کیا۔ انہوں نے ایسا نہ کیا۔

وہ شروع سے آخر تک بے عزتی اور غلط موڑ مڑنے کا سفر تھا۔ Icel میں مختصر سٹاپ اوور کے دوران اپنے ہاتھوں کی پشت سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے سنی کی آنکھوں میں سوزش ہوگئی۔ مکھیوں کے ذریعے پھیلنے والے بیکٹیریا کی بیماری جو بشمول انڈیا بیشتر دنیا میں بالکل ختم ہوچکی تھی، لیکن بظاہر ترکی میں ابھی تک موجود تھی۔ اُس کی آنکھیں جلنے لگیں اور پانی سے بھر آئیں، سرخ ہوگئیں یہاں تک کہ اُس کی بائیں آنکھ سوج کر بند ہوگئی۔

بس پر ہر کوئی سنی سے دُور رہا۔ حتیٰ کہ جب اُس نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ برائے مہربانی کسی فارمیسی پر رکے تاکہ وہ آنکھوں کے لیے کوئی اینٹی بائیوٹک قطرے لے سکے اور پانچ منٹ اپنا فون چارج کرسکے، تو ڈرائیور اس سے اور اس کی آنکھوں سے دور ہٹ گیا اور سر ہلا دیا۔ نہیں شکریہ۔ اُس نے اپنے موٹے سے ہاتھ سے سنی کو پرے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ نہیں، شکریہ۔

غازی انٹپ جانے والی بس پر بالآخر کسی نے اُس پر ترس کھایا اور اگلے سٹاپ پر فارمیسی کے راستے کے بارے میں لکھ دیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ سنی دوائی سے الرجک تھا۔ اُسے یہ اگلے دو سٹاپ سے پہلے معلوم نہ ہو پایا۔

کزل تپے میں بس ڈپو پر اُس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور پلاسٹک کی چپل اور گرمی کے باعث اُس کے پیروں سے خون بہہ رہا تھا، سنی نے واپس گھر جانے کا سوچا۔ آنکھوں کی سوزش (ککرے) جو کہ اُسے تھی، فارماسسٹ نے اشارہ دیا تھا، وہاں ایک بھائی کو اس نے اندھا کر دیا تھا۔ فارماسسٹ نے اپنی آنکھوں کو اپنی ہتھیلی سے ڈھانپے رکھا، یہاں تک کہ سنی نے اشارہ کیا کہ وہ سمجھ گیا تھا۔ میں جانتا ہوں، سنی نے کچھ اشاروں کی زبان میں اور سرگوشی کرتے جواب دینے کی کوشش کی۔ میں خود کو یکسر بیکار محسوس کرتا ہوں۔

گرد آلود تر کی فارمیسی میں کھڑے اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور ان سے پانی بہہ رہا تھا۔ سنی نے خود کو پکڑا، اس وہاں اپنی سچی ذات بنتا تھا، بااختیار اور آزاد۔ لیکن وہ کسی کتے کی طرح بیمار تھا، تنہا اور کسی قدر ذلیل محسوس کرتے ہوئے کہ اس نے اتنی آسانی سے عوز کا یقین کر لیا۔

کیا اُس سے غلطی ہو چکی تھی؟ کیا اس کی غلط رہنمائی کی گئی تھی؟ تنہائی اور محرومی کے باعث، وہ تن تنہا یہاں چلا آیا تھا، یہ سوچتے ہوئے کہ کوئی اُسے اس طرح محسوس کروائے گا جیسا کہ آلوش کے ساتھ؟ اُسے کہیں بھی بجلی کی ساکٹ نہ ملی تھی، اُن خستہ حال بسوں پر نہیں، ان بس ڈپوؤں پر نہیں، نہ ہی فارمیسی میں۔ اس کا فون بند پڑا تھا۔ وہ کسی کو فون کر سکا نہ ہی چبھتے ہوئے آئی ڈراپس کے بارے میں گوگل کر سکا۔ سنی کے پاس کوئی رقم نہ تھی۔ اُس نے اپنے ساتھ بس اتنی رقم لی تھی جو کھانے اور ٹرانسپورٹ کے لیے کافی ہوتی۔ وہ اپنا ڈیبٹ کارڈ گھر چھوڑ آیا تھا، بالکل جیسے عوز نے ہدایت کی تھی۔ ''جب تم اُمہ تحریک پہنچو گے تو تمہیں رقم کی ضرورت نہیں ہوگی۔'' اس کے کزن نے یقین دلایا۔ ''وہاں ہر شے کی دیکھ بھال کر لی جاتی ہے۔''

سنی اُمہ تحریک کے بارے جانتا ہی کیا تھا؟ اُس نے بس برقعہ پہنے ایک پاکستانی لڑکی کی یوٹیوب ویڈیوز ہی دیکھی تھیں۔ چند ایک برادران نے بری سکائپ لائن پر اُس سے رابطہ کیا تھا۔ بس یہ تھا جس کے لیے وہ سب کچھ چھوڑ آیا تھا... اپنا گھر، اپنے پا، اپنی آسانیاں... اس لیے؟ وہ خود کو کھونے کے لیے کتنی دور نکل آیا تھا؟

یہ سب جاری رہا۔

چوبیس کی بجائے باون گھنٹے بعد موصل پہنچنے پر سنی کو اس کے کزن کے ساتھیوں نے خوش آمدید نہ کہا۔ اس کی بجائے وہاں بھی اُسے پورا ایک دن کمرے میں بند رکھا گیا۔ ترک امیگریشن افسروں کی طرح کسی نے اُس کا یقین نہ کیا۔ سیکیورٹی خدشات کے باعث اُس کے پاس کسی کا فون نمبر نہیں تھا، نہ کوئی حوالہ۔ ''ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ تم کون ہو؟'' جرمن لہجے، بے رنگ سنہری بالوں والے ایک برادر نے پوچھا جس کے بال صحرائی دھوپ میں ہلکے رنگ کے ہو گئے تھے۔ ''ہمیں کیا معلوم کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟''

''میں تمہارے لیے یہاں آیا ہوں۔'' سنی نے اپنے جلتے ہوئے حلق اور آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ کہا، ''میں یہاں اور کیا کروں گا۔'' وہ گندے حال میں تھا، وہ تھکا ہوا تھا۔ بیکٹیریا کی بیماری اور ان غلط آئی ڈراپس کی وجہ سے جو اُس نے حاصل کیے تھے، اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں جو وہ ترکی سے ساتھ لایا تھا۔

اُس نے اس کمرے میں اکیلے، اپنے مثانے کو سنبھالتے رات گزاری اور اس گرم چاکلیٹ کا سوچتے ہوئے جو اُس نے Gatwick میں کوسٹا کافی پر نہیں پی تھی کیوں کہ ایک گرم ڈرنک کے لیے تین پاؤنڈ اور دس پنس بہت مہنگے لگے تھے۔ اس گندے غلیظ کمرے میں وہ گرم چاکلیٹ کے لیے کیا نہ دیتا؟ اُس نے لندن کے اُس دن کا سوچا، سب کتنا آسان لگا تھا، شہریوں کو شمار کرنا اور پولیس والوں پر تصوراتی بندوقیں تان لینا۔ عوز کتنا بہادر تھا، سنی کتنا چاہتا تھا اُس کا سا یقین اور اُس کا سا اعتماد حاصل کرنا۔ اُس نے روزانہ ناشتے کے وقت اپنے باپ کی احساسِ خطا اور فنانشل ٹائمز کی پیشکش کو بہت یاد کیا۔ اُس موسیقی اور ڈرمز کو اور ڈی جے کو کس قدر یاد کیا جو اس سے عربی زبان میں بات کرتا تھا اور اپنی تمام بے ترتیب دھنیں ایک ہاتھ ہوا میں بلند کر کے بجاتا تھا، اللہ اللہ۔

''تم گھر سے بہت دور ہو گے۔'' عوز نے اُسے سٹیشن پر چھوڑتے ہوئے بتایا جہاں کبھی اس کے والد کام کرتے تھے۔ ''لیکن جنت کے قریب۔'' تم ایسے دوسرے بہت سے آدمیوں کے قریب ہو گے۔ جو بالکل تم جیسے ہوں گے۔ تمہیں خوش آمدید کہا اور گلے لگایا جائے گا۔ سنی کو اب یہ الفاظ یاد آئے اور اس نے خواہش کی کہ کاش وہ اتنا حاجت مند نہ ہوتا۔

اُس نے سوچا کہ کیسے یہ خیال اُسے آگے بڑھاتا رہا تھا، کیسے اُس کے باعث اس نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا تھا جن کے بارے اُس ادارک نہ تھا کہ اُسے اُن سے محبت تھی جب اُس نے وہ واحد گھر چھوڑ دیا جس سے وہ کبھی واقف رہا تھا... چاکلیٹ شیونگز اور کریم کے ساتھ پائپنگ ہاٹ چاکلیٹ Pret a Manger پر پران سلاد، جم اور کلبز... وہ تمام چیزیں جو اُس کے لیے خوشی اور آسائش رہی تھیں، اس تصور سے بدل گئیں کہ آدمیوں کا ایک گروہ اُسے پسند کرے گا، بنیادی طور پر۔ اور اُس رات سنی کو اپنا آپ احمق محسوس ہوا۔

اگلے روز جب دروازہ بجا اور آدمیوں کے بھاری قدم اُسے اپنی طرف بڑھتے محسوس ہوئے تو وہ جاگا۔ سنی نے اپنی قمیص کے بازو سے اپنا منہ صاف کیا، اس امید میں کہ سونے میں اس کی رال نہیں ٹپکی ہو گی۔

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' سنی کے سامنے ابو خالد کھڑا تھا، اس نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر میز پر یوں جمائے ہوئے تھے جیسے اس پر سے چھلانگ لگانے والا ہو۔ کمانڈر کی جیب سے فون بجنے کی ہلکی سی آواز آئی۔ سنی نے اُس آدمی کو دیکھا، اس کی ناک پر ضرب لگی تھی اور مڑی ہوئی تھی جیسے حال ہی میں

ٹوٹی ہو، اُس کے لمبے بال سخت اور گندے تھے۔ اپنی تھکن اور الجھن میں سنی نے یہ بھی خیال کیا کہ اُسے آدمی کی سانس سے الکوحل کا بھبکا اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ وہ لمبا سا پیرہن اور کھلی شلوار پہنے ہوئے تھا، سیاہ جوتے اور اسلحے سے لٹکتی ہوئی صدری۔ اس کی آنکھوں میں ایک خوب صورت سکون تھا۔ سنی نے اسے غور سے دیکھا۔

''کیوں کہ میں یقین رکھتا ہوں۔'' سنی نے کہا۔

حصہ دوم

اور ہم نے دوبارہ جنم لیا

2017ء

مونٹی

موصل، جنوری 2017ء

ابو خالد بون فائر کے سائے میں کھڑا ہوا اور اُس نے پُرشوق لڑکوں کو اپنے سامنے جمع ہوتے دیکھا۔ وہ پچھلے گھنٹے سے بغداد فون ملائے ہوئے تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے کنپٹیاں دبائیں۔ مہینوں سے ایسا ہی ہوتا آ رہا تھا۔ اُسے گھر فون کرنے سے خوف آتا تھا، اُس عراقی پاپ موسیقی کو سننے سے خوف آتا تھا، جو اس کی بیوی لبنیٰ نے رنگ ٹون کے طور پر ڈاؤن لوڈ کر رکھی تھی... وہ اُسے ہمیشہ کاظم الساھر کے گیتوں کے اشعار ٹیکسٹ کر رہی ہوتی تھی... اور جب لبنیٰ فون اٹھاتی تو ڈائل کی آواز سے خوف آتا تھا۔ جب شعلوں نے اُس کے تھکن زدہ چہرے کو حدت دی تو امہ تحریک کے کمانڈر نے الفاظ جمع کیے جو وہ پہلے بھی لاتعداد مرتبہ ادا کر چکا تھا۔

لڑکے جو موصل آ کر لڑنے کی خاطر سمندر پار کر آئے تھے، اپنے خاندانوں کو دھوکا دیا اور آرام دہ زندگیوں کو ترک کر آئے تھے، زندگیاں جن کا بیشتر حصہ آئی پیڈ کی سکرینوں اور ویڈیوز Consoles کے پیچھے گزرا تھا، ابو خالد سے زیادہ کم عمر نہ تھے لیکن انہوں نے اُسے خاموش عقیدت کے ساتھ دیکھا۔ بے یقین کہ وہ کیا کہے گا لیکن پُرجوش اس معانی کے لیے جو وہ اُن کی سادہ زندگیوں کو بخشے گا۔ آدمیوں نے احتراماً اپنی نگاہوں کا رخ موڑا جب ابو خالد نے جس کی چال میں ہلکی سے لنگراہٹ تھی، اپنی لنگڑی ٹانگ کو نیچے کرنے سے پہلے لمحہ بھر کو احاطے میں کھڑے ہوئے اپنے جسم کو ایک طرف جھکایا۔ چند قدموں میں کمانڈر کامیابی سے اپنے پیروکاروں کے عین درمیان کھڑا تھا۔

''تم میں سے کون اتنا حوصلہ مند ہے کہ اپنے طویل دن راتوں کو برادری کی شان و شوکت کے لیے قربان کر دے؟'' ابو خالد نے اپنے ریکروٹس سے رات کی جلتی آگ کی چمک سے روشن سورج سے جھلسے چالیس چہروں پر اپنی نگاہیں دوڑاتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

موصل کے مضافات میں ویران تربیتی کیمپ میں کمانڈر نے لڑکوں سے بات کی جب وہ رات کے کھانے میں چاول اور باسی عربی روٹی کھا رہے تھے، وہ حریص مگر جھجکتی بھوک کے ساتھ اپنے منہ میں چاول کے نوالے ڈالنے کے لیے سخت روٹی کو بیلچے کی طرح استعمال کر رہے تھے۔لبنیٰ معمول کے مطابق پریشان تھی۔ وہ سب کچھ خود نہ کر سکتی تھی۔ بغداد سے فون کرتے ہوئے وہ رو دی۔کیا اس لیے اس نے شادی کی تھی؟ کیا اس لیے اس نے سب مردوں میں سے اُس کا انتخاب کیا تھا؟

مونٹی خاموشی سے کھانا چباتا رہا تاکہ وہ کسی اہم بات سے محروم نہ رہ جائے۔ برادران نے بتایا کہ ابو خالد، امریکیوں کے حملے سے ذرا دیر پہلے ہی صدام کی فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ جیسے ہی آمر کے مجسمے ستونوں سے کھینچ کر اتارے گئے تھے، وہ منحرف ہو گیا اور ایک معروف امریکی صحافی کا ترجمان بن گیا۔مونٹی نے پہلے کبھی مدر جونز کے بارے میں نہ سنا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کون تھی اور عراق کیوں آئی تھی لیکن برادران کہتے تھے کہ وہ جب وہاں رہی تو ہمہ وقت ''تیل کے لیے لہو نہیں'' کا بیج پہنے رہتی تھی۔ اسی وجہ سے ابو خالد جانتا تھا کہ امریکیوں سے کیسے لڑنا تھا، کیوں کہ وہ کبھی ان میں سے ایک رہا تھا۔

''یہاں لاکھوں مردوں کا حوصلہ کس کے پاس ہے؟ کل نینوا کے صحرا کو پیدل کون عبور کرے گا؟'' کمانڈر نے اپنی بوسیدہ ہڈیوں سے اپنے ہتھیلیاں ملتے ہوئے خود کو کھڑے رکھا اور لڑکوں کی آنکھوں کا جائزہ لیا۔ وہ سب سیاہ رنگ پہنے ہوئے تھے، ماتم کا رنگ، اُن کا رنگ جو ابھی سپاہی نہ بنے تھے لیکن جو موت کے وعدے کو حقیقت کا روپ دینے شمالی عراق آئے تھے۔صرف ابو خالد ہی سبز اور خاکی پہنے ہوئے تھا۔صرف وہی ایسے آدمی کی چال ڈھال رکھتا تھا جسے آخرت سے کچھ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہو۔

پُرسکون ہو جاؤ لبنیٰ، ابو خالد نے اپنی بیوی سے کہا تھا۔لیکن لبنیٰ اس دنیا کو نہیں سمجھتی تھی، وہ اس غلیظ دنیا کو نہیں سمجھتی تھی اور وہ اس کے الفاظ نظر انداز کر کے ٹیلی فون پر چیختی چلاتی رہی۔ کمانڈر کے لیے آرام کا کوئی وقفہ نہ تھا، وہ لڑا اور اُس سے لڑا جاتا رہا، ہر محاذ پر۔

''ہر فوج کے اپنے پہرے دار ہونے چاہئیں۔'' کمانڈر جب تمام مردوں کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے تیزی سے اپنے چاول اور باسی روٹی چبا رہے تھے، اُس کا لہجہ نرم ہو گیا۔اُس نے اپنا فون ہوا میں بلند کیا، لائیو لیک کا پیج کھولا اور ایک برادر کو پراجیکٹر لگانے کے لیے بلایا۔

وہ رات جب ابو خالد نے اپنے آدمیوں کو نینوا تک 150 کلومیٹر پیدل چلنے کا کہا، اپنے دشمنوں کی نگاہوں تلے جو ہر جگہ تھے... تاریک زمین میں چھپے ہوئے، آسمانوں میں بے آواز تیرتے ہوئے... اُس نے ان سے جنگی حکمت عملی کے بارے میں بات کی۔ موصل کمانڈ سینٹر تھا لیکن یہاں امہ تحریک کا کام ختم ہو چکا تھا۔ جنگ ایک خاص حرکی توانائی پر منحصر تھی، ایک مسلسل بے رحم مومینٹم جو کبھی آہستہ نہ ہوتا تھا۔نوجوان باغی فوج کی فورسز جلد ہی قدیم آشوری قصبے میں جمع ہو جاتیں مگر اولین بہادر روحوں کو

آگے راستے کی اطلاع دینا ہوگی۔

لیکچر کے دوران، دن بھر کی تربیت اور مشقوں سے تھکن زدہ، لیکن اس سے زیادہ اپنے دل کے مجموعی بوجھل پن کے سبب، مونٹی کا دھیان اِدھر اُدھر ہوتا رہا۔ وہ اس کے لیے موزوں نہ تھا، اس میں سے کسی کے لیے بھی نہیں۔ شوٹنگ کے لیے نہیں، بھوکے رہنے کے لیے نہیں، کسی بھی جسمانی مشقوں کے لیے نہیں۔ جب اس نے سوچا کہ کیا وہ نئے شہر کی فتح تک جنگ میں بچ پائے گا اور کیا جو سودا اُس نے تقدیر کے ساتھ کیا تھا، وہ بہت بڑا تھا... وہ ایک شہری لڑکا تھا، آرام و استحقاق کا پروردہ، جنگجو نہیں، وہ آخر کیا سوچتا رہا تھا؟... ابو خالد نے آدمیوں کے لیے ایک ویڈیو چلائی۔

اور وہاں تھی وہ! سیاہ چادر میں، ملکوتی حُسن کی مالکہ، زور آور دجلہ کے زرخیز کناروں پر فخر سے کھڑی، وہ لیلیٰ تھی۔

کیا اُسے اس کی گاڑی میں بیٹھنا یاد تھا، سیٹ کے براؤن چمڑے کو تھامے اُس کے ہاتھ جبکہ اُس کا بدن تنا ہوا تھا، اپنے پھیپھڑوں کو پوری طاقت سے Strings کا گیت گاتے ہوئے؟ کیا لیلیٰ کو یاد تھا کہ کیسے مونٹی اُسے کراچی بھر میں گھماتا رہا تھا، سی ویو کی تارکول کی بھیگی سڑک پر، عبداللہ شاہ غازی کے مزار کی سبز روشنیوں کے پاس سے، کولونیل فوجی چوکیوں کے قریب سے، ملیر میں ٹرکوں کے سٹاپ کے پاس... جہاں سے شہر لیلیٰ کا ہو جاتا تھا، اُس کا نہیں... صرف اس لیے کہ وہ اپنے پسندیدہ بینڈ کے ساتھ ساتھ گاتی رہے؟ لیلیٰ مونٹی کا ہاتھ مائیکروفون کی طرح استعمال کرتے ہوئے تھامے رکھتی تھی، گاتے ہوئے اس کی انگلیوں کو اپنے ہونٹوں تک لے آتی تھی۔ اگرچہ لیلیٰ اپنی آنکھوں کو سختی سے بھینچ کر گاتی تھی، لیکن گاتے ہوئے وہ ہمیشہ انہیں کھولتی اور مونٹی کے طرف مڑتی اور اس کی آنکھوں میں جھانکتی تھی۔

صحرا کی ٹھنڈی ہوتی ریت پر مونٹی اکڑوں بیٹھا تھا اور اُس نے احساسِ تشکر میں آنکھیں بند کر لیں، جو کوئی خدا بھی وجود رکھتا تھا، اُس کے حضور خاموشی سے شکر کا اظہار۔ ابھی محض تین ماہ ہوئے تھے جب وہ اس خشک، قابلِ رحم بنجر سرزمین پر آیا تھا۔ اُسے ہمیشہ سے خبر تھی کہ وہ لیلیٰ کو تلاش کر لے گا، اپنی زندگی بھر کی محبت کو، حسین لیلیٰ۔ لیکن اپنے بے لگام ترین خوابوں میں بھی اُس نے یہ نہ سوچا تھا کہ وہ اتنی جلدی نہ سہی، اتنی آسانی سے دوبارہ مل پائیں گے۔

جب وہ کراچی بھر میں ڈرائیو کر رہے تھے، مونٹی نے ٹریفک لائٹس پر بھیک مانگتے یتیموں سے لیلیٰ کے لیے مرجھائے ہوئے گلاب خریدے اور اس کے بالوں میں سجانے کو یاسمین کا ہار اور کھڈا مارکیٹ میں اُس نے مونٹی کی سلور Audi کی کھڑکی سے چکن رولز آرڈر کیے تھے۔ بوٹ بیسن پر اُس نے کھلی سی سرخ ٹی شرٹس پہنے دبلے پتلے لڑکوں کو سیٹی ماری تھی کہ وہ اُسے بلوچ آئس کریم کپ میں لا کر دے، ہمیشہ پستہ فلیور۔ گانوں کے درمیان میں، وہ غیر روشن رہائش گاہوں سے گزرے، ڈیفنس کے ویران پلاٹس میں بوسہ لینے کے لیے رکتے ہوئے، مونٹی ڈرائیور سیٹ سے ذرا آگے ہو کر جھکتے ہوئے تا کہ

لیلیٰ کے ہونٹوں پر کراچی کی سمندری ہوا کے نمک کا ذائقہ چکھ سکے۔ لیکن یہ لیلیٰ جس کا اُس نے صحرا تک پیچھا کیا تھا۔ بالکل ہی مختلف لیلیٰ تھی۔

''ہم نینوا کے جھوٹوں کو نہیں چھوڑیں گے۔'' لیلیٰ نے ویڈیو میں اعلان کیا، اس کا لہجہ نرم اور نپا تلا تھا۔ ''ہم کسی آدمی، کسی بچے کو نہیں چھوڑیں گے جو ہماری راہ میں کھڑے ہونے کی جرأت کرے۔ جو سچ بولتے ہیں، وہی سچ کو دیکھ چکے ہیں، جان لو کہ لڑائی کا لمحہ آچکا ہے۔ تم میں سے وہ جنہوں نے کچھ نہیں کیا، وہ جو اپنے لوگوں کو چھوڑ چکے ہیں، ہم تمہیں معاف نہیں کریں گے۔ تم جنہوں نے اپنے آرام کے لیے ہر چیز پر سمجھوتہ کرلیا، یہ یاد رکھو، میرا تم سے وعدہ ہے، ایک روز ہمارے سپاہی تم سے بھی لڑیں گے۔''

کیمرا اُس کے چہرے سے ہٹا اور لیلیٰ کی شیریں و مدھر آواز کو مقدس پانی کے ساتھ ساتھ لے کر چلتے ہوئے مقدس دریا کو دکھانے لگا، اُس ارضی منظر کو جلد ہی ایک خونیں جنگ کا شکار ہونا تھا۔

''ابھی کہہ دو اور بچ جاؤ، لاالہ الااللہ، وہ جو خاتم النبیین کی پیروی کرتے ہیں، خدا کی سپاہ میں خدمات انجام دیں گے۔ سچ (حق) کا اعلان کرو اور سنائی دیئے جاؤ۔'' لاالہ الا اللہ، لاالہ الا اللہ۔''

اُس نے عربی الفاظ یوں ادا کیے جیسے وہ عمر بھر اُن کے لہجوں میں ہی بات کرتی آئی ہو۔ امہ تحریک کے معمولی سے تربیتی کیمپ میں... سیمنٹ کی دو بیرکیں جہاں ریکروٹس سوتے تھے، جو موصل مضافات میں رکاوٹی راستے کے دونوں اطراف بنائی گئی تھیں، رکاوٹی راستہ جو گڑھوں، رسیوں سے اوپر چڑھنے اور اہداف سے بنایا گیا تھا... مونٹی نے گندی دیوار پر پراجیکٹ ہوتی لیلیٰ کی ویڈیو دیکھی اور ششدر و پنج میں رہ گیا۔ جب سے وہ گئی تھی، وہ لیلیٰ کو وہمی انداز میں گوگل کرتا رہا تھا۔

لیلیٰ + عراق + کہاں

لیلیٰ + موصل

لیلیٰ + امہ + تحریک + خطرہ

لیلیٰ + خطرہ

لیلیٰ + ماضی

لیلیٰ + کراچی

لیلیٰ + امریکن سکول آف کراچی + ویڈیو

لیلیٰ + لڑائی + جہاد

لیلیٰ + مردہ

مونٹی نے لیلیٰ کو ہر جگہ تلاش کیا تھا۔ اُس نے اس کے چہرے کی تصویر کی تلاش میں موصل کیمپ میں بکھرے پرانے عربی اخباروں میں تلاش کیا... صفحات کو پلٹا، تحریروں کو حرف بہ حرف پڑھا، اُن لا یا (ل) کی تلاش میں جو اُس کا نام بناتے۔ اس نے آدمیوں کے درمیان تیرتی افواہوں کو سنا، سونے

کے لیے لیٹتے ہوئے گپ شپ کے ریزوں کی چھان بین کرتے، ہر پُرامید خبر پر غور وفکر کرتے ہوئے۔
برادران کا کہنا تھا کہ وہ لیلیٰ تھی اور اس کی وہ پہلی ویڈیو، جس نے امہ تحریک کے جنم کو متاثر کیا۔ لیکن مونٹی کو ان میں سے کسی بات کا یقین نہ تھا۔ وہاں تھا وہ! وہ لیلیٰ کے گرد رنگینی دیو مالا کا گواہ تھا، اسے ان اساطیری کہانیوں میں سے کسی کا یقین نہ تھا۔ وہ پرانی لیلیٰ کو جانتا تھا... اصلی لیلیٰ کو۔

مونٹی نے یوٹیوب اور لائیو لیک پر لیلیٰ کی تمام ویڈیوز دیکھیں، قدرتی مناظرہ کا جائزہ لیا، کسی سراغ کی تلاش میں اُس کے متلون مزاج کی خوشہ چینی کی کوشش کرتے ہوئے، اسے غور سے دیکھا۔ حتیٰ کہ اس کی لمبی گردن پر پردہ ڈالے بدوضع سیاہ عبایا اور اس کے دل کی شکل کے چہرے کے گرد سختی سے لپیٹے حجاب کے ساتھ بھی، اُس کی آئی لائنر سے پاک آنکھیں جسے وہ اپنی پلکوں کے اوپر چارکول کی طرح لگایا کرتی تھی، پھر بھی لیلیٰ غیر فطری طور پر خوبصورت تھی۔

مونٹی نے نوٹس کیا کہ حتیٰ کہ یہاں موصل میں بھی، جنگ اور دہشت کے عین درمیان بھی، لیلیٰ کی آنکھوں میں اُسی طاقت کی چمک تھی، جب اس نے اسے سیڑھیوں کے نیچے سرد جگہ پر بوسہ دیا تھا۔

جب ابو خالد نے مردوں سے پوچھا، کون لڑنے کو تیار ہے؟

تم میں سے کون خوف سے عاری دل کا مالک ہے؟ کون صحرا کو پیدل عبور کرے گا، صرف اُن ہتھیاروں سے مسلح جو وہ اٹھا سکے گا اور صرف خدا تعالیٰ کی حفاظت میں؟

برادران داد و تحسین میں چلائے اور کلاشنکوف سے ہوائی فائرنگ کی۔ لیکن ابو خالد جب اپنی صحت مند ٹانگ پر سیدھا ساکت کھڑا تھا، صرف دو ہاتھ کھڑے ہوئے، مونٹی اور سنی کے ہاتھ۔

''تم کہاں سے آئے ہو؟'' ابو خالد نے اپنے تھکن زدہ چہرے پر سے پسینہ پونچھتے ہوئے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ ''تم ہماری جدوجہد میں شامل ہونے کے لیے کس کو چھوڑ کر آئے ہو؟''

دنیا... مونٹی کہنا چاہتا تھا، میں نے یہاں آنے کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا ''پاکستان۔'' اس کی بجائے اس نے جواب دیا۔ باقی تمام آدمی اپنی بیرکوں میں جا چکے تھے، کمانڈر کے سامنے صرف مونٹی اور سنی ہی کھڑے تھے۔

ابو خالد نے اداسی سے سر ہلایا۔ ''ایک حقیقی ملک۔'' کمانڈر نے اس تھکن کے بغیر بات کی جو اس کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔ ''گوریلا جنگ اسی طرح لڑی جاتی ہے، پیادہ سپاہیوں کے بل پر۔ پیادہ دستے جن کے پاس علاقے کا مکمل علم ہو۔ یہ لمبا سفر ہے۔'' اُس نے لڑکوں کو متنبہ کیا، ''مگر تین کلومیٹر فی گھنٹہ، ایک دن میں دو شفٹس... صبح سویرے اور رات کے پردے میں... تم ایک ہفتہ میں وہاں پہنچ جو گے۔'' مونٹی نے بھرپور کوشش کی ابو خالد نے جو کہا تھا، اُسے تحریر کیے بغیر یاد کر لے۔ انہیں بس دیکھنا، مشاہدہ کرنا تھا۔ نینوا سے پہلے ہی انہیں ایک پیغام رساں مل سکتا تھا... کمانڈر نے اسے اس کے عربی نام سے پکارا، نینوا... اور اس سے پہلے کہ وہ اپنا حملہ شروع کرتے، انہیں کچھ بھی ضروری سامان بہم پہنچایا

جا سکتا تھا۔

وہ صبح سویرے روانہ ہو جائیں گے۔ جب وہ علاقے کا سروے کر لیتے، بہ شرط یہ کہ وہ کوئی ایسا پیغام نہ بھیجتے کہ راستے کی حالت خراب تھی، ابو خالد اور باقی باغی ZPU-4، جہاز شکن توپوں کے تکنیکی اسلحے سے مسلح ٹیکنکل (مسلح گاڑیوں) میں ان کے پیچھے آ جاتے، جو انہوں نے حال ہی میں فلوجہ سے لوٹے تھے۔ ان میں سے کچھ Humvees اور BMPs پر سفر کرتے اور باقی KrAZ-6322 ٹرکوں پر۔ ابو خالد نے انہیں یقین دہانی کروائی کہ صرف مونٹی اور سنی ہی پہلے جنگجوؤں کے طور پر سفر کرتے... ان کے فانی جسم ڈھال اور ان کی آنکھیں ستاروں کا معائنہ کرتی ہوئیں۔

کمانڈر نے توقف کیا، اپنے ہاتھ آگ پر تاپے اور اسی دوران اپنے ایک نائب کو اشارہ کیا... شعلوں پر اپنی انگلیوں کو موڑتے ہوئے... کہ مزید لکڑیوں کی ضرورت تھی۔ نصف شب کو آگ جلانے کی لکڑی کی تلاش میں ایک برادر تاریکی کی سمت میں دوڑا۔

''تمہارا نام؟''

مونٹی تربیت کے آغاز کے وقت سے ابو خالد کو کوئی دس مرتبہ اپنا نام بتا چکا ہوگا اور ہر مرتبہ کمانڈر نے اُسے اتنی دیر تک ہی یاد رکھا کہ جب وہ اس کی سرزنش کرتا۔ یا مصطفیٰ، ابو خالد نے شوٹنگ کے لیے مونٹی کا کھڑے ہونے کا انداز درست کرتے ہوئے واویلا کیا اور اس کے نشانے کا ماتم کیا۔ یا مصطفیٰ، تمہیں گولی چلاتے ہوئے اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہیں۔ یا مصطفیٰ، کاش کہ تم دوسری جانب سے لڑ رہے ہوتے۔ یا مصطفیٰ، کیا تم نے پہلے کبھی گن نہیں چلائی؟ بچپن میں بھی نہیں؟

لیکن ہر مرتبہ جب انہوں نے بات کی، کمانڈر نے مونٹی کو یوں دیکھا جیسے اُسے اُس کا تقریباً یقین ہو۔ تقریباً، مکمل نہیں۔

''مصطفیٰ۔'' مونٹی نے جواب دیا، ''میرا نام مصطفیٰ ہے۔'' اُسے عراق میں اپنا اصل نام استعمال کرنا پسند نہ آیا۔ ہر کوئی حتیٰ کہ اُس کی ماں بھی اُسے مونٹی ہی پکارتے تھے اور وہ اب اسے اپنے اور ان آدمیوں کے درمیان رکاوٹ کے طور پر استعمال کرتے ہوئے، اسی نام سے چمٹا ہوا تھا۔

ایک راز کا وزن کتنا تھا؟

بعض دنوں مونٹی اس کے بوجھل پن تلے دشواری محسوس کرتا، یوں جیسے کوئی تاثر، کوئی آہ، بظاہر کسی بے تعلق سوال کا دیا گیا غلط جواب اُسے دھوکا دے جاتا۔ دوسرے روز وہ اسے کسی کھلے پھل کی طرح اپنی ہتھیلی میں تھامے رکھتا اور اعتماد سے انتظار کرتا، پُریقین کہ کوئی بھی سچ کے قریب نہ پہنچ پائے گا۔ انار کے دانوں کی طرح کوئی بھی اتنے بیج نہ توڑ پائے گا کہ پوری طرح ذائقہ، ایک خاص رس حاصل کر سکے۔ لیکن پھر بھی، اُسے محتاط رہنا تھا۔

''ایک روز تم واپس لوٹو گے، مصطفیٰ۔ ایک روز تم خراسان میں ہمارے لوگوں کی قیادت کے

لیے ہماری تحریک کو بڑھاؤ گے۔''

وہ کمانڈر کے فون کو اس کی جیب میں، Silent پر بجتے محسوس کر سکتا تھا۔

مونٹی نے واپس گھر جانے کا نہیں سوچا، اپنا پاکستانی پاسپورٹ جلانے کے بعد نہیں، آگ میں جلتا ہوا اس کا سبز رنگ، جب اُس نے آخر کار ترکی میں اپنا تزکیہ کر لیا۔ ''تم اب امہ تحریک کے ہو۔'' ابو خالد نے کہا، جس نے اس روز اپنے نئے ریکروٹوں کو مبارک دی جب انہوں نے ایک ایک کر کے ریت میں آہستگی سے سلگتی دستاویزات کے ڈھیر میں اپنے پاسپورٹ اچھالے تھے۔ ''تم ہماری نئی دنیا کے پہلے بیٹے ہو۔ اب یہ تمہارا گھر ہے۔'' ابو خالد نے اپنی مٹھی کو سختی سے بند کر کے اپنے دل کے مقام پر رکھتے ہوئے کہا۔ مونٹی کو برادران کا یہ کہنا یاد آیا کہ سنی نے اپنا پاسپورٹ آگ میں نہیں پھینکا تھا، اُس نے کہا کہ وہ عرصہ پہلے ہی اسے جلا چکا تھا، اُسی روز جب وہ عراقی سرزمین پر پہنچا تھا۔

''یہاں یہ واحد پناہ گاہ ہے جو اب تمہارے پاس بیرونی دنیا کی تباہیوں کے خلاف واحد حفاظت ہوگی۔ اب کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔'' مونٹی کو یوں لگا جیسے ابو خالد اپنے آنسوؤں پر قابو پا رہا تھا۔ ''اب کسی چیز کی اہمیت نہیں، کسی کی نہیں۔''... مٹھی سختی سے اس کے سینے پر... ''لیکن یہ۔'' اُس لمحہ مونٹی کو سمجھ آئی کہ کیسے شکستہ دلی کے باعث مرنا ممکن تھا۔

اُس نے اپنا امریکی پاسپورٹ نہیں جلایا تھا۔ وہ اُسے گھر ہی اپنے باپ کی تجوری میں چھوڑ آیا تھا، ضرورت پڑے تو۔ اُس نے خواہش کی کہ کاش وہ اتنا بہادر ہوتا کہ اُسے بھی جلا دیتا، لیکن مونٹی میں حقیقی جرأت کی کمی تھی، سچی جرأت، اور وہ جانتا تھا کہ اُسی کے باعث اُس نے لیلیٰ کو کھو دیا تھا۔

ان پہلی مرتبہ میں سے جب انہوں نے رات دیر گئے تک باتیں کیں، اُسے یاد تھا۔ مونٹی اپنے کمرے میں سیاہ چادر پر لیٹا تھا۔ اس کا اے سی فین پر تھا اور اس کے چھوٹے سے صاف ستھرے پالش شدہ کمرے میں ٹھنڈی ہوا دے رہا تھا، اور دبئی میں خریدے گئے Bose سپیکرز بلند آواز پر چل رہے تھے تاکہ نصف شب اس کی ماں فون پر اس کی آواز نہ سن سکے۔

''اگر تم میں کوئی جرأت ہوتی...'' لیلیٰ نے اُسے دھیمی آواز میں تنگ کیا تھا، ''تم اس وقت یہاں میرے ساتھ ہوتے، شہر میں اتنی دور، اپنے بیڈروم میں ٹیلی فون کے پیچھے نہ چھپے ہوتے۔''

مونٹی ہنس دیا تھا۔ وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا؟

اس کی فرانسیسی طرز کی کھڑکیوں کے باہر، رات کو چوکیدار نے سیٹی بجائی جو اپنی پرانی چرچراتی سائیکل پر شام سے صبح کاذب تک ان کے کلفٹن کے علاقے میں چکر لگاتا رہتا تھا۔ مونٹی ان سیٹیوں کے دوران لیلیٰ کے ساتھ جھٹ پٹے میں گزارے گھنٹے شمار کیے، ایک گھنٹہ، دو گھنٹے، تین گھنٹے۔ وہ ہنس پڑا، لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ سچ تھا، اس میں کوئی جرأت نہ تھی۔ اور بدقسمتی سے، لیلیٰ بھی یہ جانتی تھی۔ ''ایک آدمی رات بھر جاگتا ہے، دائروں میں پیڈل مارتا رہتا ہے، صرف اس لیے کہ تم خود کو محفوظ محسوس کرو؟'' مونٹی بتا

نہ سکتا تھا کہ لیلیٰ کی آواز کس سبب بلند ہوئی تھی، متاثر ہو کر یا پھر تکلیف سے۔ یہ اتنی بڑی بات نہ تھی، اسے تنخواہ اور سب کچھ ملتا تھا، مونٹی نے جواب دیا، ہر علاقے میں ایسا کوئی شخص ہوتا تھا۔ لیلیٰ لمحے بھر کو خاموش ہوگئی۔ ''میرے علاقے میں نہیں۔'' اُس نے کہا تھا۔

''ابو خالد؟'' سنی نے مداخلت کی۔ وہ سارا وقت وہاں کھڑا کمانڈر کو دیکھتا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ اس کی کمر کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ ''کل کے متعلق؟''

''اس بارے میں کیا، سنی؟''

سنی؟ ابو خالد کو اس کا نام کیسے یاد تھا؟ کیا وہ دونوں پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے تھے؟

مونٹی نے ابھی سنی سے بات نہیں کی تھی اور سنی نے اس سے اُس لانگ مارچ کے متعلق کچھ نہ کہا تھا جس پر ان دونوں کو ساتھ نکلنا تھا۔ سنی الگ تھلگ ہی رہتا تھا، دوسرے رنگروٹوں میں سے کم ہی کسی سے گھلتا ملتا تھا۔ وہ ان BBCD's میں سے بالکل نہ لگتا تھا جن سے مونٹی کا لندن میں سامنا ہوا تھا۔ جب کیمپ کے باورچی نے دو گندی سی میزیں تیار کیں، ہر شام بون فائر کے قریب، دلیے (حریرہ) اور باسی روٹی کا کھانا پیش کرنے کی خاطر، مونٹی نے نوٹس کیا کہ سنی دوڑ کر پہلے کھانا لینے نہ جاتا تھا۔ وہ بھوک کے بوجھ سے آزاد آہستہ آہستہ بے پروائی سے چلتا تھا۔ سنی میں ویسی عجلت نہ تھی جو بیشتر برٹش پیدائشی الجھن زدہ دیسی لوگوں میں ہوتی تھی... اسے پہچانے یا پسند کیے جانے میں بظاہر ایسی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مونٹی نے اسے تربیت کے دوران دیکھا تھا اور وہ سرد عزم دیکھا تھا جس سے سنی گرینڈ رینج میں رینگ کر اُدھر اُدھر پھرتا تھا، ہدف کی مشق میں روزانہ سب سے زیادہ نمبر لیتا تھا۔ اور اس نے خصوصی رشک کے ساتھ دیکھا کہ جب سنی نے اپنی پہلی ہی بار میں ذلت آمیز فزیکل فٹنس رکاوٹ کورس پاس کر لیا۔ لمحے بھر کو، مونٹی کو تشویش ہوئی کہ سنی جیسے اتنے پُریقین، اتنے ٹھنڈے دل و دماغ کے سپاہی کے ساتھ وہ کیسے چلے گا۔ لیکن اُس نے اس سوچ کو اپنے سر سے جھٹک دیا۔ اس سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ جتنا خوف زدہ مونٹی تھا، اگر لیلیٰ کی تلاش کی بات تھی تو وہ نینوا تک اکیلا ہی جا سکتا تھا۔

جب وہ کمانڈر کے سامنے وہاں کھڑے تھے، مونٹی کو پریشانی ہوئی کہ کتنے اشتیاق سے سنی نے مارچ کے لیے رضا کارانہ خدمات پیش کرتے ہوئے اپنے بازو ہوا میں لہرایا تھا۔ وہ اتنی شدت سے کیوں جانا چاہتا تھا؟

انگشتیا سے ایک دبلا پتلا برادر، کریموف اُن کے قریب سے گزرا اور بجھتی آگ میں لکڑیوں کا ایک گٹھا پھینک دیا۔ وہ دوبارہ بھاگ گیا اور Foil سے ڈھکے ڈبوں سے بھری ٹرے کو سنبھالتا ہوا واپس آیا، بوتلوں میں بند پانی اور سافٹ ڈرنکس۔ اس کے پیچھے ہوا میں تیرتی بھیڑ کے گوشت کی خوشبو آئی، جو اس کے کمانڈر کے خیمے میں گھس جانے کے بعد بھی وہاں پر تیرتی رہی۔

''کچھ مزید ہدایات، کمانڈر؟'' سنی نے پوچھا۔

''جان سے مت مارے جانا۔'' ابو خالد نے جیب سے فون نکالتے ہوئے گہری سانس بھری۔ وہ جب سے بون فائر کے قریب کھڑے تھے، وہ سارا وقت بجتا رہا تھا۔ کمانڈر نے اپنے چہرے پر پھیلتی اداسی کے ساتھ اپنے پیغامات پڑھے۔

ایک اور برادر گلاب کی پتیوں کی خوشبو والا ٹشوز کا پیک اٹھائے آیا اور چپکے سے کمانڈر کے کان میں کچھ کہا۔ مونٹی نے اُسے اپنی جیب سے نکال کر ابو خالد کو چپکے سے کچھ تھماتے دیکھا۔ کمانڈر نے وہ پکڑا، آہستہ سے لنگڑاتے ہوئے اپنے خیمے کی طرف بڑھا اور اندر غائب ہو گیا۔

مونٹی نے سنی کو دیکھا، اس لباس کو نوٹس کیا جو اس پر موزوں نہ بیٹھتا تھا... وہی ایک جو کہ وہ روزانہ پہنتا تھا۔ اُس کی شرٹ اُس کے سائز سے کہیں چھوٹی تھی اور کارگوٹراؤزر پہنچوں سے گھسا اور پھٹا ہوا تھا۔

مونٹی نے بے آرامی سے اپنی قمیص کو کھینچا، بالکل نئی اور اس میں صحرا کی رات کی ٹھنڈک کے لیے ایک تھرمل لائننگ بھی تھی۔

وہ سنی سے بات کرنے کے لیے بڑھا۔ سمجھ آتی تھی کہ انہیں کم سے کم چند الفاظ کا تبادلہ کرنا چاہیے تھا اور بات چیت کرنی چاہیے تھی کہ وہ آگے کیسے بڑھنے والے تھے۔ مگر جس دوران مونٹی نے الفاظ ترتیب دینے کی کوشش کی کہ اُسے کیا کہنا تھا، سنی نے اس کی جانب دیکھ کر تیزی سے سر ہلایا اور اپنے ہاتھ اپنے کارگوٹراؤزر کی جیب میں ڈال کر وہاں سے نکلنے لگا۔

''سنی؟'' مونٹی نے اس کے عقب سے پکارنے کی جرأت کی، سنی رکا اور اس کی جانب دیکھنے کو رخ موڑا۔ ''کیا ہمیں کل سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے؟''

سنی ایک منٹ اپنی نگاہ احتیاط سے مونٹی کے اوپر سے نیچے کی طرف ڈالتے ہوئے، شک سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔ ''ہاں۔'' سنی قریب آیا نہ ہی اپنے ہاتھ جیبوں سے باہر نکالے۔ بولتے ہوئے اس نے مونٹی کی نگاہوں میں سیدھا نہ دیکھا۔ ''کل۔''

سنی نے اپنی عقبی جیب سے اپنا فون نکالا اور آگے بڑھ گیا۔ مونٹی بیرکوں کی طرف بڑھا، جہاں وہ سخت چارپائی پر چند گھنٹے سوتا۔ صبح اپنی روانگی سے پہلے وہ خود پر اعتماد کرنے اور اس مشن کے لیے منتخب کیے جانے پر ابو خالد کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ وہ لیلیٰ کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ کیا نینوا کے دروازوں پر وہ اُسے اور سنی کو ملے گی؟ کیا کوئی خاص پیغام تھا جو اُسے لیلیٰ تک پہنچانا تھا؟ مونٹی کے پاس بہت سے سوالات تھے... وہ کیسی تھی؟ کیا وہ جانتی تھی کہ وہ اُس کے پاس آرہا تھا؟ کیا اُس نے اُسے طلب کیا تھا؟

لیکن مونٹی، لیلیٰ کو کیا کہہ کر پکارے گا؟ وہ اُسے اُس کی کسی بھی عرفیت سے پکارنے پر خود کو مائل نہ کر پایا... دمشق کی دلہن، دختر جہاد، فخر شہدا، جدوجہد کی بھانجی۔ وہ بالکل سمجھ نہ پایا کہ لیلیٰ، جو اس قدر

Cool تھی، اُس نے ایسے مضحکہ خیز ناموں کو پھیلنے کی اجازت کیوں کر دی تھی۔ لیکن ''بہن'' کہنے کے امکان پر وہ اُسے ان میں سے کسی بھی نام سے پکارنے کو ترجیح دے سکتا تھا۔

ابن عثمان نے مونٹی کو بتایا کہ یہاں لیلیٰ واحد ''بہن'' تھی جو اپنا چہرہ ڈھک کر نہیں رکھتی تھی۔

سیم، اردنی تھا، جیسا کہ اس کا اصرار تھا اردن نژاد آسٹریلوی۔ بیشتر برادران کا ہم عمر... بیس اکیس سال کا... لیکن وہ زیادہ عرصہ سے یہاں تھا، تقریباً سال بھر سے، اور اپنے سینئر ہونے پر سنجیدگی سے فخر کرتا تھا۔ ابو خالد چاہتا تھا کہ دنیا لیلیٰ کو دیکھے، سیم نے کہا کہ وہ دنیا کو اس تحریک میں شمولیت اختیار کرنے والی عورتوں کی کوالٹی دکھانا چاہتا تھا۔ وہ صرف گھر سے بھاگنے والی پستہ قامت برٹش لڑکیاں ہی نہیں تھیں، خاوندوں کی متلاشی، اداس تنہا لڑکیاں ہی نہیں بلکہ حقیقی عورتیں، آزاد عورتیں۔ حقیقی جنگجو۔

سنی

سرد اور تاریک خاموشی میں ... اتنی سرد اور اتنی تاریک کہ یہ روح پر بوجھ بن رہی تھی، اُس بخار کی طرح بوجھل جو ٹوٹ نہ رہا ہو... سنی نے اپنا فون آن کیا۔ گرم رہنے کی کوشش میں وہ اپنے ہاتھ آپس میں رگڑتا ہے، جب وہ آئی فون کو اپنے سامنے کسی ہالے کے طرح روشن ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ صحرا کی رات کا پُراسرار سکوت لگاتار، غیر منتشر ہے۔

اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ تاریکی کی عادی ہوتی ہیں، اُس ہڈیوں کو چٹخاتی ہوئی ٹھنڈک کو پلکیں جھپکا کر بھگاتے جو اپنے اندر گہرائی میں وہ محسوس کرتا ہے۔

پاس ورڈ 786۔

والیم، آف۔

صبح کے پانچ بجے ہیں، ان کے چلنے کا وقت، مگر مونٹی ابھی تک سویا ہوا ہے۔ وہ نیند میں کسی لڑکی کے نام کی آہیں بھر رہا تھا۔ رات بھر... لیلیٰ، لیلیٰ، لیلیٰ۔

آخر کون ہے یہ لیلیٰ؟

سنی اپنے جسم کی ختم ہوتی حرارت کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے کروٹ لے کر اپنے پیر کے انگوٹھے ریت میں گاڑتے ہوئے گھٹنے اپنے سینے تک موڑ لیتا ہے۔ اس کا بیگ اس کے سر کے نیچے ہے، اس کے پاس یہی ہے، جو وہ پہنے ہوئے ہے۔ سنی جمیل کے پاس خود کو اوّلین صبح کی خنکی سے بچانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، جب تک سورج نکل نہیں آتا، تب تک کے لیے کچھ نہیں۔

وہ اپنی میل دیکھتا ہے، اسے ری فریش کرنے کی کوشش میں صفحہ نیچے کرتے ہوئے، جب وہ اپنے فون ڈیٹا کے ایکٹیویٹ ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ 2G یہ کہتا ہے، قبل اس کے کہ غائب ہو کر دوبارہ EDGE پر چلا جائے۔ سنی صفحہ کو دوبارہ فریش کرتا ہے، منتظر کہ ای میل ڈاؤن لوڈ ہو جائیں، اگرچہ واحد شے جو اسے ای میل لکھ رہی ہے جب سے وہ یہاں سے آیا ہے، کمپیوٹر ہے، شہر میں نوکریوں کی دھڑا دھڑ ای میلز پھینکتے ہوئے۔ آج کی پیشکش ہے HSBC میں HR پوزیشن، پانچ عدد low-end ہائی سٹریٹ بینکنگ کی

پوزیشنز... زرشمار (Teller)، مشیر، ڈائیورسٹی آفیسر (اس کا جو بھی مطلب ہو)۔ ای میلو سے اس کے باپ کی تمام امیدوں اور اندیشوں کی بُو آتی ہے، خوابوں کا وہ قیمتی کارگو۔

لیکن اُس کے پانے اُسے جیسے بھی دھمکایا اور بلیک میل کیا ہو، سنی نے اُس دنیا میں اپنی جگہ کے لیے کبھی لڑائی یا تگ ودو نہیں کی، جس کے کھوکھلے اور خالی ہونے کا فیصلہ دینے کے لیے اُس کے پاس اعتماد تھا۔

یہ عوز نے اُسے سکھایا تھا۔

مونٹی اُس کے سامنے بنجر ریت پر سوتے ہوئے ہلکے سے خراٹے لے رہا تھا۔ اس کا منہ ڈھیلا سا تھا۔ ہفتوں سے اس نے شیو نہیں کی تھی، مگر اس کا چہرہ ابھی تک صاف تھا، بس اس کے جبڑے کے ساتھ ساتھ بالوں کے کچھ گچھے سے تھے، اپنے بچگانہ سے چہرے پر وہ یہی اگانے میں کامیاب ہو پایا تھا۔ اپنے رخسار پر بہتی رال کو صاف کرنے کے لیے اس نے اپنا نرم، مینی کیور شدہ ہاتھ اوپر کیا اور اپنے آپ میں آہ بھرتے، کراہتے ہوئے سنی کی طرف سے رخ پھیر لیا۔

آہستہ آہستہ ابھرتے ہوئے جلد ہی سورج طلوع ہو جائے گا۔ وہ گزشتہ روز رات دیر تک چلتے رہے تھے اور آج ان کا نینوا کی جانب مارچ کا پہلا مکمل روز تھا۔ انہیں اپنے اوقاتِ کار کے پہلے حصے کے لیے حرکت میں آنا تھا، صبح 5 سے 10 تک چلنا تھا۔ پھر وہ آرام کرتے اور شام کو جھٹ پٹے کے وقت دوبارہ چلنا شروع کرتے اور رات دیر گئے تک چلتے رہتے۔ یہ ان کا پہلا باقاعدہ دن تھا لیکن اس رفتار سے اُس سارے معاملے میں پانچ روز لگنا چاہیے تھے، a week tops۔ انہیں پہلے ہی حرکت میں آجانا چاہیے تھا، لیکن ذرا سا سکون اور خاموشی، مونٹی کے لگاتار سوالوں سے ذرا سی خاموشی کسی کی جان لینے والی نہیں تھی۔

سنی نے ای میل بند کی اور اپنی Apps پر نظر دوڑائی۔ فولڈر میں سکرول کرتے اسے لمحہ بھر لگا اور اسے وہ مل گیا۔ اُس نے ٹنڈر (Tinder) کھولا اور اپنا پروفائل پیج نکالا۔ سنی کے Jail-broken آئی فون نے اسے اپنی لوکیشن میں پورٹسماؤتھ رکھنے دیا تھا، اگرچہ وہ گھر سے میلوں کے فاصلے پر تھا۔

لیکن اس کا ڈیٹا کنیکٹ نہیں ہو رہا۔ سنی گہری سانس بھر کر سیٹنگز میں جاتا ہے۔ وہ اپنے فون کو ایک لمحے کو فلائٹ موڈ پر کرتا ہے اور پھر اسے آف کر دیتا ہے۔ اس کی Apps بڑی دقت سے لوڈ ہوتی ہیں۔

وہ اسی لیے ڈسکوری کو آن رکھتا ہے، یوں جب وہ صبح جلدی اٹھے گا یا رات کے لمحات میں، جب دنیا ساکت ہوگی، کچھ بھی بھاگ نہ رہا ہوگا، کچھ بھی ابھر نہ رہا ہوگا، بس خاموشی... کسی فلمی خاموشی کی طرح، جہاں صحرا کی ریت کی لہروں میں صرف ہوا سیٹی بجاتے گزر رہی ہوگی، حقیقت میں سیٹی بجاتے ہوئے... سنی جہاں چاہتا ہے، وہاں ہو سکتا ہے۔

وہ صرف ایک منٹ کے لیے لاگ آن کرتا ہے، صرف آلوش کی تلاش میں۔ لیکن وہ وہاں نہیں

ہے۔ وہ نہیں ہوگا۔

''کیا میں کچھ بول رہا تھا؟'' مونٹی اپنے بیگ سے سر اٹھتا اور گڈ مڈ انداز میں کہتا ہے، اس کی آواز اب بھی نیند میں بوجھل ہے۔ وہ اپنے لمبے بالوں میں انگلیاں چلاتا ہے، وہی ہاتھ جس پر لمحہ بھر پہلے رال لگی تھی اور جو ریت میں گڑا ہوا تھا، بے وقوف، وہ اپنی کہنی کے بل ذرا سا اٹھتا ہے۔ ''تم اتنی جلدی کیسے جاگ گئے؟''

''تم کیوں پوچھ رہے ہو، باس؟''

مونٹی کراہتا ہے اور سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ ''آئی ایم سوری، سنی۔'' وہ زیر لب بڑبڑاتا ہے، ''مجھے یہاں باہر سونے میں بڑی مشکل ہوئی۔'' صحرا کے ٹیلوں سے ہلکی سی ہوا یوں گزری جیسے پانی میں سے پتھر اسے منتشر کرتے ہوئے گزرتا ہے۔

سنی سر ہلاتا ہے، مونٹی کو Mute کرتے ہوئے اپنے بیگ میں سے Beats ائیر بڈز تلاش کرتا اور انہیں لگا لیتا ہے۔ ابھی جاگا ہے اور گن فائر کی طرح شروع بھی ہو گیا۔

وہ ٹنڈر سے نکل کر Scruff میں جاتا ہے، فولڈر کے اندر فولڈر میں جاتے ہوئے، اسے ڈبل گلیز کرتے ہوئے تاکہ وہ نظر سے غائب ہو جائے۔ Scruff کی کثیر الثقافتی Vibe کا مطلب ہے کہ ستاروں کے غائب ہونے اور آسمان پر پرندوں کے گشت کے آغاز سے پہلے وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر سفر کر سکتا ہے۔ لندن، پیرس، بیروت، نیروبی۔ لیکن آلوش ان شہروں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔ سنی چیک کرنے سے پہلے ہی یہ جانتا ہے۔

مونٹی کھڑا ہوتا اور اپنے بیگ سے ایک مسواک نکالنے کے بعد اپنے ہاتھ پیر پھیلاتا ہے۔ وہ مسواک اپنے دانتوں کے درمیان پھنساتا ہے کسی Cigarillo کی طرح، اپنے بوٹ پہننے کے دوران اسے چباتا رہتا ہے۔

سنی فیس بک کھولتا ہے اور پھر اپنی وال پر سکرول کرتے ہوئے دنیا بھر سے مسکراتے، فلٹرز سے بوجھل، کانسی رنگ، گورے چہرے دیکھتے ہوئے اسے عوز نظر آتا ہے۔ دن کی طرح واضح، وہ عوز کا چہرہ دیکھتا ہے۔

''The Fuck؟'' اسے جھٹکا لگتا ہے۔

''سب ٹھیک ہے؟'' مونٹی، سنی کی طرف پشت کر کے کسی حبس زدہ جھاڑیوں میں پیشاب کرتے کھڑا ہو جاتا ہے۔ سورج کا نارنجی پن آسمان پر آہستہ آہستہ لہو رنگ ہوتا ہے۔ ''کچھ ہوا ہے کیا؟''

یہ ایک غلطی ہے، غلطی ہی ہو گی۔ ایک پرانی پوسٹ، ری سائیکل ہوئی، کوئی اس کے اکاؤنٹ میں گھسا۔ سنی اب کئی مہینوں سے عوز کو لکھ رہا تھا، جب سے وہ یہاں آیا تھا... ٹیکسٹ، ای میل، ورکس... لیکن اس کا کزن روئے زمین سے غائب ہو گیا تھا، غائب۔ ماضی کا حصہ۔ ختم۔

عوز کا ٹوئیٹر اکاؤنٹ بند تھا، فیس بک صاف ہو چکی تھی، کہیں بھی زندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔ یوں جیسے سنی نے اُسے بس تصور میں دیکھا تھا، اُس کا اپنا خون، ایسا واحد شخص جسے وہ جانتا تھا جس نے لندن میں ایک نہیں دو پولیس والوں کی جانب انگلی سے بندوق تاننے کا اشارہ کیا تھا۔

سنی نے حتیٰ کہ عوز کے غائب ہونے کے پانچ ہفتے گزر جانے کے بعد گھر بھی ای میل کی، گھبرا کر، صرف یہ یقین دہانی حاصل کرنے کو کہ کچھ برا نہ ہوا تھا مگر پا اُس سے بات نہیں کر رہے تھے۔

سلیمان جمیل... پا نے اپنی آخری ای میل میں لکھا تھا... جب تک تم وہاں ہو، میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ جب تک کہ تم میری حکم عدولی کرو گے، تم میرے لیے مرے ہوئے ہو۔

اس قسم کے والدین کے سرد پن کا تصور کریں... اس قدر منجمد۔ نافرمانی پر اپنی اولاد کی موت کی خواہش۔ پا نے سنی کو اُس کی سالگرہ پر بھی کوئی پیغام نہ لکھا۔ جب اُس نے اُن کی سالگرہ پر پیغام بھیجا تو شکریہ تک کا جواب نہ لکھا۔

سنی اپنے فون کو گھورتا ہے۔ عوز واپس آ چکا ہے۔ وہ اپنے کزن کے چہرے پر کلک کرتا ہے۔ اس کا پیج اب فریش اَپ ہو چکا ہے، نیا بیک گراؤنڈ، نیا بائیو، نئی البمز، نئی تصویریں، نیا عوز، عزیز شفیع، وہ اب بن چکا ہے، اب عوز نہیں، نہ ہی عوزی۔ سنی عوز کے پیج پر نظر ڈالتا ہے۔ وہاں صرف ایک نئی پوسٹ ہے۔ اور سب سے اوپر کچھ ہیوی ڈیوٹی دیسی بائیو ڈیٹا:

24 سال عمر

175 سینٹی میٹر

برٹش

غیر شادی شدہ

گپ شپ، ڈیٹنگ، سچے تعلقات کا متلاشی

تعلقات؟ برٹش؟ سنی کو اپنا دل جلتا محسوس ہوتا ہے۔

وہ مہینوں سے انتظار کر رہا تھا... حقیقت میں مہینوں سے... عوز کے لیے، جس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ واپس آنے والا تھا، یہ کہ وہ بس اپنے وقت کا منتظر تھا، اپنے کچھ ضروری کام نمٹا لیتا اور پھر واپس یہاں آ جاتا، جہاں سے وہ تعلق رکھتا تھا۔ لڑکوں کے ساتھ، اُس کے ساتھ، لیکن وہ بس غائب ہو گیا۔

جیسے وہ سنی کو مزید جانتا ہی نہ تھا، جسے اُس نے اُس کے ساتھ کچھ غلط کیا تھا۔

اور اب، جیسے کچھ بھی نہ ہوا تھا، وہ واپس آ گیا تھا۔

''سنی۔'' مونٹی اپنا بیگ اپنے کندھے پر ڈالے اُس کے سر پر کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر فکرمند تاثر تھا۔ ''ہمیں چلنا چاہیے۔''

ان کے کیمپ چھوڑنے سے پہلے سنی نے مونٹی کو زیادہ نہ دیکھا تھا۔ وہ پرانے ملک سے نیا لڑکا

تھا۔ ایکOG مگر پاکستان کا، ایک امیر لڑکا، جو اُس موسیاتی لڑکی کی طرح اُس پر ہنستا ہے، وہ سوچتا ہے۔ سیم نے متاثر دکھائی دیتے بتایا تھا، مونٹی نے اپنے والدین، اپنا گھر، اپنی گاڑی، اپنے دوست، اپنی زندگی، یہاں آنے کے لیے چھوڑ دیئے۔ بالکل باقی ہم سب کی طرح، سنی نے برافروختہ ہو کر سیم سے کہا تھا، باقی ہم سب کی طرح، میرے برادر۔

''مجھے ایک منٹ دو۔'' سنی نے اپنا فون اپنے سینہ سے لگا لیا تا کہ مونٹی اس کی سکرین نہ دیکھ پائے۔

لیکن مونٹی سنتا ہی نہیں کہ سنی کیا کہہ رہا ہے۔ وہ سنی کی روشنی میں قدم دھرتے اُس کے سامنے منڈلاتا ہے۔

سنی سر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ ''تم کیا کر رہے ہو، مونٹی؟''

مونٹی الٹے قدم چلتے ہوئے تیزی سے دور ہو جاتا ہے۔'' پانچ منٹ، سنی۔'' وہ لہجہ سخت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ہاں، سنی سر ہلاتا ہے، میں تمہیں دکھاؤں گا پانچ منٹ۔

وہ اپنی ای میل کھولتا ہے، تازہ ترین monster.com.uk کے خط کو اسے دیکھے بغیر ڈیلیٹ کر دیتا ہے اور نیا میسج کھولتا ہے۔

ارے، کیا بکواس ہے، عوز؟

ڈیلیٹ، ڈیلیٹ، ڈیلیٹ۔

ارے تم کیسے ہو، عزیر؟

ڈیلیٹ۔

عوززز!

حتیٰ کہ انکل بھی اُسے عزیر کہہ کر نہیں پکارتے، تب بھی نہیں جب وہ غصہ میں ہوں۔ سنی اپنے انگوٹھے کے پاس کی جلد کو دانتوں سے کاٹتا ہے، ریت اور پسینے کا ذائقہ دیتے چبائے ٹکڑوں کو تھوکتا ہے۔ مونٹی ٹھوڑی ہاتھ میں لیے، اُسے دیکھتے ہوئے اپنے بڑے سے بیک پیک کے اوپر بیٹھا ہے۔

عوز تمہیں معلوم ہے میں نے کتنے میسجز بھیجے ہیں تمہیں؟

تم نے مجھے بس چھوڑ دیا؟ اس سب کے بعد جو میں نے کیا؟

سنی ہر سطر کو ڈیلیٹ کر دیتا ہے۔

تم ہو کہاں، برو؟ میں یہاں ہوں، عوز۔ یہاں، جہاں ''تم'' نے مجھے بھیجا تھا۔

''سنی؟ تمہارا نہیں خیال کہ ہمیں اب چلنا چاہیے؟'' مونٹی پوری کوشش کرتے کہ وہ دخل در معقولات نہ ہو، نرمی سے کہتا ہے۔'' جلد ہی دھوپ تیز ہو جائے گی اور ہمیں رکنا پڑے گا...''

سنی اپنی توجہ فون پر رکھتا ہے ozimatic99@gmail.com پر خالی ای میل پر، ان الفاظ کی تلاش کی تگ و دو میں جو اُن کے درمیان کھو گئے ہیں۔ آخری مرتبہ جب اس نے عوز کو دیکھا، وہ آگ کی تبلیغ کرر ہا تھا، مناجات پڑھ رہا تھا، کھوئے ہوئے برادران کو مسلح ہونے کو کہہ رہا تھا، پوری طرح غضب ناک و برہم۔

مونٹی اپنا بیگ اور ساز و سامان اپنے کندھے پر لٹکا تا ہے اور اپنے فون پر نقشہ کھول لیتا ہے، ایک ہاتھ سے اپنی کمر پر لادے بوجھ کو درست کرتے ہوئے انگلی سے سکرین کو چھوتا ہے۔ ''ہم ابھی تک صرف پندرہ کلومیٹر چلے ہیں۔'' وہ آئی فون پر اپنی انگلیوں سے زوم اِن کرتے ہوئے اور اپنے ہاتھ پرے کرنے سے پہلے آنکھیں سکیڑ کر دیکھتے ہوئے کہتا ہے۔ ''میرا خیال ہے کہ ہمیں آج یہ سب دگنا کرنا پڑے گا، کم سے کم، ٹھیک ہے؟''

سنی خالی ای میل کے سفید حصے کو گھورتے اپنا سر جھکائے رکھتا ہے، یہاں تک کہ اس کی آنکھیں دُکھنے لگتی ہیں۔

''میرا نہیں خیال کہ اوقاتِ کار سے پیچھے رہنا ہمارے لیے درست ہوگا، اتنی صبح سویرے نہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں، اور مجھے تمہارا پتا نہیں... لیکن میں؟ میں یہاں اپنا برا تاثر دینے نہیں آیا تھا۔''

سنی آہستہ سے سانس باہر خارج کرتا ہے۔

مونٹی اپنا سر ہلاتے ہوئے اپنے بوٹوں سے ریت کو ٹھوکر لگا تا ہے۔ ''میرا مطلب ہے، میں جانتا ہوں کہ تم نہیں چاہو گے... میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی یہ تاثر لے۔ وہ نہیں لیں گے...'' مونٹی کی آواز مدھم ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ اپنے بیگ کے سٹریپس کو بے یقینی سے کھینچتا ہے۔

سورج، چاند، ستارے... سنی نے عوزی کو سب کچھ بتا دیا ہوتا، اگر وہ خائف نہ ہوتا تو۔ وہ پہلا بھائی تھا جس نے اسے سمجھا تھا۔ اس نے سنی میں جو کچھ بھی دیکھا، جو کچھ بھی وہ دکھانے کو بے حد خوف زدہ نہ تھا، عوز نے دیکھا... غصہ، جھوٹ، اُس کا تمام تر خوف، اور عوز، باقی ہر کسی کے برعکس، اُس نے نگاہ نہ پھیری، نظر انداز نہ کیا۔

''سنی؟ تم پریشان نہیں ہو، ہے ناں؟ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم نے اسے غلط تو نہیں سمجھا؟''

''عوز...'' سنی نے ٹائپ کیا۔ ''تم ٹھیک ہو؟ میں یہاں پہنچ گیا ہوں، برو۔ تمہارا منتظر ہوں۔ تم کہاں ہو؟ یہ سب تمہارے بغیر کبھی بھی اچھا نہیں۔''

مونٹی

مونٹی نے عریاں صحرا کے وسعت پر نگاہ دوڑائی جو اُنہیں گھیرے ہوئے تھا۔ کوئی صورت نہ تھی کہ وہ اسے وقت پر عبور کر پاتے۔ اگر وہ آج حقیقت میں آگے بڑھ پاتے، مزید کم سے کم بیس کلومیٹر، تو کل وہ موصل ڈیم پر ہوتے، یا شاید پرسوں۔

سنی نے موصل سے روانہ ہونے سے پہلے اپنے سفر کے لیے وہ جتنے آف لائن نقشے ڈاؤن لوڈ کرتے، سب منتخب کر لیے تھے۔ اُس نے کہا کہ ٹام ٹام (TomTom) بہترین ایپ تھی مگر وہ مہنگی تھی... چالیس ڈالر۔ ''میرے حساب سے بہت امیر۔'' اُس نے اپنا سر ہلاتے ہوئے افسردگی سے اعتراف کیا۔

مونٹی نے بہر حال وہ ایپ خرید لی، اُسے ان مفت ایپلی کیشنز کا بھروسا نہ تھا جس کی معلومات سنی کو تھیں۔ ہر مرتبہ جب وہ رفع حاجت کے لیے وقفہ لینے کو رکتے تو ایپ راستہ بدل لیتی یا نئی ہدایات دیتی تھی۔ اس صبح جب وہ تیسری مرتبہ راستہ بھٹکے تو سنی نے مہربانی سے تسلیم کیا کہ نقشوں کے متعلق وہ غلط تھا۔ ''معاف کرنا، برو۔'' اُس نے تھکن زدہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، ''شاید تمہیں وہ TomTom خرید لینی چاہیے تھی۔''

مگر مونٹی، سنی کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے خرید چکا تھا اور اس تمام عرصے میں اسے محتاط انداز میں استعمال کرتا آ رہا تھا، اب نہیں جب انہیں رابطے کا پہلا لمحہ ملا تھا۔ اُس کے فون پر ڈیٹا نہ تھا، جب سے وہ کراچی سے نکلا تھا، اس کے باپ نے اُس سے رابطہ ختم کر لیا تھا۔ مونٹی نے سنی سے پوچھا جو ہمیشہ اپنے آئی فون پر مصروف ہوتا تھا... اتنے جوش وخروش سے... اگر صرف پانچ منٹ کے لیے وہ اسے استعمال کر سکتا یا اپنا ہاٹ سپاٹ یا جس سے بھی لنک کر سکتا تھا۔ وہ لیلیٰ کو چیک کرنا چاہتا تھا۔ جب سے وہ موصل سے چلے تھے، اُس کی لیلیٰ کی ویڈیوز تک کوئی رسائی نہ رہی تھی۔ اس نے زیر لب خاندان سے متعلق کوئی عذر سنی کو پیش کیا۔

مونٹی کو صرف پانچ منٹ چاہیے تھے، حتیٰ کہ تین منٹ تا کہ وہ اپنے براؤزر کی سرچ میں جا سکے۔ اسے بالکل ٹھیک سے معلوم تھا کہ اسے کیا تلاش کرنا تھا، صرف اُسے معلوم تھا کہ لیلیٰ کو کیسے تلاش

کرتا تھا، اس کے در پردہ مزاج کو کیسے پڑھنا تھا، اس کے تمام الفاظ کے پردے کے پیچھے سچ کو کیسے تلاش کرنا تھا۔

لیکن سنی نے اپنا فون اس کے سامنے لہرا کر، جس کے چمکتے دھاتی پچھلے حصے سے صحرا کے سورج کی دھوپ منعکس ہو رہی تھی، اپنا سر ہلا دیا۔

''میں بجٹ پر ہوں۔'' اس نے اکھڑ پن سے جواب دیا۔

یقیناً، یقیناً، مونٹی نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔ میں بھی، فکر مت کرو۔ سو وہ سنی کو ٹام ٹام کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا تھا، اب نہیں جب سنی نے مونٹی کی پشت پر خوش گوار انداز میں تھپکی دیتے معذرت کر لی تھی، یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ دوست بن بھی سکتے تھے۔

جب سنی نے صحرا کے پیٹرول پمپ پر اپنا فون چارج کیا تو مونٹی نے جلدی سے ایپ کا جائزہ لیا، صحرا کی خاموشی زردی کے ساتھ کسی آبی نالے کا سبزہ نینوا جانے والے تیز ترین راستے کی نشان دہی کر رہا تھا۔ ڈیم ان کے سفر کے عین درمیان میں تھا، جتنی جلدی وہ وہاں پہنچتے، اتنا بہتر ہوتا۔ جب سے وہ موصل سے نکلے تھے، سنی اپنی سوچوں میں گم لگتا تھا، وہ ضرورت سے زیادہ بات کبھی نہ کرتا، ہمیشہ فاصلے پر، اُس کا دماغ دور کہیں ہوتا۔ مونٹی اس کے موڈ میں ذرا سی تبدیلی پر پُرسکون ہو گیا تھا۔ وہ ان کے مارچ کے لیے اچھی ہوتی۔ وہ نینوا پہنچنے میں کامیاب ہونے والے تھے، حالات ٹھیک ہو جاتے۔

''میں دومنٹ آ رہا ہوں۔'' سنی نے اپنی تاریں پلگ کے گرد سختی سے لپیٹتے ہوئے کہا۔

مونٹی کو بار بار رکنے کا خیال پسند نہ تھا لیکن سنی نے کہا کہ ضروری تھا کہ اس کا فون چارج ہو جاتا تاکہ وہ خبروں سے مطلع رہتے۔ بے خبری میں لڑنے کی کوئی تک نہیں، اُس نے کہا۔

''اپنا وقت لو!'' مونٹی نے اپنا ہاتھ ہلا دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ سنی جان لے کہ وہ بھی مہربان ہو سکتا تھا۔

ابھی تک، سنی تقریباً ہر شے میں آگے تھا۔ زمین کا باریک بینی سے جائزہ لے کر علاقے کی کھوج لگا کر رہنمائی کر رہا تھا، یہ یقین دہانی حاصل کرتے کہ وہ محفوظ تھے۔ اُسی نے فیصلہ کیا کہ رات کو وہ کہاں پڑاؤ کرتے۔ سنی اپنی کلاشنکوف ہمراہ لے کر سوتا، ہمیشہ تیار، اُس نے کہا۔ جب دوسری جانب اُس نے کچھ فاصلے پر لیٹتے ہوئے سونے سے پہلے شرمیلے انداز میں اپنے ہتھیار کی سیفٹی آن کی تو اُس نے مونٹی کو عجیب نظروں سے دیکھا۔

گزشتہ رات فاصلہ پر گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی تھی، کم شدت کی لڑائی جو گھنٹوں جاری رہی تھی۔

میں ان چیزوں کا عادی نہیں، مونٹی جھٹکے سے ہنس دیا مگر سنی جواب میں ہنسا نہیں۔ اس نے گن کے سرد سرمئی دھات پر اپنی انگلیاں بجائیں، یوں جیسے وہ کوئی آلۂ موسیقی تھا اور کروٹ بدل کر سو گیا۔

ابو خالد نے انہیں بتایا نہ تھا کہ اگر انہیں روکا جائے یا حراست میں لے لیا جائے تو وہ کیا کریں۔مونٹی نے بدترین فرض کیا... ان پر تشدد کیا جائے گا،قیدی بنا لیا جائے گا، ملک بدر کر دیا جائے گا، جان سے مار دیا جائے گا۔وہ گوریلا جنگجو تھے، باغی اور یہ سب سے کم خطرناک فریضہ تھا، جو ان کے پاس ہوتا... اس میں بس پیدل چلنا تھا،صرف مشاہدہ، جیسا کہ ابو خالد نے کہا، انٹیلی جینس جمع کرنا۔بس یہی تھا۔ اُس نے اپنی سانسیں درست کیں۔لیکن وہ موت سے خوف زدہ نہ تھا،مزید نہیں۔

مونٹی صرف اس قسم کا آدمی بننا چاہتا تھا جس پر لیلیٰ فخر کر سکتی،ایک حقیقی مرد،اس کی پرچھائیں نہیں۔وہ چھوٹا،خوف زدہ آدمی نہیں، جو وہ تب تھا جب وہ اسے چھوڑ کر گئی۔

وہ اس سب کے تناسب یا موزونیت پر مسکرا اٹھا۔موصل پہنچنے کے بعد سے وہ ایک بالکل مختلف شخص تھا۔شاید لیلیٰ کو اس کا دل توڑنا ہی تھا۔اس نے اسے یہاں تک پہنچایا، جہاں وہ خود اپنی تعمیرِنو کر رہا تھا، نئے سرے سے تصور کر رہا تھا کہ مرد ہونے سے کیا مراد تھی۔

جب کیمپ میں برادران یوٹیوب پر لیلیٰ کی ویڈیو دیکھنے کے لیے جمع ہوتے،مونٹی خود کو ان کے اجتماع سے الگ تھلگ رکھتا تھا۔اُسے سکرین پر دیکھ کر وہ خود کو ہمیشہ جوش و ہیجان میں آتا محسوس کرتا تھا،کیا وہ ان ویڈیوز میں اُس سے مخاطب تھی؟

لیلیٰ اور اس کے بارے میں کوئی نہیں جان سکتا تھا۔کوئی بھی لیلیٰ کے ماضی کے بارے میں نہیں جان سکتا تھا۔لیکن لیلیٰ کے برعکس،مونٹی میں رازوں کے لیے کوئی حوصلہ نہ تھا۔

رات کا وقت تھا جب مونٹی خود کو لیلیٰ کے سامنے پوری طرح ہار دیتا تھا۔قطع نظر اس کے کہ وہ کتنی دیر تک سوتا، یا اس کا مزاج کس قدر مضطرب ہوتا، وہ اُسے ہمیشہ دیکھتا تھا۔خوبصورت،خوبصورت لیلیٰ، پھسل کر اس سے دور جاتی ہوئی، اُس کے بال دھوئیں کی طرح اس کے گرد اٹھتے ہوئے۔وہ خواب میں جو کچھ کہہ رہی ہوتی تھی، اُسے وہ کبھی سن نہ پایا تھا۔ہر مرتبہ جب وہ قریب ہونے کی کوشش کرتا، وہ بکھر جاتی، اس کا سر ایک جانب حرکت کرتا، اُس کا جسم اور اُس کے اعضا دوسری جانب۔اور مونٹی جھٹکے سے اٹھ بیٹھتا، اس کا سینہ تیزی سے اوپر نیچے ہو رہا ہوتا، کان بج رہے ہوتے اور اُس کا حلق جل رہا ہوتا، یوں جیسے وہ چیختا رہا تھا۔

اپنے ڈراؤنے خوابوں کی دہشت سے ابھی تک دہلتے ہوئے جب اُس نے دوبارہ آنکھیں بند کیں،مونٹی نے خواب کے صرف آغاز کو یاد کرنے کی کوشش کی: خوب صورت لیلیٰ۔

مونٹی کے لیے، ہر شے کا آغاز اور انجام لیلیٰ تھی۔

سنی

سنی اپنے بیگ کو تکیہ کی طرح استعمال کرتے اس سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ ریٹا اُس کے برابر میں دراز ہے اور وہ لمحے بھر کو اسے نرمی سے سہلاتا ہے۔ ''تم کتنی پیاری ننھی سی شے ہو۔'' وہ دھیرے سے اپنی کلاشنکوف سے کہتا ہے۔ یہ چیک کرنے کے بعد کہ اُس کے پاس خاصی بیٹری ہے، سنی ریٹا کی تصویر اتارتا ہے اور اسے اپنے واٹس ایپ سٹیٹس پر لگا دیتا ہے۔ ''اسے دیکھنے، چھونے اور یہ جاننے سے کبھی بیزار نہیں ہوتا کہ یہ میری ہے۔'' اس نے ارغوانی رنگ میں ٹائپ کیا۔

اُس نے ریٹا کے ساتھ اپنے جسم کو ترتیب دیا جو اس سہ پہر خصوصی طور پر سرد ہے، کیوں کہ وہ دوسری شفٹ سے پہلے آرام کے لیے رکے تھے اور اطمینان سے ہو گیا۔ دوبارہ چلنا شروع کرنے سے پہلے دس یا شاید پندرہ منٹ کا شمار کرتے ہوئے سنی جی میل کھولتا ہے۔ سہ پہر کو جب سورج آسمان سے ڈھل رہا ہوتا ہے، صحرا کی گہرائی میں جہاں وہ آڑ کے لیے سڑکوں سے دُور چلے گئے تاکہ گزرتی گاڑیوں کی نگاہوں میں نہ آسکیں، کلومیٹروں تک واحد آواز پرندوں کی تھی جو خالی بے بادل آسمان پر اڑتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارتے تھے۔ سنی نے پرندوں کی تصویر لینے کو اپنا فون اوپر کیا... اُن کی دَم گھٹتی پکار سے اُسے خیال ہوا کہ وہ گدھ تھے... لیکن وہ پہلے ہی جا چکے تھے۔

وہ اپنا فون صحرا کی جانب نیچے کر لیتا ہے۔ سنی کو اس مرتبہ رات کی پیش قدمی سے پہلے کچھ مراقبے کی ضرورت ہے۔ نینوا کی طرف مارچ کا یہ محض دوسرا دن ہے لیکن پہلے ہی کچھ بے رحم، بیزار کن ہو چکا ہے۔ سنسان ہائی ویز پر اور نو مینز لینڈ میں پیدل چلنے کے گھنٹے، جن میں وقفہ بھی آتا تو مزید یکساں گھنٹوں کا جب سورج کے ڈھلنے کا انتظار ہوتا تاکہ وہ اپنے کام کو بحال کر سکیں۔ بے انت علاقہ کبھی ختم نہیں ہوتا، نرم نہیں پڑتا اور انہیں یہ سمجھنے کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ فاصلے کو پار کر رہے ہیں اور وقت سے گزر کر آگے بڑھ رہے ہیں۔

سنی اپنے فون کی بیٹری دیکھتا ہے۔ دس منٹ کے استعمال کے بعد اس کے پاس 60 سے 65 فیصد بیٹری رہ جائے گی... اعلیٰ، جب وہ آج کھانا لینے رکیں گے تو وہ فون چارج کر لے گا۔ ہو سکتا ہے

کہیں بالکل ہی سنسان جگہ پر مگر یہاں ہر مسخرے کے پاس فون تو ہے، بھروسا رکھو۔

سنی اپنی ای میل چیک کرتا ہے، اِن باکس نہ رکنے والی کارپوریٹ ای میلز سے بھرا پڑا ہے۔ برسوں اُس کے یا اِس کے پیچھے پڑے رہے... یہ بزنس، وہ بزنس۔ کیا سنی کو پتا تھا کہ انکل ہارون کا لڑکا یونیورسٹی سے نکلتے پہلے سال ہی 70K کمانے لگا تھا؟ کیا اُسے معلوم تھا کہ سٹی میں شروع ہی کے بونس پندرہ بعض اوقات بیس گرینڈ تک پہنچتے تھے؟ پا قائل تھے کہ دولت صرف رضامندی کا معاملہ تھا، کہتے تھے کہ انہوں نے ایسا ہوتے خود دیکھا تھا، اپنے دوست نور محمد سے اپنے پرانے ملک میں سنا تھا کہ جس نے خالی ہاتھ بغیر کچھ لگائے قسمت بنالی تھی۔ کیا سنی کو علم تھا کہ اب فوربس (Forbes) کی سو امیر ترین ایشیائی افراد کی فہرست تھی... بشمول خواتین کے؟ اوران میں سے اچھی خاصی تعداد ہندوستانیوں کی تھی؟

میں ہندوستانی نہیں ہوں، پا۔

لیکن انہوں نے اپنے بیٹے کی طرف بس ہاتھ ہلایا تھا۔ ''اگر سالا ڈونلڈ ٹرمپ اُس گھٹیا ٹی وی شو کی بنیاد پر صدر بن سکتا ہے تو تم کون ہو کہ مالیاتی دنیا کی طاقت اور اثر ورسوخ پر ناک چڑھاؤ؟''

سن لیا، آپ کو بالکل واضح سن لیا، پا۔ میں کافی نہیں ہوں۔ میں حقیقی نہیں ہوں، میں کچھ نہیں ہوں، نادیدہ۔ مجھے پھر دوبارہ سے بناؤ، مجھے دوبارہ سے کچھ خوب صورت بناؤ۔ کوئی جس پر آپ یقین کرسکیں۔

لیکن ٹوٹے ہوئے کو، شکستہ کو ٹھیک کرنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ سنی پر واضح تھا۔ صرف سنی ہی اپنے آپ کو الگ کر کے، پرزے کر کے، دوبارہ سے کچھ نیا بنا سکتا تھا، کچھ مضبوط اور جوشیلا، تازہ، نئے سرے سے۔ اور جب اس نے ایسا کیا، جس لمحہ اُس نے اپنے پا کے مشورے پر عمل کیا، تو وہ بس تھا... نہیں، سنی سلمان خان، میرا ایسا مطلب نہ تھا۔ جا کر کچھ پاگلانہ مت کرو، اپنی زندگی برباد نہ کرو، یہاں جو کچھ تمہارے پاس ہے اُسے تباہ نہ کرو، کیا تمہیں پتا نہیں کہ تم خود کو کس معاملے میں پھنسا رہے ہو؟

کیا زندگی؟

پا نے سنی کی کبھی نہ سُنی تھی، کچھ سچ نہ سن پائے تھے۔ تب نہیں جب وہ اس کی جانب سے تھا۔

کیا زندگی، پا؟

اگر کوئی انصاف تھا، اگر دنیا جدوجہد کرنے والوں سے واقف تھی، اُن سے جو آزاد ہونے کے لیے تگ ودو کرتے اور لڑتے تھے، پا کو اپنے اکلوتے بیٹے پر فخر ہوتا۔ لیکن ایسا نہ تھا اور انہیں فخر نہ تھا۔

فرق نہیں پڑتا کہ یہ کیا محسوس کرتے ہیں، سنی نے ای میلز ڈیلیٹ کر دیں، سب کی سب چھے۔ اب اس کے لیے کوئی بھی اہم نہیں تھا۔ میں اپنا نام اپناؤں گا، سنی نے باقی حروف کی گنتی کو 140 تک شمار کرتے ہوئے ٹویٹ لکھی، اور اسے فخر سے اپناؤں گا۔

پا نے ضرور کہیں اس کی سی وی اَپ لوڈ کی ہوگی... پہلے اسے لکھنے کے بعد... اور ہر باکس پر

کلک کیا ہوگا۔ پانچ مہینے سے جب سے سنی نے گھر چھوڑا تھا، اسے پابندی سے بارکلیز، کریڈٹ سوئس اور HSBC سے ای میلز آ رہی تھیں۔ انہوں نے کبھی اسے ہفتے بھر سے زیادہ تنہا نہیں چھوڑا تھا۔

پپا کو جان لینا چاہیے کہ وہ اب مزید اس سب پر یقین نہیں رکھتا، یہ بھی حرام تھا... یہ سب سود۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ سنی واپس آنے والا نہیں تھا، اس کی جانب سے سی وی کو بنانے سنوارنے کی کوئی تک نہ تھی... زبانیں: اعلیٰ ہندی، لاطینی میں اے سٹار۔ مشاغل: سیاحت، خوش اخلاقی، تاریخ اسلام، کرکٹ، وغیرہ، وغیرہ۔

یہاں ہے سنی، بالکل وہاں جہاں عوز نے اُسے بھیجا تھا۔ یہاں اپنے کزن کی پیروی میں۔ ویسے رہتے ہوئے جیسا کہ وہ سنی کے لیے چاہتا تھا۔ کوئی ڈرم نہیں، نہ موسیقی، نہ لڑکیاں، اُس کے اور اُوپر اُس کے نجات دہندہ کے درمیان اور کچھ نہیں۔ لیکن جب سے سنی یہاں پہنچا تھا، عوز جا چکا تھا۔ خاموشی کے لگ بھگ پانچ مہینے، کچھ نہیں... کوئی آواز تک نہیں... گزشتہ رات تک۔

اپنی نیم بند آنکھوں کے ساتھ سنی فیس بک پر لاگ ان کرتا ہے۔ عزیر شفیع نے "Freedom" نامی البم میں دس تصویریں اَپ لوڈ کی ہیں، وہاں تھا عوز، گھر پر، اپنے بستر پر ٹیک لگائے لیٹے سونے کا دکھاوا کرتے ہوئے (اگر تم سو رہے ہو تو سیلفی کس نے لی؟)؛ عوز جم میں یوں دکھائی دیتے جیسے وہ خاصا وزن اٹھانے والا تھا جو سنی جانتا تھا کہ وہ نہ اٹھا سکتا تھا، عوز ساحل سمندر پر، بادلوں بھرے آسمان تلے اُس کا سنولایا ہوا بدن، اُس کی نیکر اس کے کولہوں پر ٹکی ہوئی تھی، تاکہ بھائی اس کی ناف سے نیچے تک بل کھا کر جاتے بالوں کی لکیر دیکھ سکے، عوز پارکس میں، عوز اپنی کوئی احمقانہ تخلیق اٹھائے سٹار بکس میں Half-caf caramel cocunut mint rip-off-acino۔ عوز Vegan lentils پکاتے ہوئے (یعنی دال)، عوز اپنی کمر کے گرد لپٹا تولیہ اپنی سخت مٹھی میں تھامے شاور سے باہر نکلتے ہوئے، اُس کے ہاتھ اب کی مرتبہ مزید نیچے، اس کی آنکھیں کیمرے سے اوپر دیکھتے ہوئے جیسے اُسے معلوم نہ ہو کہ وہ وہاں تھا۔

شاور، عوز؟

وہ وہاں پورٹسماؤتھ میں کیا کر رہا تھا؟ اُس کے پاس اپنی فیس بک کی نینو سرجری کا وقت کیسے تھا، مگر ان سینکڑوں ای میلز، ٹیکسٹ اور واٹس ایپ پیغامات کا جواب دینے کا وقت نہ تھا جو سنی نے بھیجے تھے؟

''ہمیں چلنا چاہیے۔'' مونٹی اس کی سوچوں میں دخل دیتے ہوئے کہتا ہے۔

سنی دوبارہ عوز کی پروفائل پر کلک کرتا ہے۔ یقیناً اُس نے اس کے ساتھ ایک مضحکہ خیز پوسٹ لکھی ہے۔ سنی اس عوز کو نہیں جانتا، ان تصویروں کو نہیں جانتا، ان الفاظ کو نہیں پہچانتا:

''عرصہ ہوا۔ ایک زمانہ! مگر وقت میرے ساتھ اچھا رہا ہے۔ میں کچھ وحشی پن کی راکھ سے ابھرا ہوں۔ میں نے دوبارہ جنم لیا ہے۔ Holla at me!۔ میں لوٹ آیا ہوں اور میں آزاد ہوں۔ اب میں کیا کرتا

ہوں: ورزش، Guns out ۔تم نے سن لیا مجھے! میں جو زندگی جی رہا ہوں اُسے پسند کرو کیوں کہ میں منفی سے مثبت کی طرف آیا ہوں ۔میں کس شے کی تلاش میں آیا ہوں: کوئی جس کے ساتھ میں رہ سکوں اور اپنی روح کو بانٹ سکوں ۔کوئی سچا مومن نہیں ۔معذرت ۔سرگرمیاں اور دلچسپیاں: فیفا 17، GTA ، سیر و سیاحت، سچائی، پبلک سپیکنگ، مباحثہ، Being me ۔کوئی سوالات: برائے مہربانی میری نئی رابطہ معلومات دیکھیے۔''

نہیں کیا؟ برادر باقی ہر کسی سے بڑھ کر براؤن تھا۔ اگر اس کا نام اس کی گردن پر عربی زبان میں لکھا ہوتا، کسی گرے ہوئے تاج کی طرح، صرف حلال کھانا کھاتا، کیا مطلب تھا اس سے: کوئی سچے مومن نہیں؟ میں آزاد ہوں؟ سوالات؟ تم آف لائن تھے عوز، تم نے کوئی آسکر نہیں جیت لیا۔

اپنی روح بانٹوں گا، بکواس، سنی اپنا سر جھٹکتا ہے۔ ایک مرتبہ جب وہ سنیما میں تھے، عوز نے پاؤنڈ لینڈ میں ڈائٹ کوک کے دو کین خریدے ااور انہیں اپنی جیکٹ میں گھسا لیا اور جب کزنز اپنے ٹکٹ لینے جا رہے تھے، انہوں نے اس لڑکی کو وہاں کھڑے اپنے فون کو دیکھتے پایا، پریشان۔ وہ شاید کشمیری تھی، حقیقت میں گوری، ہلکی سبز آنکھیں، لیکن یقیناً دیسی، پولیسٹر بلاؤز، اس کے بالوں سے اٹھتی ناریل کی مہک۔ وہ بس وہاں کھڑی تھی، بالکل تیار شیار، اپنے مرد کی منتظر۔ عوز اُسے دیکھتے ہوئے لمحے بھر کو رکا۔

''ہے، بے بی۔'' اس نے لڑکی کے قریب جاتے ہوئے کہا، ''کس قسم کا بندہ تم جیسی خاتون کو انتظار کرواتا ہے؟'' وہ یہی بات سوچتے ہوئے بے چینی سے مسکرا دی۔ عوز اپنا سر ہلاتے ہوئے، جیسے واقعی میں افسردہ ہو، قدم بڑھا کر اُس کے قریب ہوا۔ وہ اس سے پرے نہ ہٹی، نہ ہی اسے پرے دھکیلا، اُسے اپنے قریب آنے سے منع نہیں کیا۔ یہ عوز کا جانا پہچانا اقدام تھا،، وہ ہمیشہ ایسا کرتا تھا یہ جاننے کو کہ وہ کتنی آگے جا سکتا تھا۔ وہ پھر اس کے رخسار کو اپنے رخسار سے تقریباً چھوتے ہوئے اس کے قریب جھک آیا۔

''وہ تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں کر رہا، ڈارلنگ۔''

اور تبھی اس کا مرد چلا آیا۔ کوئی جمیکن، بڑا سا لڑکا، کوئی مذاق نہیں، اس کے عضلات اُس کی تنگ شرٹ میں جیسے پھنسے ہوئے تھے۔ ''تم اپنی راہ لینا چاہتے ہو؟'' وہ اپنی لڑکی پر تیوری چڑھاتے ہوئے عوز سے کہتا ہے۔

عوز نے اس کی پرواہ نہ کی اور اپنے بازو کو کشمیری کے گرد پھیلاتے ہوئے مسکرایا، ''میں تمہاری لڑکی کو صرف یہ بتا رہا تھا کہ اسے اپنے لیے کوئی حقیقی مرد ڈھونڈنا چاہیے۔'' لمحے بھر کو ایسا لگا جیسے وہ عوز سے پرے ہٹنا چاہ رہی تھی، مگر وہ بس اس کے بال تھے... وہ کہیں عوز کی کہنی کے نیچے اٹک گئے تھے، اور اس نے انہیں چھڑانے کو اپنا سر دائیں بائیں گھمایا۔

بوائے فرینڈ غصہ سے پاگل ہو گیا اور عوز کی طرف بڑھا مگر عوز نے Ju-jitsu کے کسی وحشی انداز میں جمیکن کو کندھے اور ٹانگوں کے درمیان سے پکڑا، کسی لکڑی کے تختہ کی طرح اٹھایا اور کوڑے، کرکٹ کی طرح پرے پھینک دیا۔ جمیکن چلاتے ہوئے فرش پر پڑا تھا، اُس کی لڑکی اُسے جیسے کچھ شرمندگی

سے دیکھ رہی تھی... اور عوز؟ عوز اپنا پیٹ تھامے ہنسے چلا جا رہا تھا۔ اُس کی ڈائٹ کوک میں سے وہ ایک جو اس کی جیکٹ کی جیب سے باہر گر گئی تھی، اٹھائی اور اپنے بازو سنی کے گرد پھیلا دیا، بالکل جیسے ابھی لڑکی کے گرد پھیلایا تھا جو اَب اپنے بندے کو سنیما کے بدشکل قالین سے اٹھانے کے لیے ہچکچاتے ہوئے جھک رہی تھی، اور بولا، ''سبق نمبر ایک، کزن، جب تک کہ تم بادشاہ کی پٹائی لگانے کو تیار نہ ہو، تم لڑو نہیں۔''

سنی نے سوچا کہ اُس نے یہ بغیر سوچے سمجھے کیا تھا، وہ مسحور تھا کہ کیسے عوز نے جمیکن کو ایک جنبش میں فرش پر پٹخ دیا تھا۔ اُسے خیال ہوا کہ عوز جینئس تھا، کسی جادوگر کی طرح اپنے ہیٹ سے کچھ نکالتا ہوا۔ اصلی، باغی۔

سنی فیس بک سے باہر نکلتا اور اپنا اِن باکس ری فریش کرتا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ وہ اپنے آئی میسجز دیکھتا ہے، نظر میں کوئی بلیو باکس نہیں۔ ایک لائن بھی نہیں۔ عوز کی جانب سے کچھ نہیں۔ وہ اپنی انگلیاں اپنی ران پر بجاتا ہے، اس سے فرق نہیں پڑتا۔

اُسے پرواہ نہیں۔

سنی کو کوئی نہیں لکھتا، کوئی اس کی کالز نہیں سنتا۔ وہ اب اس بات سے خود کو مزید مات نہیں ہونے دیتا۔ ایک اور قسم کی زبان بولتے ہوئے، بیانیے کو بلند کرتے ہوئے، وہ اب ایک بڑی جنگ لڑ رہا ہے۔

وہ بریٹانیا روڈ پر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے اپنے دن گزارتے پلا بڑھا ہے، گرے ہوئے پردے، اس کے بیٹ اپ سپیکرز سے اٹھتی فرینک اوشن کی دھیمی آواز، اتنی پتلی دیواریں کہ وہ رات کو پا کو خراٹے لیتے سن سکتا تھا۔ اتنی پتلی کہ وہ سنی کو روتے سن سکتے تھے۔

سنی وٹس ایپ کھولتا اور اپنے فیورٹس کو سکرول کرتا ہے۔ عوز کی پروفائل پکچر مختلف ہے... اب وہ مزید سعودی عرب کے پرچم کے رنگ کی سفید و سبز نہیں، گھٹتے ہوئے چاند کی محراب کی طرح اوپر کی طرف خمیدہ شمشیر اسلام نہیں۔ اب یہ عوز اور کسی گورے کی سیلفی ہے جسے سنی پہچانتا نہیں، شرٹ کے اوپر کیے ہوئے کالر اور مضحکہ خیز حد تک سنورے بال، سیاہ اور جو اُس نے کانوں کے پیچھے کیے ہوئے ہیں۔ تصویر کے نیچے "out to war" کی جگہ لکھا ہے، ''میں بربریت کے دَور میں لکھ رہا ہوں، جو پہلے ہی خاموشی سے مَردوں کی دنیا کو دوبارہ بنا رہی ہے۔''

The fuck ؟

سنی کی تصویر کے نیچے اب بھی فرینک کے گیتوں سے ایک سطر لکھی ہے، پا اور اُس کی ایک پرانی پولورائیڈ تصویر۔ پا، سنی کو سالگرہ کے کیک کے سامنے تھامے ہوئے ہیں، اس کا چہرہ شمعوں سے روشن ہے۔ اُس کے باپ کے نرم براؤن بال پیچھے کی طرف سیدھے بنائے ہوئے ہیں، اُن کا چہرہ ان کی مسکراہٹ کے سائے کے باعث مبہم ہے۔ سنی کی ایک آنکھ کھلی ہے، وہ آنکھ مار رہا ہے۔ تصویر کے نیچے اب

بھی Pink Matter کی ایک لائن ہے۔ اگر چہ وہ جانتا ہے کہ اُسے یہ بدل لینی چاہیے، اس کا دل اب بھی قلوپطرہ گاتا ہے، قلوپطرہ۔ تب اور اب، اب بھی جب سنی اکیلا ہو تو فرینک کی شاعری اس سے گویا بات کرتی ہے۔

سنی اپنے گال کو اندر سے کاٹتا ہے، یہ سوچتے ہوئے کہ آیا عوز ابھی اپنے فون پر ہے، وہ بھی اُس کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

عوزی، بے بی۔ وہ ٹائپ کرتا ہے، یہ راز داری کیسی ہے؟ تم لکھتے نہیں ،تم کال بھی نہیں کرتے؟

سنی Send کرتا ہے۔ ایک ٹِک ، اور پھر، پھر اگر چہ اُسے توقع نہیں، مگر دو۔ اور پھر وہ نیلے ہو جاتے ہیں۔

عوز آن لائن ہے۔ ابھی۔

اوہ اوہ اوہ! مت بتاؤ! مُردے سے زندہ، میرا بندہ عوزستان!

تم کہاں ہو!

عوزی ی ی!

مجھے علم تھا کہ کسی قسم کا Error ہو گا، یہاں ہے وہ، میرا یار!!

میں بہت پریشان تھا، برو (بھائی)۔

کیا بات ہے؟؟

اور ایک بار پھر، لمحوں میں، عوز سنی کے پیغامات پڑھ چکا ہے۔

تم خبریں دیکھتے رہے ہو؟ Ozmatic@ مر چکا ہے اور میں نے تمہیں ہماری تحریک سے متعلق ٹویٹ کرتے نہیں دیکھا جب سے میں یہاں پہنچا ہوں، تب سے نہیں جب سے تم غائب ہو گئے۔

سنی زندگی کے کسی ثبوت کے لیے سکرین کو دیکھتا ہے، کسی italics کے انتظار میں جو اُسے بتائے کہ عوز جواب ٹائپ کر رہا ہے۔ لیکن ایسا کبھی نہ ہوا۔

ہیلو؟

عوز؟

اور ایک بار پھر ایک ٹک، دو ٹک۔ نیلا۔

عوز آن لائن ہے، وہ بس سنی کو جواب نہیں دے رہا۔

ہر کوئی میرے ساتھ سرد مہر ہو رہا ہے؟ پا اور اب تم بھی؟

کچھ مناسب نہیں، تم جانتے ہو؟ سنی تیزی سے ٹائپ کرتا ہے، اس سے پہلے کہ اُس کا کزن پھر سے غائب ہو جائے۔ وہ ای میلز ٹیکسٹ کرتا رہا ہے، حتیٰ کہ پا کے بین الاقوامی رومنگ پیکج کو ختم کر ڈالنے کا

خطرہ مول لے کر عوز کو فیس ٹائم کرنے کی کوشش بھی کی، اور اس نے مہینوں سے سنی کو جواب نہیں دیا۔لیکن عوز اپنی زندگی جی رہا ہے۔یہاں ہے وہ، اُس کی بکواس پڑھتا ہوا۔

محسوس ہونے لگا کہ تم جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہو، جانتے ہو؟

جنگ میں شامل ایک بھائی کو اکیلے چھوڑ دینا؟ یہ اچھا نہیں ہے،عوز۔تم کہاں تھے؟ اچانک ہی تمہارے پاس یہاں اپنے بھائی کے ساتھ ہونے کی نسبت زیادہ کوئی اہم کام ہے؟

ایک گرے ٹِک، پھر دو، پھر نیلے۔

مجھے جواب دو۔

جلن ہوتی ہے۔سنی کو یہاں بیٹھے جلن ہوتی ہے، کچلا ہوا اور زخمی، تربیت سے خستہ حال جسم کو چلاتے ہوئے۔کیا ابو خالد نے برادران میں سے کسی اور سے جب اُس نے شمولیت اختیار کی، کیپٹن امریکہ والے کام کروائے تھے؟ دوسرے ہی ہفتے میں ہتھیاروں کی سمگلنگ، موصل شیرٹن سے RPG-29s ٹرانسپورٹ کرنا، کمانڈر کے خطوط بغداد میں کسی پرندے تک پہنچانے ہوتے تھے۔شاک ٹریننگ کے ذریعے زندگی جیسے اس سے نکال لی گئی تھی... جوسیم سے بات کر کے وہ جانتا تھا کہ اُن کے کیمپ میں اور کسی کو وہ سب نہ کرنا پڑا تھا۔بیکار چیزیں کھانا، دن بھر موت کا سامنا کرنا۔

سیم دعویٰ کرتا ہے کہ انہوں نے اُس کے ساتھ بھی ایسا کیا تھا لیکن سنی نے اُس کی دبلی پتلی بانہوں پر سگریٹ کے جلنے کے نشان کبھی نہ دیکھے تھے۔اُس نے وہاں اُس کی گلابی کھال اور جلد کی پرتیں نہ دیکھی تھیں جہاں سے انہوں نے اُس کے بال اکھاڑے ہوں۔اُس نے کھلے میں اِدھر اُدھر ہونے پر سنی کی ٹانگوں، سینے اور بازوؤں پر کوئی کھٹملوں کے کاٹے پر کھرنڈ نہ دیکھے تھے۔سو ہاں، پھر تو صرف سنی ہی اور وہ کامیاب بھی رہا۔انہوں نے اُسے جس بھی امتحان میں ڈالا، وہ سرخ رُو رہا۔اور عوز بالکل غائب ہی ہو گیا؟ یوں ہی؟

''تمہارے اُس مقولے کا کیا ہوا؟''

سنی کی شاعری ہے۔فرینک ایک شاعر ہے، فیض کی طرح، علی کی طرح۔ان تمام مردوں کی طرح جنہوں نے محبت کی اور جدوجہد کی اور تکلیف اٹھائی اور ان میں اتنی دہشت باقی تھی کہ انہوں نے ورق پر کوئی شر پنل پھینک دیا۔لیکن عوز کی؟ اُس کوڑے میں کوئی روانی نہیں، کوئی نظم نہیں۔

''تمہیں معلوم ہے کیا؟'' وہ اب اپنے فون کو چھرا گھونپ رہا تھا''تم کوئی مسلمان ہی نہیں۔برو (بھائی)۔''

عوز، سنی کے میسج پڑھ رہا ہے، سب کے سب۔اور وہ جواب نہیں دے رہا۔آن لائن، عوز کے نام کے نیچے لکھا ہے۔لیکن وہ آن لائن جواب میں ٹائپ نہیں کر رہا۔

''تمہیں معلوم بھی ہے کہ یہاں ہو کیا رہا ہے؟ یہاں عوز۔جہاں تم نے مجھے بھیجا ہے۔تمہیں یہ یاد

ہے؟''اسلام ایک میدانِ جنگ ہے، برو۔ ہم اس دنیا سے جنگ میں ہیں، کزن۔ ہمیں زندہ رہنا ہے یا ہمیں مرجانا ہے، سنی۔'' تم یہ سب بکواس بھول گئے جو تم نے کہی تھی؟''

عوز کیا کر رہا ہے، شاور سے نکلتے ہوئے سیلفی لے کر پوسٹ کرنا، ساحل سمندر پر ہوا خارج کرنا؟ وہ کہاں رہا ہے؟

''یہ کیا ہمارے لیے مشکل نہیں؟ مسلمان، براؤن، دوسری نسل مگر اب بھی ہر وقت پاکی ہی کہا جاتا ہے، دن رات، دن رات، مہاجر مرکز میں رہتے ہوئے، گھر جنگل کیمپ سے ذرا بڑے نہیں؟

رنگ دار (سانولے) آزاد مرد ہونا اور دنیا کے سامنے کھڑے ہونا کافی نہیں؟

مرد جو وجود رکھنے کے کوڈز جانتے ہیں، کوڈز جن کے ذریعے آپ اپنے جائز مقام کی واپسی کا دعویٰ کرتے ہیں، آپ کا وقار، عزت، کوڈز جن کے ذریعے آپ پرواز کرتے ہیں یا آپ ڈوب جاتے ہیں، آپ مرجاتے ہیں... ہم یہی بننے کو پلے بڑھے تھے۔''

سنی کا دل تیزی سے دھڑک رہا ہے۔ اُسے جب بھی عوز کے اپنے پیغامات پڑھنے اور نظرانداز کرنے کا خیال آتا ہے، اُس کا منہ کڑوا ہو جاتا ہے۔ وہ جب بھی سوچتا ہے کہ کیسے عوز نے اُسے چھوڑ دیا، اس کا دل چیخنے کو چاہتا ہے۔ اسی طرح جیسے سنی بالکل بھی اہم نہ تھا۔ جیسے وہ بالکل نادیدہ تھا۔ وہاں کھڑا ہوا جس دوران ابو خالد اور وہ لڑکا پاکستان سے متعلق ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

مونٹی

کراچی میں، صحرا سے پہلے، عراق سے پہلے، لیلیٰ نے چمکتی سیاہی مائل نقرئی ریت میں اپنی ایڑیوں کو گھمایا۔

''یہ تیل ہے۔'' مونٹی نے ابھرتی لہر سے قدم اٹھا کر پرے ہوتے ہوئے چمڑے کی اپنی چپل پہنتے ہوئے کہا۔

''بے وقوف مت بنو۔'' اس نے جواب دیا، ''یہ مٹی (کیچڑ) ہے۔''

مونٹی نے اپنی بھنویں اچکائیں۔

''ایسا ہی ہے۔'' لیلیٰ نے اصرار کیا، ''دھواں، راکھ، کوئلے پر جلا ہوا مکئی کا بھوسہ۔'' اُس نے ہوا کو جیسے اپنی انگلیوں میں جھپٹ لیا۔ ''یہ سب یہی ہے۔'' اُس نے اپنی انگلیوں کی پوروں کو آپس میں رگڑتے ہوئے نرمی سے کہا، ''شہر کا ایک دن، بس۔''

مونٹی نے اپنا ہاتھ اس کے بھیگے بالوں میں پھیرا۔ لیلیٰ نے اپنی پھٹی ہوئی جینز اوپر چڑھائی اور ریت پر بیٹھ گئی۔ ''مونٹی۔'' اُس نے کہا، ''مونٹی بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔''

مونٹی نے مڑ کر سڑک کو دیکھا۔ اس کا ڈرائیور تانو گاڑی کے پاس کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا، اس کی عمر چالیس برس سے کچھ زیادہ ہو گی لیکن اس کی گوری رنگت اور ہلکی سبز آنکھیں اُس کے چہرے کو پختہ بنا دیا تھا۔ تانو سینڈل پہنتا تھا جس کے بکل اُس کے ٹخنے پر بندھے ہوتے، جنہیں وہ فرش پر گھسیٹتے چلتا تھا۔ اس کے جوتوں کے تلوے پرانے ٹائروں سے بنے تھے۔ اس نے اپنی ہتھیلی میں سادہ سلور کی رنگ میں گاڑی کی چابیاں تھام رکھی تھیں اور گاڑی کے گرد چکر لگاتے ہوئے، اپنی موجودگی سے اس کی حفاظت کرتے ہوئے منتظر تھا۔

مونٹی نے نوٹس کیا کہ جب بھی وہ لیلیٰ کو دیکھتا تو کیسے اس کے چہرے سے رنگ نچڑ جاتا تھا۔ تانو اگر ایسا کر پاتا تو فرش کو دیکھنے لگتا، رئیر ویو آئینہ میں لیلیٰ کی آنکھوں کو دیکھنے سے گریز کی خاطر اپنی سیٹ پر سکڑ جاتا۔ مونٹی نے جوس کے خالی ڈبوں اور پلاسٹک کے لفافوں کی دھجیوں کو اپنے سینڈل سے لات

ماری اور نیچے بیٹھ گیا۔

''بیٹھو۔'' لیلیٰ نے اپنا ہاتھ مٹی اور راکھ کے نقرئی ذروں میں گاڑتے ہوئے کہا،''میرے ساتھ بیٹھو۔''

اُسی نے اُسے یہاں لانے کی التجا کی تھی۔ Phuket اور Ko Samui کے ساحلوں کے عادی مونٹی کے لیے یہ تعمیراتی جگہوں، شاپنگ مالز اور گندگی سے بھرا شہر کا ایک بدصورت حصہ تھا۔ لیکن لیلیٰ کے نزدیک کسی اچھے دن گھر سے دو گھنٹے دُور یہ ساحل پورا جہان تھا۔

''تم نے دیکھا یہ؟'' اُس نے خاموش سمندر کے عین درمیان تیرتے براؤن ٹینکر کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ ''یہ یونان سے ہے۔ یونان، مونٹی۔ ہزاروں میل دُور، دیکھو کیسے یہاں بیٹھا ہے، ہمارے ساحل سمندر پر، منتظر۔''

اُس کے الجھے ہوئے بال اس کی کمر پر لہروں کی صورت پھیلے ہوئے تھے۔

مونٹی نے لیلیٰ کا ریت میں گڑا ہاتھ تھام لیا، اس کی ہتھیلی اپنی ہتھیلی میں دبا لی تاکہ کوئی بھی خصوصاً تانو نہ دیکھ سکے۔

''اور وہاں... '' لیلیٰ نے مونٹی کا سامنا کرنے کے لیے اپنا رخ موڑا لیکن اس کی نظریں ایک لاغر اونٹ کا پیچھا کر رہی تھیں۔ ''ہمارے اونٹ دنیا میں تیز رفتار ترین ہیں، مائی ڈیئر مصطفیٰ۔ عرب شہزادے یہ اونٹ لاکھوں میں خریدتے ہیں۔'' اس نے اپنے پھیلے ہوئے ہاتھ کی مڑی انگلیاں چوم لیں۔ ''وہ بچوں کو جوکی کے طور پر استعمال کرتے ہوئے انہیں اپنے صحراؤں میں دوڑاتے ہیں تاکہ بالغوں کے وزن سے ان کی رفتار کم نہ ہو۔ ہمارے اونٹ، مونٹی، وہ ان پر کروڑوں کا جوا لگاتے ہیں، لیکن یہاں اس ساحل سمندر پر یہ تمہاری سواری کے لیے ہیں... صرف تیس روپے میں۔''

اُس کے بھائی کے گاہک تھے، لیلیٰ نے بتایا، عرب شیخ جو صحرا میں تلور کے شکار کے لیے آتے ہیں۔ وہ ان کے لیے اجازت نامہ حاصل کرتا ہے، انہیں گارڈز مہیا کرتا ہے، چرس اور تفریح بھی۔ اس وجہ سے اُسے اونٹوں کے متعلق معلوم تھا، کراچی کا خفیہ اثاثہ، وہ مسکرائی۔

اونٹ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے وہ کراچی کے موسم گرما کے حبس کی سفاکی کے سامنے جان ہار دے گا، لیکن لیلیٰ نے اُسے فخر سے دیکھا۔

''مونٹی، مجھے دیکھو۔'' اُس نے اپنے جسم کو توزان دیتے ہوئے اپنے عریاں پیر اُس کے قریب یوں گاڑ دیئے کہ وہ ایک ہی جنبش میں اُس کی گود میں آ سکتی تھی۔ مونٹی نے ایک بار پھر کنکھیوں سے دیکھا۔ تانو ابھی بھی وہیں کھڑا اُنہیں دیکھ رہا تھا۔ پانی سے بھرے مون سون بادلوں کی طرح اُس کے چہرے پر اضطراب کا سایہ تھا۔ ''مونٹی۔'' لیلیٰ نے اپنا ہاتھ مونٹی کے ہاتھ سے چھڑوایا اور ٹھنڈی ریت کے ذرات اُس کی ٹھوڑی پر چھوڑتے ہوئے اس کا چہرہ واپس اپنی طرف موڑا۔ وہ سانس دھیرے سے لے

رہی تھی۔ ''تم مجھے چاہتے ہو؟''

اُن سے آگے شکنوں بھری پتلون میں ملبوس ایک جسیم سانولا آدمی اپنی رانوں کے بل دراز بحیرۂ عرب سے مچھلی باہر کھینچ رہا تھا۔ اُس کے اردگرد تمام ننگے پیروں والے لڑکے، اُس کے جال میں سے نقرئی مچھلی کو نکالنے کے لیے دوڑ کر جاتے ہوئے چلائے۔ مچھیرے نے اپنی پوری قوت سے گدلے براؤن پانی سے سرمئی جال کھینچ کر نکالا، اپنے بازو سے اپنی آنکھوں پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے تاکہ ہاتھ چھوڑ کر وہ اپنا شکار کھو نہ دے۔ اس کی پھٹی ہوئی قمیص پر اڑی ہوئی سی تحریر تھی:

The best day ever.

''سب سے بڑھ کر۔'' مونٹی نے ریت میں دفن لیلیٰ کا ہاتھ تلاش کرتے ہوئے جواب دیا۔

''مونٹی۔'' لیلیٰ نے دھیرے سے نرمی سے کہا، ''مونٹی تمہیں محبت نہیں کرنا چاہیے۔''

اُس رات مونٹی اپنے والدین کے ہمراہ ڈنر کی میز پر بیٹھا تھا۔ پاپا نے Fujiyama سے سوشی آرڈر کی تھی اور اینجلا ئز نے سفید اور نیلے ٹیک اوے ڈبے کھولے تھے، اس کھانے کو تیار اور ترتیب دیتے ہوئے جو وہ خود نہ کھاتی۔ ننگے پیر اینجلا ئز نے پنک Pickled ادرک اور سویا سوس کے پیالے ترتیب دیتے ہوئے مہارت سے حرکت کی۔

خدیجہ کو عرصہ ہوا کام سے نکالا جا چکا تھا، خدیجہ اور کئی نوعمر لڑکیاں زہرہ احمد نے جنہیں پہلے کچن میں کام کرنے کو نچلی منزل پر کام پر لگا دیا تھا اور پھر انہیں فارغ کر دیا گیا۔ اینجلا ئز اپنا سر جھکا کر رکھنے اور زہرہ کے سب بڑھتے ہوئے سخت احکامات سے مطابقت اختیار کرنے پر بچ گئی تھی۔ احمد خاندان کے ہر رکن کے عقب میں اُس نے چاپ سٹکس کا ایک جوڑا کھولا اور لکڑی کی سنہری کھچوں کو آزاد کرتے ہوئے اُسے چاقو تیز کرتے کسی شیف کی طرح تیزی سے ایک دوسرے سے رگڑا، جس کے بعد انہیں ہر پلیٹ کے برابر میں دھیرے سے رکھ دیا۔

''Wasabi اور سویا ساس کو آپس میں ملا لو۔'' زہرہ نے ملازمہ کو ڈانٹا۔ اس نے پرغفلڈ ریشمی دوپٹہ درست کیا جو اس کے شانوں پر آ گیا تھا، اسے دوبارہ اٹھایا اور بے پروائی سے اپنے سر پر لے لیا۔

''اینجلا ئز مجھے تمہیں کتنی بار بتانا پڑے گا؟ Wasabi کو ساس میں مکس کرو۔ اس میں، اس کے اندر۔'' زہرہ نے ایک ہاتھ سے تصوراتی پیالے میں حل کرنے کی نقل کی، دوسرا ہاتھ نظروں سے اوجھل میز کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

''جی، میم۔'' اینجلا ئز نے تین گلاسوں کو ایسلے کی بوتل کے پانی سے بھرتے ہوئے سر ہلایا۔

مونٹی کے والد نے بغیر ہینڈل کے مٹی کے مگ سے Miso سوپ پیا، بالکل جیسے وہ ریسٹورنٹ میں لیتے تھے۔ ''کیا تم یہ غل غپاڑہ بند کر دو گے؟'' انہوں نے ٹی وی کی طرف اشارہ کرتے آہ بھری جہاں نیر کا شام کا وعظ جاری تھا۔

شکریہ برو، تمام شکر اللہ کا۔سنی نے بعد میں آنے والے خیال کے تحت عینک والے مسکراتے چہرے کا اضافہ کیا۔

میرا خیال ہے کہ جو تم کر رہے ہو، وہ عظیم کام ہے۔کسی Nerd نے لکھا،لیکن کوئی حقیقی مسلمان تحریک اپنے جنگجوؤں کو کلاشنکوف سے کیسے لیس کر سکتی ہے... زمین پر سب سے بڑے ملحدوں کے ایجاد کردہ ہتھیاروں سے؟

Fuck off ، سنی لکھتا ہے اور پھر ڈیلیٹ کر دیتا ہے۔ وہ مناسب جواب سوچنے کے لیے اٹھ بیٹھتا ہے۔ بہت سے لوگ اب اُس کی فیڈ چیک کرتے ہیں، اُسے درست سنائی دینا چاہیے تھا، بیدار سنائی دینا چاہیے۔اپنے مداحوں کے لیے ایک انسپائریشن، انہیں دعا دینا،لیکن وہ اب بھی پریشان، مضطرب تھا۔عوز کے ساتھ گزشتہ رات واٹس ایپ کی وجہ سے۔عوز نے اب تک جواب نہ دیا تھا۔اگرچہ سنی جانتا تھا کہ اُس نے تمام میسجز پڑھ لیے تھے۔

شاید عوز کے ساتھیوں میں سے کوئی اُس سے بے ایمانی سے کام لے رہے تھے،شاید یہ کسی قسم کی غلطی تھی؟ لیکن وہ لڑنے کے لیے واپس نہ آیا تھا، جیسا اُس نے وعدہ کیا تھا۔سنی ہر دس منٹ بعد اور اپنی ای میلز چیک کرتا ہے لیکن عوزی کی طرف سے کہیں کوئی سموک سگنل نہیں تھا۔

وہ پلاسٹک کے فورک سے تونا کے ٹن سے بے دلی سے کھاتا ہے۔مونٹی سائے کے لیے شرٹ منہ پر ڈالے نیچے لیٹا بے خبر سو رہا ہے۔

بھائی۔سنی اُنگلیوں پر سورج مکھی کے تیل کے داغ کے ساتھ ٹائپ کرتا ہے، جب تم اپنے مضافاتی لونگ روم سے رینگ کر نکلو تو مجھے آگاہ کر دینا اور پھر ہم اس معاملہ پر مزید بات کر سکتے ہیں۔

وہ فضائی روشنی کے لیے آگ کے قریب ہو جاتا ہے، اپنے Snapchat پر ریکارڈ کا بٹن دباتا ہے، ریٹا کو اپنے برابر میں بٹھا لیتا ہے اور اپنا فون اپنے سامنے لے آتا ہے۔لوگ میرے متعلق حیران ہوتے ہوں گے، جاننا چاہتے ہوں گے کہ میں کون ہوں اور کیا کرتا ہوں... دکھانے اور بتانے کے درمیان توازن رکھنا ہوگا۔کچھ سبق، یہاں کی زندگی کے بارے میں کچھ علم، Jihadsplaining کی خوراک اور پھر کچھ ختمی وقفوں پر: میں۔

سنی آنکھ مارنے اور اپنی زبان نکلنے سے پہلے کیمرے میں اپنا عکس چیک کرتے ہوئے اپنی ہتھیلی کو چاٹ کر اس سے اپنے بالوں کو ذرا ہموار کرتا ہے۔ Automatova Kalashnikova selfie for all you jihad peeping toms what #AKLife # ritadiaries

کون جانے سنیپ چیٹ کیسے کام کرتی ہے۔سنی فون پر اپنے کانسی رنگ کے عکس پر کہتا ہے،لیکن میں نے ابھی اپنا اکاؤنٹ کھولا اور پہلے ہی میرے 150 فالوورز ہیں... اپنے خون سے نہیں بلکہ اجنبیوں کے اس جم غفیر سے توجہ حاصل کرتے ہوئے میں یہاں اپنا نام بتانے والا ہوں۔وہ فون اپنے بائیں ہاتھ

میں لیتا ہے اور اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی کو اپنے سینے پر مارتا ہے، کوئی جو زندہ رہے گا، کوئی جو مجھ سے لڑنے والوں کے لاشوں پر تاج بنے گا (سواری کرے گا)، جو میری جان لے گا، میرے جانے کے بعد دیر تک، جنت میں بھیجے جائے گا، پھولوں کا تاج پہنایا جائے گا اور میرے بھائیوں، شہدا اور بادشاہوں کے پہلو میں زمین میں دفنائے جانے کے بعد۔

سنی اپنے خودکار ہتھیار کی جگہ بدلتا ہے اور تصویر لیتا ہے، فریم کو روشن کرنے اور ریٹا اور اپنے درمیان سایوں کو ختم کرنے کے لیے تصویر کو ایڈٹ کرتا ہے۔

لیکن وہ بہتر کر سکتا ہے۔

''مونٹی۔'' سنی پکارتا ہے۔ ''مجھے ایک سیکنڈ اپنی اے کے دو۔'' مونٹی، سنی کو دیکھتے ہوئے پہلو کے بل لیٹا ہوا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں گھماتا ہے۔ ''سنی، جانے بھی دو۔''

''جانے بھی دو، کچھ نہیں۔'' سنی کھڑا ہو کر ٹیک لگانے کے لیے کچھ ڈھونڈتا ہے، کوئی پتھر یا کچھ بھی۔ ''یہ جنگ کا حصہ ہے، مونٹی، بڑے ہو جاؤ اور اے کے مجھے دو۔''

مونٹی، سنی کی طرف بھاری قدموں سے بڑھتا ہے اور اپنی مشین گن کندھے سے اتارتا ہے۔

''سیلفی کیسے جنگ کا حصہ ہے؟'' وہ بیزاری سے پوچھتا ہے۔

سنی، ریٹا کو اپنے بائیں کندھے پر لٹکاتا ہے اور مونٹی کی اے کے کو دائیں کندھے پر۔ ''کبھی پراپیگنڈا کا سنا ہے، مونٹی؟''

''کیا تم ایک منٹ بھی شکایت کے بغیر رہ سکتے ہو؟''

مونٹی مڑ جاتا ہے، یوں جیسے وہ سنی کو اپنا کام کرنے کی سپیس دے رہا ہو، یوں ظاہر کرتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔

سنی مشین گن کا بٹ اپنے کولہے پر لگاتا ہے اور اپنی ٹھوڑی کو خم دیتے ہوئے میگزین کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔

''میرے کھڑے ہوئے تصویر اتارو۔'' سنی ناراضی سے کہتا ہے، ''فلیش لائٹ آن کر کے اپنا فون اوپر کرو تا کہ ہم فلیش استعمال نہ کریں۔''

مونٹی جھک کر سنی کا فون اٹھا لیتا ہے۔ وہ تصویر کلک کرتا ہے۔

''دوبارہ کلوز اَپ لو۔'' سنی اپنی ناک چڑھاتا اور دانت بھینچ لیتا ہے، یوں جیسے وہ غرا رہا ہو۔

مونٹی کیمرے کو ترچھا کرتا ہے اور نیم دلی سے ایک اور تصویر کھینچتا ہے۔

سنی لمحے بھر کو اے کے کی تصویر فیس بک پر ڈالنے کا سوچتا ہے، محض چند نئے فالوورز میں اضافہ کی خاطر، محض عوز کو یہ دکھانے کی خاطر کہ وہ پھل پھول ہو رہا ہے، کیسے وہ یہاں کامیاب ہو رہا ہے۔

زہرہ نے اپنے شوہر کو نظر انداز کیا، اُس کو شک تھا کہ وہ ڈنر سے پہلے مے نوشی کرتا رہا تھا۔ وہ اس کی سانس میں وہسکی کی ہلکی سی عفونت زدہ بُو محسوس کر سکتی تھی۔ اگرچہ اکبر اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ گھر میں الکوحل کے بارے کیا محسوس کرتی تھی۔ زہرہ نے میز پر دوسری طرف اپنے بیٹے کے ہاتھ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ''ڈارلنگ، تم ڈنر کے لیے اتنی دیر سے کیوں آئے؟''

مونٹی نے مرطوب Tempura کو آوارگی کے ڈبوں سے نکال کر ایک باسکٹ میں ترتیب دیتے دیکھا... بالکل اُس طرح جیسے وہ فوجی یاما میں سرو کرتے تھے۔ اور ماں کو اپنا ہاتھ تھامے رہنے دیا۔ ''میں ساحل سمندر پر تھا۔'' اُس نے جواب دیا۔

''ساحل سمندر؟'' زہرہ نے اپنی ناک سکیڑی۔ ''کیوں؟'' مونٹی اپنی ماں کے ہونٹوں کو ہولے سے کپکپاتے دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے آنکھ سکیڑ کر جائزہ لیا۔ کیا وہ پریشان تھیں؟

''تمہیں معلوم ہے وہ محفوظ جگہ نہیں ہے۔ ہر قسم کی گاڑیاں اٹھانے والے اور چور وہاں کام کرتے ہیں۔''

''کیا تم یہ بکواس بند کرو گی؟'' پاپا نے اپنا آئی فون اٹھایا اور نیلے فریم والی اپنی ریڈنگ گلاسز ناک پر ٹکالی، انہوں نے تونا رول اٹھایا اور اسے wasabi سویا ساس کے کم گہرے پیالے میں اپنی چاپ سٹک دائیں بائیں کرتے ہوئے تر کیا، سیاہ ہوتے لقمے کو اپنے منہ میں ڈالنے سے پہلے۔

زہرہ نے مونٹی کا ہاتھ دبایا۔ اُس کے ہونٹ اب بھی ہلکی سی تھرتھراہٹ کے ساتھ حرکت میں تھے۔ ''خصوصا رات کو، بیٹا۔ اگر تم چاہو تو ہم کسی ویک اینڈ ہا کس بے ہٹ چلیں گے۔ لیکن اُس علاقے سے گریز کرو، برائے مہربانی۔''

''زہرہ۔'' اکبر نے اپنی عینک کے اوپر سے جھانکا۔ ''اس خبطی کو آف کر دو۔'' اس نے اپنے فون سے ٹی وی کی طرف یوں اشارہ کیا جیسے وہ کوئی ریموٹ تھا۔ زہرہ نے جیسے اُسے روکنے کی خاطر اپنا ہاتھ اپنی گود سے ہٹایا اور مونٹی نے دیکھا کہ وہ تسبیح تھامے ہوئے تھی۔

وہ ٹی وی میزبان کے ساتھ اُس کے تلاوت کیے گئے تمام الفاظ دہراتے ہوئے سبز رنگ کے موتیوں کو ایک ایک کر کے شمار کرتے ہوئے دعا کر رہی تھی۔

''وہ اچھا آدمی ہے۔'' زہرہ نے اپنے شوہر کی طرف دیکھے بغیر زیر لب کہا، ''اُس کے بارے میں اس طرح بات کرنا مناسب نہیں۔''

سنی

رات دیر گئے صحرا خاموش اور تاریک ہے، واحد روشنی سنی کی جلائی گئی تھوڑی سی آگ اور اس کے فون کی چمک ہے۔ سنی اپنا Tumblr کھول کر تصویر اَپ لوڈ کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی ریٹا کے برابر میں ایکTabby۔

بلی کا ننھا سا بچہ اُسے دور دراز علاقے میں خود ہی مل گیا تھا۔ سنی کو دیکھتے ہی وہ اس کے قریب آیا اور اپنا خستہ حال جسم اس کی ٹانگ سے رگڑنے لگا۔#catsofjihad. #jihadtourism، عراق آؤ، دنیا دیکھو، ہاہا۔ لیکن اس بکواس EDGE نیٹ ورک سے وہ تناؤ میں آرہا ہے۔ عراق کا انٹرنیٹ کنکشن چینی واٹر ٹارچر کی طرح ہے۔

سنی پیج کو ریفریش کرتا ہے، پیج کو ریفریش کرتا ہے، ریفریش کرتا ہے۔

جتنے وقت میں وہ واپس Tumblr پر آیا، چار منٹ بعد، اس کی تصویریں ری بلاگ ہوئیں اور لائیک کا بٹن روشن ہو گیا۔ ایک نوٹ، پھر پانچ، پھر آٹھ۔ اُس کے یہاں آنے کے بعد واحد چیز جو اس کے حق میں جا رہی ہے، یہ ہے کہ اُس کے سوشل اکاؤنٹ روشن ہو گئے ہیں۔ سنی کے جو بھی مردہ اعصابی سرے ہیں، اُس کے جو حصے بے حس اور سن ہو چکے ہیں، اُن کی بے آہنگی ختم ہوئی اور وہ دوبارہ زندہ ہو گئے۔ دوبارہ نیا جنم، وہ ایک Influencer بننے والا تھا۔

سنی نوٹس پر کلک کرتا ہے۔

میں، کاش میں بھی وہاں جنگجو ہوتا، اپنے لوگوں کے خلاف، جرائم کے خلاف لڑتا۔

ان شااللہ بھائی، تمہیں یہ سفر کرنا چاہیے۔ وہ جواب میں تازہ دم اور سخی دل محسوس کرتے ہوئے ٹائپ کرتا ہے۔

بسم اللہ۔ چند لڑکیاں لکھتی ہیں، مفروضہ طور پر بلی کے بارے میں بہت سے مسکراتے چہرے جن کے دل ان کی آنکھوں میں (Smilies)۔

Yr Photos are sick! ۔ بہت پسند آئیں، Luv jihad، سبحان اللہ!

لیکن پھر بھی اُسے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ فیس بک پوسٹ شاید وہ بس سموک سکرین تھی، بس کیمو، چارہ اور توجہ ہٹانے کا حربہ جبکہ وہ نصب العین کے لیے مزید لڑکے بھرتی اور رقم جمع کر رہا ہوگا... شاید انہوں نے اُسے نظروں میں رکھ لیا ہو... شاید وہ کچھ عرصہ ریڈار میں آ گیا ہو؟

لیکن پھر بھی، کچھ تھا جو ٹھیک نہیں تھا۔

سنی وہ ایپ بند کرتا اور Tumblr پر آ جاتا ہے۔ مونٹی کے نیند میں آہیں بھرنے سے پہلے، ریٹا اور اُسے مزید پینتالیس لائیکس مل جاتے ہیں۔

مونٹی

اگلی صبح، چند کلومیٹر طے کرنے کی تگ و دو کرتے ہوئے، دھوپ میں گھنٹوں گزارنے کے بعد، جلتے ہوئے پیر، حلق میں خراش کے ساتھ، وہ بالآخر موصل ڈیم پہنچ گئے۔ ریت کا وسیع میدان اور صحرا کی عدم حیات کو بالآخر ڈیم کی اعلیٰ مشینری اور تعمیر نے توڑ دیا، لیکن خود ڈیم بھی سنسان، خالی، اجاڑ تھا۔ پانی ساکن اور خاموش تھا۔ کوئی بھی گارڈ کی ڈیوٹی پر نہ تھا، گشت پر کوئی برادر نہیں، فاصلے پر کہیں تحریک کا کوئی پرچم نہ پھڑ پھڑا رہا تھا، زندگی کے کوئی آثار کہیں نہ تھے۔ ڈیم، موصل کے بعد، امہ تحریک کا دوسرا بڑا قبضہ تھا اور یہ پہلے ہی سنسان تھا۔ کیا یہاں مقیم برادران عراقی فوج کے ہاتھوں پکڑے گئے تھے؟ یا بدتر... مقامی ملیشیا کے ہاتھوں مارے گئے؟ کیا کمانڈر جانتے تھے؟

مونٹی نے اپنا بیگ فرش پر گرا دیا اور اپنے کپڑوں میں کچھ تلاش کرتے ہوئے جلدی سے اس کی زپ کھولی۔ تربیت کے دوران انہیں فیصلہ کن انداز میں ردِعمل دکھانا سکھایا گیا تھا، مخالف ماحول میں ہر لمحہ ایک برتری تھا۔ انہیں اپنے کمانڈر کو چوکنا کرنا تھا، صحرا میں حرکت کرتے اپنے برادران کو، کسی کو بھی۔ انہیں کسی کو بتانا تھا کہ وہ خطرے میں ہو سکتے تھے۔ مونٹی نے اپنے ہاتھوں پر توجہ مرکوز کی، اپنے بیگ پر... ہر شے پر، اس کے بڑھتے ہوئے دہشت کے احساس پر... یہاں تک کہ اُسے وہ مل گیا کہ جس کی اُسے تلاش تھی۔

سنی نے مونٹی کے ہاتھ میں موجود Thuraya پر نظر ڈالی۔ ''یہ کیا ہے؟''

مونٹی نے اپنے جسم میں پھیلتی سنسنی کو کم کرنے کی کوشش میں گہری سانس لی۔ کچھ نہیں، وہ اچانک گھبرا کر بڑبڑایا، بس فون ہے۔

سٹرکچر (عمارت) وسیع تھا، اتنا وسیع کہ وہ دونوں اپنے شیڈول میں سنجیدہ تاخیر کا باعث بنے بغیر اس کی از خود تلاشی نہ لے سکتے تھے۔ مونٹی نے ساتھی فوجیوں کی تلاش میں اپنا ہاتھ آنکھوں تک اٹھایا۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہاں کوئی نہ تھا؟

''سیٹلائٹ فون؟ نہیں، برو، تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو؟'' سنی نے واضح طور پر ایسی

چیز پہلے نہ دیکھی تھی مگر پھر بھی اُس نے یقین سے دعویٰ کیا کہ یہ برا آئیڈیا تھا۔ ''واقعی مونٹی؟ تم جانتے ہو کہ وہ بکواس تمہارے محل وقوع کی بالکل درست طور پر نشاندہی کرسکتی ہے؟ ہیلو؟''

مونٹی سورج کی چندھیا دینے والی چمک سے دور ہونے کی کوشش میں دائرے میں گھوم رہا تھا۔لیکن وہ اس کا دَم گھونٹتا ہوا، اُسے اندھا کرتا ہوا، اس کے لیے دیکھنا ناممکن بناتا ہوا، ہر کہیں تھا۔

کیا وہ خطرے میں تھے؟ کیا لیلیٰ؟

اوہ خدایا۔لیلیٰ۔

مونٹی نے بے بسی سے بٹنوں کو بار بار دباتے ہوئے مشین آن کرنے کی کوشش کی۔ اس کا ڈرائیور تانو اُسے یہ خریدنے کے لیے صدر لے گیا تھا۔اس کا ایک کزن الیکٹرونکس سمگل کرتا تھا اور اس نے کہا کہ وہ مونٹی کو اچھی قیمت پر دے دے گا۔جب وہ ہاکروں اور بیچنے والوں اور سینکڑوں مصروف خریداروں کے درمیان سے جگہ بناتے ہوئے جو سب صدر کی اندھیری گلیوں سے تیزی سے گزر رہے تھے، آگے بڑھ رہے تھے، مونٹی کو سٹیلائٹ فون اپنے سینے سے لگا کر اتنا فخر محسوس ہوا۔اُس نے فون خود ہی تلاش کیا اور خریدا تھا، اُس نے اپنے باپ سے مدد یا اُن کے روابط کے استعمال کی مدد نہیں چاہی تھی، مونٹی نے یہ سوچتے ہوئے احمق محسوس کرتے ہوئے اب اُس احساس کو یاد کرنے کی کوشش کی کہ سنی Thuraya سے متاثر ہو جائے گا۔

''کیا۔'' سنی دل شکن انداز میں مسکرایا۔''کیا یہ تمہارے ڈیڈ نے تب تمہیں دیا تھا جب تم نے انہیں بتایا کہ تم یہاں شامل ہو رہے ہو؟''

Thuraya کی چھوٹی سی سکرین روشن ہوئی اور اتنی ہی تیزی سے بجھ گئی۔مونٹی، سنی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر پایا، وہ پہلے ہی خاصی ذلت محسوس کر رہا تھا۔اُس نے یہ دعا کرتے بار بار بٹن دبائے کہ فون آن ہو جائے۔

سورج ان کے سامنے ہر شے کو دھندلا کرتے ہوئے تیزی سے بھڑک رہا تھا۔مونٹی نے اپنے ٹھوڑی تک لمبے بال اپنے چہرے سے پرے ہٹائے اور اپنی آنکھوں کو رگڑا۔اس کی جلد چیخ رہی تھی، اُس کے بال تنکوں جیسے محسوس ہوئے۔اُس کی ناک اور منہ کا اندرونی حصہ خشک اور تکلیف دہ تھا۔اُس نے اپنا حلق کھنکار کر صاف کرنے کی کوشش کی، لیکن یوں محسوس ہوا جیسے اُس نے جلتی ریت کے سینکڑوں ذرات نگل لیے ہوں۔کیا تھا اگر یہی تھا... انجام؟ اُس نے اتنا لمبا سفر کیا تھا، لیلیٰ کی تلاش میں دنیا کے اس آخری سرے تک آنے میں اپنی زندگی بکھیر دی تھی، کیا صرف یہاں مرنے کی خاطر؟ اس کی جلد پر، اُس کے خراشوں بھرے اور تھکے ماندے سارے جسم پر پسینہ رینگنے لگا۔

وہ جھکا، اپنے گھٹنوں کو تھاما اور اسے ابکائی سی آ گئی۔

سنی اونچی آواز میں غرایا، ''کمال کی ٹائمنگ، مونٹی۔'' اُس نے اپنی اے کے 47 نکالی،

شہادت کی انگلی سے بولٹ کو تھاما، پیچھے کھینچا اور تیزی سے چھوڑ دیا۔ خالی صحرا میں دھات کی آواز گونجی۔ وہ خیرہ کن حد تک سرد آواز تھی۔

''سنی۔'' مونٹی اپنا معدہ تھامے اور ابکائی لیتے ہوئے بسورا۔ ''سنی، مت کرو۔''

''بکواس مت کرو، مونٹی۔'' سنی نے رائفل اپنے شانے سے لگائی اور ڈیم کے محیط میں حرکت کرتے ہوئے نشانہ باندھنے لگا۔

مونٹی نے اپنے ہاتھ کی پشت سے منہ سے تیزابی تے کو پونچھا۔ وہ چکراتے سر کے ساتھ بمشکل کھڑا ہوسکتا تھا۔ اُس نے لمحہ بھر کو آنکھیں بند کیں۔ اپنا ہاتھ اپنی گردن کی گدی پر پھیرا، اس کی جلد پر سے مٹی اور سیاہ کالک کے گولے سے اترے۔

''سنی۔'' مونٹی تیزی سے کھڑا ہوتے ہوئے اپنے جوتوں سے الجھا۔ اس کا سر شدت سے چکرا رہا تھا۔ ''ہمیں نیچے جھک کر رہنا ہوگا۔ ہم اپنی طرف توجہ مبذول نہیں کروا سکتے۔'' وہ دوبارہ ریت پر گر گیا، محتاط کہ اپنی تے کے ملغوبے پر نہ جا پڑے۔

''میں اسے سنبھال لوں گا۔'' سنی جو کسی ہرن کے شکاری کی طرح دروازوں کے محیط کی آڑ لے رہا تھا، اپنے کندھے پر سے چلایا۔ ''مونٹی صاحب، تم آرام کرو۔'' اُس کی ہنسی اُس کے اردگرد خالی صحرا میں گونجی۔

مونٹی نے اپنے منہ کے تلخ ذائقے سے گریز کرتے اپنے نتھنوں سے آہستہ سے سانس لی۔ وہ مشکل میں تھے۔ ڈیم اجاڑ تھا۔ گشت پر کوئی بھی نہ تھا۔ کیا سنی یہ سمجھتا تھا کہ وہ روشنی کا مینارہ (رہنما) تھا، یہ کہ مونٹی اور وہ ہی تحریک کی پیش قدم روشنی تھے، اس کے تنبیہی سگنل پیچھے بیس کیمپ میں اپنے برادران ہی کے لیے نہیں بلکہ آگے کفار کے لیے تھے؟

''سنی۔'' مونٹی کمزوری سے پکارا۔ ''یہاں خطرہ ہے، ہمیں حرکت کرنا ہوگی۔''

اُس کے ہاتھوں میں Thuraya کی سکرین پر دوبارہ مدہم روشنی جھلملائی۔ آف اور آن، آن اور آف، مرنے سے پہلے، مختصر عرصے کو ازسرِنو زندہ ہوتے ہوئے۔

سنی

یہاں اس سب جد وجہد، اس کے کچھ معانی ہیں ۔خدا کا کوئی منصوبہ ہے، خدا راستے کو جانتا ہے، اگر اور کوئی نہ جانتا ہو، کم سے کم وہ جانتا ہے کہ موصل ڈیم کے سنسان یا خالی ہونے سے آخر کیا مراد ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ بالکل خالی کیوں تھا... واحد وقت جب انہیں اس کی ضرورت ہوسکتی تھی... اور وہ جانتا ہے ان کی کمیونیکیشن ہر کاروں تک کیوں محدود تھی جو ہاتھ اور منہ سے اہم پیغامات پہنچاتے تھے۔ اکیسویں صدی اور یہ سب، لیکن امہ تحریک کی فتح Analogue جیتنے والی تھی۔

سنی نے مونٹی کو ڈیم سے محفوظ فاصلے پر ایک ڈھیر پر پڑے چھوڑ دیا۔ وہ جتنا تیز چل سکتے تھے، چلے تھے، سنی اپنے ٹھنڈے پسینہ آلود جسم کے گھسیٹتے ہوئے مونٹی کو سیدھا اٹھائے ہوئے تھا۔ کئی کلومیٹر تک واحد آڑ یا پناہ گاہ ایک پرانا ٹول پلازا تھی، ٹوٹی ہی کھڑکیاں، کرسیوں کے نکلے ہوئے سپرنگ، کہیں کوئی گاڑیاں نہیں۔ مونٹی نے اپنی آنکھیں خدا جانے کس کی تلاش میں نظریں ارد گرد دوڑاتے ہوئے احتجاج کی کوشش کی... سپاہی، دشمن، ٹول بوتھ کے ملازم... لیکن اس کا جسم اولڈ بوائے سے کوئی بھی درخواست کرنے کے لیے بہت کمزور تھا۔ سنی نے اُسے ڈھانچا دکھائی دیتی، ابھرے سپرنگ والی کرسیوں میں سے ایک پر گرا دیا اور اسے پانی کی بوتل دی۔ یہاں بیٹھو اور انتظار کرو، اُس نے مونٹی کو ہدایت دی۔ حرکت مت کرنا۔

سنی، مونٹی کے نقشوں کی مدد کے بغیر اپنے قدموں کا دوبارہ سراغ لگاتے واپس ڈیم کی طرف آیا۔ کہیں کوئی جواب ہونا تھا، یہ بلا وجہ نہ تھا کہ ڈیم ایک ڈیڈ زون تھا۔ یہ واحد چیز تھی جو اس مایوسی بھرے کارِ دشوار میں اب تک حقیقت میں ہوئی تھی۔ کسی واقعی ایکشن کی پہلی علامت۔

اضافی بوجھ اٹھائے اور مونٹی کی مسلسل ٹر ٹر کے بغیر، فاصلہ زیادہ حوصلہ شکن نہ لگا۔ سنی چمکتی دھوپ سے حفاظت کے لیے آنکھوں پر ایک ہاتھ رکھے آرام وآہستگی سے چلتا رہا۔ جب سنی ڈیم کی طرف جاتے راستے کے قریب ہوا تو نازک جنگلی پھولوں، سفید شگوفوں کی پھوار سی دکھائی دی جو زمین میں اُگ آئے تھے۔ انہیں دوپہر کو اس قدر پیدل نہیں چلنا چاہیے تھا لیکن اب سنی کو یقین دہانی حاصل کرنا تھی کہ سب ٹھیک تھا۔ کیا ہوتا اگر وہ رات سے پہلے ڈیم تک نہ پہنچ پائے ہوتے... کیا وہ کسی بات کا نوٹس کرتے؟

سنی کو بھروسا تھا۔ سب کچھ ٹھیک ہونا تھا۔ مونٹی کے برعکس، خوف کے باعث اس کی رفتار کم نہ ہوئی تھی۔ خود کو ڈیم پر تقریباً نڈھال کر لیا تھا، اُسے بوتھ میں چھوڑنے سے پہلے سنی کو اُسے پُرسکون اور Reboot کرنا پڑا تھا۔ ''ہم سب کو مشکلیں ہیں، بیٹے۔''

براور اُسے جانے سے روکنے کے لیے اُس کا ہاتھ سختی سے تھامے التجا کر رہا تھا کہ وہ نہ جائے اور اسے صرف فون سے گوگل کر لے۔ سنی نے اُسے زور سے دور جھٹکا۔ ''حوصلہ کرو، مونٹی۔'' وہ بڑبڑایا، ''تم مجھے تو پانی کی کمی کا شکار ہونے، آنکھوں میں کنکرے پڑنے، کمزور اور تنہا ہونے اور ہر رات کو جب ہم سونے کے لیے لیٹتے ہیں تو اپنے معدے میں اضطراب کے متعلق روتے ہوئے نہیں سنتے ہو۔ باس، تم گوگل پر کم شدت کی گوریلا جنگ نہیں لڑ سکتے۔'' Fucking امیر بچہ۔

سنی اجاڑ اور عجیب طرح سے خاموش ڈیم کے بلند پوسٹ گارڈ پر چڑھ گیا۔ دروازوں سے سیٹی بجاتی ہوئی صرف ہوا ہی کا شور تھا، جو پوری طرح بند نہ تھے اور ہوا کی سبب نرمی سے آگے پیچھے بجتے تھے۔ وہ پوسٹ میں داخل ہوا اور کسی سراغ کی تلاش میں اپنا ہاتھ گارڈ کی ڈیسک پر پھیرا۔ اس کی انگلیوں پر مٹی کی تہ لگ گئی... کافی عرصہ سے وہاں کوئی نہ بیٹھا تھا، اُس نے گرد آلود Beige ٹیلی فون اٹھایا، لائن ڈیڈ تھی۔ وہ لمحہ بھر کو کھڑا باہر ڈیم کو دیکھتا رہا۔ اُس نے ایسا کچھ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، اس قدر وحشت خیز اور صنعتی۔

خون، شیشہ یا کچھ بھی ایسی چیز... کی تلاش میں زینے کا کھوج لگاتے وہ سیڑھیوں سے نیچے گیا۔ لیکن فرش پر پینٹ کی طرح مٹی کی موٹی تہ کے سوا، سیڑھیاں صاف ستھری تھیں۔ جب وہ نیچے پہنچا تو زوردار دھماکے کی آواز نے خاموشی کو چیر دیا اور سنی فرش پر تقریباً گرتے ہوئے لڑکھڑا گیا، اُس کا دل تیز دھڑکنے لگا قبل اس کے کہ اُسے ادراک ہوا کہ یہ کچھ بھی نہ تھا... صرف اوپر کا دروازہ ہوا میں بجا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خود پر سے گرد جھاڑی۔ ڈیم کو چھوڑ دیا گیا تھا اور اُسے سمجھ نہیں آسکی کہ کیوں۔

لیکن اس سے فرق نہ پڑا۔

ہر بات کا کوئی نہ کوئی مطلب تھا... سنی کو جاننے کی ضرورت نہ تھی کہ کیا، اُس نے اس بات کو خدا پر چھوڑ دیا تھا۔ اُسے محمد علی کی کہی ایک بات یاد آئی، ''بس یہ یاد رکھو، تمہیں وہ بننا ضروری نہیں جو وہ تمہیں بنانا چاہتے ہیں۔'' وہ جو چاہتے تھے، وہ اس سے تمام عمر لڑتا آیا تھا، ہر ایک روز، یہاں آنے سے پہلے تک۔ اب سنی ایک سپاہی تھا، وہ یہاں کسی اہم کام کے لیے لایا گیا تھا۔ وہ یہ جانتا تھا۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے ڈیم سے دور اور واپس مونٹی کی طرف آیا، جو ٹول بوتھ پر بے ہوش پڑا تھا۔ وہ بھروسا کرے گا اور وہ تحمل سے کام لے گا، جلد ہی سب کچھ آشکار ہو جائے گا۔

مونٹی

یہ خواہش کرتے ہوئے کہ وہ زیادہ سامان نہ اٹھالائے ہوتے مونٹی نے اپنے بیگ کے سٹریپس کھینچے۔ اس کا جسم بودار پسینے سے بھیگا ہوا تھا اور اس کے بوٹ... خاصا بڑا سائز... ہر قدم پر اس کی ایڑیوں سے رگڑتے تھے۔ سنی نے کہا کہ انہیں دھوپ کے باوجود حرکت کرتے رہنا چاہیے تھا۔ اگر وہ تیز چلتے تو شاید وہ وقت سے پہلے ہرکارے تک پہنچ جاتے جس سے ان کا Tal Afar پر ملنا طے تھا؟ یہ ایک تکا ہی تھا، ہرکارے (کوریئر) کو انہیں نینوا سے ذرا پہلے ملنا تھا، لیکن پھر بھی انہیں اس پر کام کرنا تھا، اگرچہ بیشتر وقت یوں لگتا تھا جیسے وہ بغیر کسی حقیقی منصوبے کے کام کر رہے تھے، وقت اور تنظیم کا کوئی حقیقی احساس نہیں تھا۔ مونٹی، سنی سے لڑنا نہیں چاہتا تھا، اس لیے اُس نے کچھ نہ کہا مگر ہر گزرتا روز پہلے سے زیادہ حادثاتی تھا۔

وہ چلنا جاری رکھتے، کوئی استثنا نہ تھی، سنی نے ان کے ٹول پلازا سے نکلنے کے بعد اکھڑ پن سے کہا۔ ان کے پاس شام تک کے لیے خاصا پانی تھا یا جب تک کہ وہ کہیں کسی پیٹرول پمپ یا دکان تک پہنچتے۔ کوئی وقفہ نہیں، سنی نے اصرار کیا، آج نہیں۔

سنی کا ساتھ دینے کی کوشش میں مونٹی اپنی چال کو تیز کرتے ہوئے لنگڑا کر چلتا رہا۔ ''سنی۔'' اس نے پکار کر کہا، اس امید میں کہ وہ کچھ آہستہ ہو جائے۔

ایک سفید پک اَپ ٹرک ان کے برابر میں خالی ہائی وے پر سے گزرا۔ ساری سہ پہر میں یہ پہلی گاڑی تھی جو انہیں نظر آئی۔ پچھلے کھلے حصہ میں ایک نوجوان لڑکا بیٹھا تھا، اس کے گھٹنے اُس کے سینے سے لگے ہوئے تھے، اپنے کندھوں کو ہلاتا اور انگلیوں کو چٹخاتا ہوا، ڈرائیور کی کھڑکی سے باہر آتی ہوئی بلند آہنگ عربی پاپ موسیقی پر رقص کرتا اور تالیاں بجاتا ہوا۔ سنی رک گیا اور ٹرک کو گزرتے دیکھنے لگا۔ اس نے اپنا فون اپنی جیب سے باہر نکالا اور ٹرک اور لڑکے کو فریم میں لیتے ہوئے اپنا بازو اپنے سامنے پھیلایا۔ اُس نے تصویر اتاری اور پھر سنجیدگی سے اس کا معائنہ کرنے کی خاطر اپنی ناک کے قریب لے آیا۔ جب پک اَپ ٹرک گرد کے گہرے بادل میں گم ہو گیا، تب ہی وہ مڑا۔

''کاظم الساھر۔'' سنی نے اپنے سر کو جھٹک کر سفید ٹرک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،
''ابو خالد نے مجھ سے اس کے ڈھیروں سی ڈیز بغداد منگوائی تھیں۔''

مونٹی نے سمجھنے کی کوشش کی۔

''ضرور کسی قسم کا کوڈ ہوگا۔'' سنی نے مونٹی کا انتظار کرتے ہوئے صحرائی ہائی وے پر اُسے خود کو گھسیٹتے دیکھ کر خود سے مفروضہ ظاہر کیا۔ وہ لمحہ بھر کو ہچکچایا اور پھر بولا، ''تمہیں اسے اٹھانے کے لیے مدد چاہیے؟''

مونٹی نے اپنے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ؟ نہیں، نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔''

سنی نے اس کی طرف ترس کھاتے ہوئے دیکھا اور مونٹی اس کی نگاہ پا کر جتنا ہو سکا، سیدھا کھڑا ہو گیا اور دیکھ بھال کر اپنے پیروں کے پنجوں کے بل پر اچھل کر چلنے کی بجائے تکلیف کے عالم میں زمین پر اپنی ایڑیاں جماتے ہوئے، عمداً چلنے لگا۔

''میں ٹھیک ہوں، واقعی۔'' اس نے اپنے بازو کی پشت سے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا۔
''میرا خیال ہے کہ میرے بوٹ کچھ بڑے ہیں۔ بس۔''

سنی نے نیچے مونٹی کے کیٹر پلرز کو دیکھا، بالکل نئے، بہ مشکل ہی گندے، سوائے یہاں وہاں کیچڑ کے ہلکے سے نشان کے۔ ''ٹھیک ہے۔'' اُس نے لاتعلق ہو کر سر ہلایا اور واپس سڑک کی طرف مڑ گیا۔ اُس نے اپنا فون اپنی جیب سے دوبارہ نکالا اور سکرین پر انگلیاں چلائیں، یوں جیسے وہ کچھ تلاش کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر اسی طرح چلتا اور تلاش کرتا رہا، اس کے بعد اس نے آہ بھری اور ایک بار پھر اپنا فون واپس رکھ لیا۔

سڑک کے درمیان میں کسی جانور کا کچلا ہوا جسم پڑا تھا، سرمئی سمور اور خشک خون۔ سڑک پر اس کے اندرونی حصوں کی آلائش کے سرخ نشان تازہ تھے، وہ اسی سہ پہر کچلا گیا ہوگا۔ مونٹی نے اس کی لاش سے نگاہ ہٹالی اور اپنے قدموں کو تھوڑا تیز کیا۔ ''سنی؟'' اس نے اپنی آواز سے فکر مندی دور رکھنے کی کوشش کی۔

سنی رک گیا اور مونٹی کے بولنے کا منتظر رہا۔ ''کیا؟''

''تمہارا کیا خیال ہے، کیا ڈیم پر حملہ کیا گیا تھا؟''

سنی نے کندھا اچکا دیئے۔ وہ چلتا رہا۔

اگر وہ توجہ مرکوز کرتا تو مونٹی اب بھی عراقی موسیقی کی بازگشت سن سکتا تھا۔ اگرچہ سفید پک اَپ ٹرک دیر گزری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

''میں نے خود لیا تھا، تم جانتے ہو۔'' مونٹی اچانک بول اٹھا۔

سنی نے توقف کیا، برہم۔ ''کیا؟''

''سٹیلائٹ فون... میں نے یہ خود لیا تھا۔''
سنی کے چہرے پر ایک پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔
مونٹی نے اُسے تقریباً بتادیا کہ کیسے تانو اُسے صدر کے گھٹے ہوئے بازاروں میں لے گیا تھا، کیسے اس نے مول تول کر کے قیمت کو ایک لاکھ سے کم کرواتے ہوئے دکان دار کو اسّی ہزار روپے تھمائے، لیکن وہ جانتا تھا کہ سنی، تانو کے ذکر پر مشتعل ہو جائے گا۔ وہ سمجھ نہ پایا کہ کراچی میں سب کے پاس ڈرائیور ہوتے تھے، وہ انگلینڈ کی طرح نہ تھا۔
تانو شمال کی طرف سے ہجرت کر کے آیا تھا، چارسدہ کا پٹھان۔ مونٹی کے خاندان نے اُسے نوکری دے کر اُس کی مدد کی، انہوں نے بنیادی طور پر اُسے بچالیا تھا اور اُسے اور اس کے خاندان کو زندگی کا ایک اور موقع دیا تھا، لیکن سنی کو سمجھ نہ آتی۔
''یہ میرے ڈیڈ نے مجھے نہیں دیا۔'' مونٹی نے اس امید میں کہ یہ واضح تھا، بات جاری رکھی۔
''انہوں نے مجھے یہاں آنے کی اجازت نہیں دی۔''
''او کے، خوب۔'' سنی نے مڑنے کی بھی زحمت نہیں کی۔
مونٹی کو محسوس ہوا کہ اس کے اعتراف نے بجائے اس کے کہ سنی کا اپنے ساتھی کے لیے کچھ احترام بڑھتا، جو کچھ تھوڑا بہت تھا، اُسے بھی کم کر دیا تھا۔ کیا سنی اب مونٹی سے پہلے سے زیادہ دِق تھا؟
''لیکن بہرحال، یہ کام نہیں کرتا، اس لیے...''
تبھی، اُسی لمحے، مونٹی پر یہ کھلا کہ تانو اور اُس کے دکان دار کزن نے اُسے دھوکا دیا تھا، اُسے خراب Thuraya فروخت کر دیا تھا۔
''لیکن یہ ڈیم کا معاملہ عجیب ہے، تمہارا نہیں خیال؟''
سنی نے اپنے چوڑے شانے دوبارہ اچکا دیئے۔ حتیٰ کہ تھوڑے سے فاصلے سے بھی، حتیٰ کہ اُس کی گرد آلود اور گندی سیاہ شرٹ کے ساتھ بھی، مونٹی سنی کی طاقت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ ''دیکھتے ہیں۔'' سنی نے مبہم انداز میں کہا۔ اس نے دوبارہ اپنا فون جیب سے نکالا، اسے اَن لاک کیا اور اس کا جائزہ لیا۔
سنی، موصل میں مارچ کا حصہ بننے پر بے حد مشتاق دکھائی دیا تھا، بہت پُرجوش اور آگے آگے۔ لیکن جب سے انہوں نے چلنا شروع کیا تھا، مونٹی نے جو کچھ بھی کہا یا مشورہ دیا، اُس پر اُس نے لاتعلقی کا ردِعمل دیا تھا۔
درست الفاظ جوڑنے کی کوشش کرتے ہوئے مونٹی کچھ لمحہ خاموشی سے چلتا رہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے کہ خبروں کو چیک کرنے کے لیے ہم تمہارا ڈیٹا استعمال کر سکتے ہیں؟ میرا مطلب ہے، اگر تم پہلے سے چیک نہیں کر چکے تو؟ اندھوں کی طرح (بے خبر) لڑنے کی کوئی تک نہیں... ٹھیک؟'' سنی کے اپنے ہی الفاظ کی بازگشت کے ساتھ اُس نے پُرامیدی سے جسارت کی۔

پانچ منٹ، اسے بس اتنے ہی چاہیے تھے، صرف اتنی دیر کہ وہ لیلیٰ کی ویڈیوز چیک کر لے اور دیکھ لے کہ آیا اس نے کچھ نیا اَپلوڈ کیا تھا۔

ہائی وے سنسان تھی، نیلے آسمان کے وسیع کینوس پر پرندے بھی چکر نہ لگا رہے تھے۔ اس نے سنی کے جواب کا انتظار کیا، لیکن سنی بنا کچھ کہے چلتا رہا۔ ان دونوں کے مابین خاموشی کو مونٹی کے بھاری جوتوں کی اسفالٹ سے ٹکرانے کی آواز ہی توڑ رہی تھی۔

''ابھی نہیں۔'' بالآخر سنی نے رفتار تیز کرتے اور مزید دُور سے دُور تر جاتے ہوئے کہا۔

o

مونٹی نے اپنا چکراتا ہوا سر مونٹی کی طرف موڑا جو بیس میٹر پرے پنجوں کے بَل بیٹھا تھا، اس کے برابر میں ٹوائلٹ پیپر کا رول پڑا تھا۔ ڈیم پر بھگدڑ کے دوران انہوں نے کچھ باسی کھا لیا تھا، تونا کا کوئی ایکسپائر شدہ کین جو سنی کے بیگ میں تھا اور اس نے مونٹی پر مہلک اثر کیا تھا۔ ان کے پاس کھانے کی تلاش کے لیے وقت نہ تھا، سنی نے کہا، وہ پہلے ہی آج کا خاصا وقت ضائع کر چکے تھے۔ اُس نے تونا مچھلی یہاں آنے سے پہلے خریدی تھی، لیکن ٹن کو کوئی فرق نہیں پڑتا، اُس نے کہا۔ تونا کو تم ایکسپائری تاریخ کے برسوں بعد بھی کھا سکتے ہو۔

مونٹی بگڑا ہوا دکھائی نہ دینا چاہتا تھا، اس لیے اُس نے بنا شکایت آدھا ٹن کھا لیا تھا۔ وہ ابھی صحت یاب ہونا شروع ہی ہوا تھا کہ سنی پکڑا گیا۔

وہ تب سے کلومیٹر سے بھی کم فاصلہ چلے تھے۔ وہ شام کا ابتدائی حصہ تھا اور سورج نے سب کچھ سیاہی میں غائب ہونے سے قبل صحرائی آسمان کے رنگوں کے عقب میں چھپنے سے پہلے اپنے پُرجلال غروب کا آغاز کیا تھا... صحرائی آسمان کے رنگ، نیلا اور نارنجی اور گلابی۔

''میں پانی کا عادی نہیں ہوں۔'' سنی نے پہلی بار دفاعی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا، جب اس نے دیکھا کہ مونٹی نے ٹوائلٹ پیپر کے اس ڈھیر کو دیکھ لیا تھا جو سنی نے گیٹ وک سے نکلنے سے پہلے Boots سے خریدے تھے۔ ''میں فرسٹ ورلڈ سے ہوں، کزن۔'' وہ جانتا تھا کہ حدیث میں کیا فرمان تھا، وہ جانتا تھا کہ جسم کو پاک کرنے کا واحد طریقہ پانی سے دھونا تھا۔ ''لیکن پھر بھی۔'' سنی پتھروں کے عقب سے بولتا رہا، ''لیکن ہر بار خود کو پونچھنے کے بعد میں خود کو پانی سے دھونا نہیں چاہتا۔''

مونٹی، سنی کے باتھ روم سے متعلق عادات پر بولنے سے بیزار ہو چکا تھا لیکن اگر یہ اُن کی خیالات کی واحد جائے ملاقات تھی، وہ اس سے انکار کی حالت میں بہ مشکل ہی تھا۔ وہ ابھی اپنے خراب معدے سے صحت یاب ہوا تھا اور اُسے امید تھی کہ اس سے ان دونوں کو آپس میں تعلق بنانے کو کچھ ملے گا۔

''اس گندگی میں کیڑے ہیں۔'' سنی نے آہ وزاری کی۔

مونٹی نے آئی فون نکالا جسے وہ قطب نما کے طور پر استعمال کرتا رہا تھا اور TomTom کھولا۔ وہ

ابھی تک صرف پینسٹھ کلومیٹر چلے تھے۔ وہ ابھی تک سو کلومیٹر پورے نہ کر پائے تھے۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور سوچنے لگا کہ آیا اُسے سنی کو بتانا چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ اینٹی بایوٹک لایا تھا۔ اس نے کوئٹر میڈیکو سے آگمنٹین (Augmentin) کا پورا پتہ خریدا تھا، اگر ضرورت پڑتی تو۔

''یار، یہ ناقابل برداشت ہے۔'' اس کی بجائے مونٹی نے کہا۔

سنی

''ارضِ موعود کا راستہ کتنا طویل ہے؟ پتھروں اور بجلی کی کڑک سے کتنا معمور؟ مجھے راہ میں کتنے جھوٹوں اور چوروں سے نمٹنا ہوگا؟ میں ایک جنگجو ہوں، سچ۔ مجھے پرواہ نہیں کہ سفر کتنا مشکل ہے یا کتنا خطرناک۔ میرے دشمنوں نے میرے لیے جو بھی رکاوٹ کھڑی کی، اس سے تیزی سے گزر جاؤں گا۔ میں اس مصیبت یا اذیت سے ایک کتھیڈرل بناؤں گا، میں اپنے اردگرد مریدوں (شاگردوں) کا ایک سمندر بنالوں گا۔''

بالآخر گولیوں کے نشانوں سے داغ دار گھر کے قریب سہ پہر کے وقفہ کے لیے رکتے ہوئے سنی اپنی رومنگ آن کرتا اور اپنی نئی فیس بک پوسٹ کو ایڈٹ کرتا ہے۔ گھر ضرور ڈیم کی ملکیت ہوگا... کوئی دفتر یا پھر دفتری رہائش گاہ۔ دروازے پر تالا تھا، اس لیے وہ باہر ہی ٹھنڈے سیمنٹ پر بیٹھ گئے اور یہ زیادہ نہ سوچنے کی کوشش کی کہ جلنے کے نشانات حالیہ تھے یا پرانے۔ مونٹی نے ریکارڈ کے لیے اپنے فون میں تصویر لے لی۔

سنی نے واضح کردیا تھا کہ وقفہ ذاتی وقت تھا اور اپنے اصول کی پیروی کرتے ہوئے وہ یہ پوچھے بغیر مونٹی کو خاموشی سے دیکھتا رہا کہ وہ آخر کر کیا رہا تھا، تاکہ کسی گفتگو میں نہ الجھے۔ فائر فائٹ کے ثبوت کی تلاش میں مونٹی نے تعمیر (عمارت) کے گرد چکر لگایا، لیکن جلنے کے نشانات کے علاوہ وہاں کسی ننھے جانور کے پاش پاش ڈھانچے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کی ہڈیاں صحرا کے سورج کی تپش سے بے رنگ تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے گرم مٹی کو ذرا سا کھودا، جھکتے ہوئے احتیاط سے ہڈیوں کو اُس میں رکھا اور پھر چھوٹی سی بے نشان قبر پر پیر سے مٹی ڈال دی۔

سنی کا اِن باکس آن فائر تھا۔ ایک، دو، تین نوٹی فکیشن اُس کے سامنے آئے۔ پہلے اُسے خیال ہوا کہ وہ عوز ہوسکتا تھا، وہ سوچتا ہے کہ بالآخر اُس نے سنی کی تمام ای میلز کا جواب دینے کا حوصلہ مجتمع کرلیا تھا۔ ضرور وہ وضاحت دے رہا ہوگا کہ وہ سب کچھ ایک مذاق تھا، کوئی غلطی یا کچھ بھی۔

لیکن یہ وہ نہ تھا۔ یہ پیا تھے۔

سنی نے اُس Tumblr پوسٹ سے پرے کلک کیا جو وہ اپنے نوٹس میں ڈرافٹ کر رہا تھا۔ اپنے اِن باکس میں اپنے باپ کا صرف نام ہی دیکھ کر اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کیا انہیں بالآخر O2 سے اضافی ڈیٹا چارجز کے متعلق فون آ گیا تھا؟ سنی اب خود کو الگ نہیں کر سکتا تھا، اب جب فالوورز کی کمیونٹی بنانے میں گھٹنوں تک ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن صرف پا ہی نہیں تھے جنھوں نے ای میل لکھی تھی۔ وہ پا تھے اور پھر ان کے کوئی پانچ ہمسائے اور دوست۔ سب کی سبجیکٹ لائن ایک ہی تھی، Davos۔

سنی... پا کی ای میل شروع ہوتی ہے۔ پانچ مہینے سے زیادہ پہلے، پہلے ہفتے جب وہ رخصت ہوا تھا، انہوں نے تب کے بعد سے سنی کو کچھ نہ لکھا تھا، پہلے ہفتے جب سب غیظ وغضب تھا، سب احساسِ جرم اور جذباتی دہشت۔ سنی نے ان ای میلو کا کبھی جواب نہ دیا۔ اسے حوصلہ ہی نہ تھا۔ تم کہاں چلے گئے ہو؟ پا نے اُن ابتدائی دل شکن خطوط میں سے ہر ایک میں لکھا تھا۔ تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے؟ سنی کی گردن کے گرد پھندے کی طرح، ہر مرتبہ انہوں نے وہ الفاظ لکھے۔ میں یہاں اکیلا کیا کروں گا؟

اور پھر انہوں نے اپنے بیٹے سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پوری طرح جذباتی... ختم۔ جب بالآخر سنی نے انہیں لکھنے کی ہمت مجتمع کی، پا نے یقین دہانی حاصل کی کہ اپنے بیٹے سے سنجیدگی سے سرد خاموشی کا سلوک روا رکھیں۔

سنی... پا اب اچھے مزاج میں لکھتے ہیں۔ کیا تم نے اپنے کزن کو دیکھا؟ یوں لگتا ہے کہ بالآخر عوز اپنی زندگی میں کامیاب ہو رہا ہے۔ وقت ہو گیا، ڈارلنگ۔ امید ہے کہ تم اچھے ہو گے، اگرچہ میں اس بات کا دکھاوا نہیں کر سکتا کہ مجھے تمنا نہیں کہ تم یہاں اپنے بہادر کزن کے ساتھ ہوتے، بجائے اس کے وہاں خدا جانے کیا کر رہے ہوتے۔ محبت کے ساتھ، پاپا۔

پس نوشت: کیا تمہیں نوکری کی کوئی پیشکش مل رہی ہے؟ میں نے تمہارے لیے ایک ویب سائٹ پر سائن اَپ کیا تھا، تاکہ جب تم واپس آؤ تو تمہارے لیے آپشنز ہوں۔ شاید عزیز بھی تمہیں اپنے نئے روابط میں سے کسی سے متعارف کروا سکے؟

ہاہ؟

سنی ای میل کے آخر میں موجود لنک پر کلک کرتا ہے اور وہ اسے سی این این کے پیج پر لے جاتا ہے۔ وہاں، شوخ نیلے بیک ڈراپ کے سامنے سٹیج پر سفید نیم دائرے کے ساتھ جو Beat-up گلوب دکھائی دیتا ہے، عوز ہے، کریم رنگ کے سوٹ میں، جیب میں رومال، ویسٹ اور اتنے پالش شدہ Brogues کہ آپ اس پر رکھ کر کھا سکتے تھے۔ وہ اپنے کان سے مائیکروفون چپکائے وہاں سٹیج کے درمیان بیٹھا تھا۔

ویڈیو لوڈ ہوتا رک جاتی ہے، Buffering۔ سنی اپنے ہاتھ اپنے کولہوں پر جما کر اس کے بحال ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ منتظر، کچھ نہیں۔ منتظر، بفرنگ، آہ۔

وہ ویڈیو کو Pause کرتا ہے اور سکرین کے نچلے حصہ پر گرے بار کے ابھرنے کا انتظار کرتا

ہے تا کہ وہ ایک وقت میں تین سکینڈ سے زیادہ کا کلپ دیکھ سکے۔

عوز کے برابر کوئی برادر تھا، فرہاد ذکی۔ سنی ویڈیو کے لوڈ ہونے کے انتظار میں اُس کا نام گوگل کرتا ہے۔ دیسی... ان جیسے انڈینز، مگر وہ اب خود کو امریکن کہتے ہیں۔ لمحے بھر کو سنی بے حد پُرجوش ہو جاتا ہے۔ اوہ میرے خدا، وہ خود کلامی کرتا ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔

عوز ان کو عالمی بنا رہا ہے۔ ان کا پیغام دنیا تک لے جا رہا ہے۔ سنی اُس پر شبہ کرنے میں غلط تھا۔ یہ غلطی تھی۔ وہ سب ایک غلطی تھی۔

لمحے بھر کو اُسے فیس بک اور واٹس ایپ میسجز یاد بھی نہیں آتے، اور وہ اپنے کزن کو معاف کر دیتا ہے۔ میں غلط تھا کہ میں تم سے لڑا، میں تمہیں معاف کرتا ہوں میرے بھائی عوز۔

اور پھر سنی پلے کرتا ہے:

ذکی آگے جھکتے اور سنجیدہ دکھائی دیتے ہوئے: عزیز، آپ کا سفر نا قابل یقین ہے۔

عوز سر ہلاتے ہوئے، وجیہہ دکھائی دیتے ہوئے۔ مناسب طور پر ملبوس۔

ذکی: آپ برطانیہ سے شام گئے اور پھر واپس آئے، نفرت سے قبولیت تک، بنیاد پرستی سے... مصلح تک۔ آپ کی کہانی Inspirational ہے: ایک سال کی مدت میں کوئی اسے دہشت گرد کہہ سکتا ہے... آپ نے تاریخ کا پورا احاطہ کر لیا ہے۔ پہلے مغرب کے خلاف پُرتشدد جنگ کی وکالت کرتے ہوئے... وہی مغربی ثقافت جس میں آپ پیدا ہوئے اور پلے بڑھے... اور پھر اپنی مذہبی جنگ میں ہتھیار اٹھا کر، زد پذیر مردوں کو بھرتی کر کے اور اس میں سرکردہ کردار ادا کرتے ہوئے جسے تب سے آپ نے ''معمولی یا حقیر مذہبی برین واشنگ'' کہا... آپ کے الفاظ، میرے نہیں! قہقہہ۔

عوز اپنی کرسی سے ٹیک لگاتا اور مسکراتے ہوئے اپنے سوٹ جیکٹ کے بٹن لگاتا ہے۔

ذکی: اور اب یہاں ہیں آپ، ڈیووس میں، ہمارے زمانے کے سب سے صاحب اثر فکری رہنماؤں کے ساتھ، اس بارے میں بات کرنے کو جسے آپ تب سے ''نیا جنم'' کہتے ہیں۔

عوز گلا کھنکھارتا ہے اور اپنے گھٹنے ذکی سے پرے کرتے ہوئے سامعین کا سامنا کرنے کو پہلو بدلتا ہے: جی ہاں، یہ درست ہے فرہاد۔ میں اسے نیا جنم کہتا ہوں کیوں کہ اس مقام تک میری زندگی اپاہج، اخلاقی طور پر غیر کامل تھی، میرے پیدائشی مذہب کے باعث۔ دنیا میں کہیں بھی کوئی بھی ٹی وی چینل آن کریں اور واشنگٹن سے لندن تک آپ کو مسلمان عذر خواہ دکھائی دیں گے...

The fuck?

ویڈیو قطع ہوتی ہے اور اس کے رکنے پر عوز کے چہرے پر سیاہ سکرین گر جاتی ہے، واپس فریز فریموں میں آتے ہوئے عوز اپنی کرسی پر آگے کو جھکا ہوا اور سکرین کے نچلے حصے پر ابھرتے ہوئے الفاظ ''اسلام کے نام پر کی گئی دہشت گردی''، اپنی کرسی سے ٹیک لگائے مسکراتا ہوا عوز، اقتباس میں ''سابق

مسلمان جنگجو' LGBT-QIAPK حقوق، خواتین نواز، Anti Sexual Aparthied منشور۔

سنی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ سکا۔

وہ اپنی انگلی کو بار پر پھیرتے ہوئے ویڈیو کو فاورڈ کر کے آخر تک لے آتا ہے۔ اُسے آٹھ سکینڈ مل جاتے ہیں۔عوز کے عقب میں اب بیٹ اَپ گلوب کی جگہ نیلی سکرین پر یہ الفاظ ہیں:

#fightbackfightextremism میں آج یہاں ڈیووس میں موجود سب لوگوں کو اپنے ساتھ اور اپنے تھنک ٹینک میں شامل ہونے کی دعوت دینا چاہتا ہوں۔ اصلاح کرنے...

کنکشن ٹوٹ جاتا ہے۔عوز کے منہ سے نکلنے والے ہر لفظ پر سنی کا دل دُکھتا ہے۔ وہ تناؤ میں آجاتا ہے، اپنے جسم میں موجود ہر شے کے ساتھ سنی یہ جاننے کے لیے تناؤ میں آجاتا ہے کہ لڑکا کہہ کیا رہا ہے۔لیکن وہ نہیں سن پاتا۔گلوب واپس آ گیا، کیمرا اب عوز کے چہرے پر ہے۔

''مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں...''

سنی Beats ائیر بڈ اپنے کانوں سے کھینچ کر نکالتا ہے۔ اس کا سر چکرا رہا ہے۔ وہ ویڈیو کی تاریخ دیکھتا ہے، وہ دو روز پرانی ہے۔ وہ یوٹیوب کھولتا ہے اور عوز کا نام تلاش کرتا ہے۔ ویڈیو دو لاکھ سے زائد بار دیکھی جا چکی ہے۔

عوز یہاں اُس کا حوالہ تھا۔ اُس نے سنی کی ضمانت دی تھی۔

امہ تحریک میں سے کسی نے یہ کیوں کر نہ دیکھی تھی؟

ایک لمبے عرصے میں پہلی بار، سنی اپنے پا کو ای میل لکھنا شروع کرتا ہے۔ ٹائپ کرتے ہوئے اس کا دل کانپتا ہے۔

''پا، آپ نے سنا وہ کیا کہہ رہا ہے؟ آپ عوز کے بارے میں ٹھیک کہتے تھے، وہ عجیب ہے۔ یہ سب توہین آمیز ہے! پا، آپ نے ایک لفظ بھی سنا جو اُس نے کہا؟ یہ ہم سب کو شرمندہ کرتا ہے۔ یہ بے عزتی ہے۔ وہ اب ہم جنس پرستوں کے حقوق کے لیے لڑ رہا ہے۔ آپ نے سنا یہ؟ پا، یہ کراہت انگیز ہے۔ جو کچھ اس نے کیا، غلط ہے، پا۔ یہ بہت غلط ہے۔''

سنی، مونٹی کا جائزہ لیتا ہے، جو تندہی سے اُن کے نقشوں کو تلاش کر رہا تھا۔ وہ سب کے سب... حتیٰ کہ یہ احمق بھی... یہاں مرنے آئے تھے۔جلتی ہوئی دنیا کی خاطر لڑنے کے لیے اور عوز سٹیج پر بیٹھا تھا، ورلڈ بینک سے سپانسر شدہ، اپنے ہی لوگوں کو نشانہ بناتے ہوئے؟ کسی چودہ سالہ کی طرح ہیش ٹیگز میں بات کرتے ہوئے؟ سینکڑوں بہادر لڑکوں کی اہانت کی، اور اس میں سے کسی کا کچھ مطلب نہ تھا، جیسے وہ اُن میں سے ایک نہ تھا، کچلا گیا اور تنہا۔

سنی اپنا فون بند کر دیتا ہے، پاور آف۔ وہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اندر سے زخمی ہے۔ اس سے ایسی جگہ تکلیف ہوتی ہے جو اسے نہیں معلوم کہ کیسے تلاش کرے۔ وہ اپنا فون

اپنی کارگو جیب میں رکھ لیتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ وہ اس کے ہاتھوں کو داغ دار کرے۔

O

''تمہیں معلوم ہے کہ یہ کتنا پرانا ہے؟''

آلوش نے سگریٹ کے گرد لپٹی اپنی انگلیوں والے ہاتھ میں تار (آلۂ موسیقی) تھام رکھا تھا۔ صبح کے تقریباً تین بجے تھے اور پستہ قد پاکستانی مرد، بے شکل شلوار قمیص اور پلاسٹک کی سستی چپلیں پہنے، نظریں جھکائے، چھوٹے سے بیسمنٹ کیفے کے چمکتے لیس دار فرش کو صاف کر رہے تھے۔

آلوش نے کچن کے لڑکوں میں سے ایک کو تر کی کافی لانے کا کہا جب کہ وہ خود سنی کو اپنے سامان میں سے ڈرم دکھاتے ہوئے ڈی جے سٹیج کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

''خاصے پرانے دکھائی دیتے ہیں۔''

آلوش مسکرایا۔ اُس نے اپنے جسم کو اس کے جسم سے ہلکا سا ٹکراتے ہوئے ٹھوکا دیا۔ ڈی جے نے طنبورہ اپنے گھٹنے سے بجایا۔ ''ہم صدیوں سے اسی طرح موسیقی بناتے ہیں۔ تار، دنیا کے قدیم ترین آلاتِ موسیقی میں سے ہے۔ عرب حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ہزاروں سال قبل سے اسے بجاتے آرہے ہیں۔'' آلوش نے اپنے ہاتھ سے اس پر ضرب لگائی، یوں جیسے وہ پنکھا کھول رہا تھا۔ تار سے پلیٹ پر گرتے سکوں جیسی جھنکار اٹھی۔ اُس نے اپنی انگلیوں کی پوروں کو تقریباً جلاتے ہوئے کھینچ کر سگریٹ کا کش لگایا۔

''تم اسے ایک ہاتھ سے بجاتے ہو، ٹھیک؟'' دوسرا ہاتھ دربوکہ بجاتا ہے۔ اس نے سگریٹ اپنے بوٹ کی ایڑی پر رکھ دیا۔ اُس کے بازو، حتیٰ کہ بھیگے، برساتی پورٹسماؤتھ میں بھی سنہری براؤن تھے، یوں جیسے وہ دھوپ میں پیدا ہوا تھا۔

سنی نے اصلی تار کی طرح گاڑھی کافی کی چسکی لی۔ اس نے اس کی زبان پر الائچی کا ذائقہ چھوڑا۔

''دیکھو۔'' آلوش نے بجھے سگریٹ کے ٹکڑے کو اپنی جیب میں ڈالنے سے پہلے اپنی انگلیوں سے یہ یقین دہانی حاصل کرتے دبایا کہ وہ بجھ گیا تھا۔ ''دیکھو غور سے۔''

چھوٹے سے کلب کے دھویں سے بیزار سنی نے اپنی آنکھیں رگڑیں اور ڈی جے کے قریب جھک آیا۔

آلوش نے اپنی انگلیاں دربوکہ پر نرمی سے پھیریں، نزاکت سے، کسی قمیص کے کھلے بٹنوں سے ہاتھ کھسکاتے کسی آدمی کی طرح۔ دربوکہ کو بجاتے ہوئے اُس کے کندھے اس پر خمیدہ تھے، صرف تب سیدھے ہوتے جب اس کا بازو کسی گرتی دھات کی طرح گاتے تار کے لیے اٹھتا۔ تین گھنٹے سے بھی کم نیند کے ساتھ... وہ گزشتہ رات دیر تک جاگتے دی وائر کا فائنل سیزن دیکھتا رہا تھا... سنی نے اپنے بدن کو موسیقی سے زندہ ہوتے، کھلتے دیکھا، یہاں تک کہ وہ حرکت میں تھا، جب وہ سیڑھیوں کے سرے پر بیٹھا تھا، اُس کا

بدن رقصاں تھا۔

اللہ اللہ۔موسیقی کی لے پر اپنا سر ہلاتے ہوئے آلوش پکارا، اللہ اللہ۔

سنی نے اپنے ہاتھ اپنی ٹانگوں پر بجائے۔اس کے پیروں کے قریب دھری کافی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

''مظہر اٹھالو۔'' آلوش نے بڑے سے گول شکل کے ڈرم کی طرف اشارہ کیا۔''اسے اپنی گود میں لو اور اپنے کان کے قریب کرو... آواز چیک کرو۔''

سنی نے ایسا ہی کیا مگر جب اس نے بچھڑے کی کھال کے پتلے سے ڈرم کو اپنے کان کے قریب کیا، وہ آلوش کی موسیقی کو اپنی موسیقی سے الگ سننے کی صلاحیت کھو بیٹھا۔اس لمحے میں، کسی طور، ایک دوسرے کے قریب سانس لیتے انہوں نے آگے پیچھے آہنگ میں موسیقی بجائی۔

''کیا تم نے مجھے محسوس کیا؟'' آلوش نے پوچھا جب سنی نے مصری ڈرم سے ابھرتی موسیقی میں خود کو کھو دیا۔''کیا تم نے مجھے محسوس کیا، سنی؟''

سنی نے آلوش کو محسوس کہا، اس نے اُسے دیکھا۔اور اس لمحے میں وہ سمجھ گیا کہ، پہلی بار، پہلی مرتبہ، اُسے بھی دیکھا گیا تھا۔

مونٹی

''سنی، فون چھوڑ دو۔''

''کہو اب کیا؟''

''میرا بس یہ مطلب ہے کہ تمہیں شاید اب اس پر نہیں ہونا چاہیے؟ تم جانتے ہو؟''

اپنے آئی فون سے نگاہ اٹھاتے ہوئے مگر اپنے ہاتھوں کو ایک انچ بھی نیچے نہ کرتے ہوئے سنی آہستہ سے مڑا۔ اُس کی آنکھیں جل رہی تھیں، جھلملا رہی تھیں۔ ''تم مجھے حکم دے رہے ہو؟''

اگر مونٹی اپنی آنکھیں بند کرتے اور گہری سانس بھرتے ہوئے ساکت کھڑا ہوتا، صحرا کی چھدری جھاڑیوں میں چھپے ننھے پھولوں اور خشک پتوں سے جنگلی شہد کی خوشبو بہتی آتی۔ لیکن وہ اس قدر مدھم تھی کہ وہاں لگتا تھا کہ تھی ہی نہیں۔ وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ وہاں کوئی دھواں نہ تھا۔ نہ جلنا، نہ ربر کی تلخ بُو، نہ فضا میں گن فائر کی دھاتی بُو۔

مونٹی نے کنکھیوں سے یہ یقین دہانی حاصل کرنے کو دیکھا کہ اُن کا کسی نے پیچھا نہ کیا تھا۔ انہیں مزید چالیس کلومیٹر طے کرنے تھے، قبل اس کے کہ وہ اس مقام پر پہنچتے جہاں ہرکارے کو بڑے آپریشن سے پہلے کسی ضروری یا لازمی بات کو نشر کرنے یا بتانے کی خاطر اُن سے ملنا تھا۔ صحرا میں پیش قدمی اور خطرے کی علامتیں تلاش کرنے، سراغ اور خطروں یا دھمکاوں کے لیے بیابان کا مشاہدہ کرنے کے مزید چالیس کلومیٹر۔ زمین دھوپ کی لاکھوں چندھیا دینے والی کرنوں سے روشن تھی۔ اُن کے عقب میں سڑک مبہم پن سے بار بار رنگ بدل رہی تھی۔ ہر شے مسخ شدہ تھی۔ مونٹی کو کسی شے کا یقین نہ ہوسکتا تھا۔

''ہم یہاں اکیلے پوری طرح بے آسرا ہیں۔'' اس کی آواز میں تھکن کے باعث تناؤ تھا۔ ''ہمیں معلوم نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم ایک جنگ کے عین درمیان ہیں، تمہارا نہیں خیال کہ ہمیں حرکت میں آنا چاہیے؟''

ان کے اردگرد کسی والو سے اٹھتی بھاپ کی طرح سنساتے ہوئے، تارکول کی حدت اٹھی۔

جذبات سے عاری سنی نے مونٹین کو گھورا، ''میں تمہیں احمق لگتا ہوں؟''

سنی یکدم اتنا مشتعل کیوں ہو گیا تھا؟ ابھی کل ہی یوں جیسے وہ بہترین دوست تھے، وہ گپ شپ کر رہے تھے اور بے مقصد باتیں کر رہے تھے جب سنی پتھروں کے عقب میں فارغ ہو رہا تھا اور اب سنی برہم تھا کہ جب وہ اپنے فون پر مصروف تھا تو مونٹی نے اس سے بات کرنے کی جرأت کی تھی؟ کیا کچھ ہوا تھا؟

تیوری چڑھائے سنی نے اپنا سر جھکایا اور دوبارہ اپنے فون پر انگلیاں چلانے لگا۔

مونٹی گزشتہ رات دوبارہ جاگا تھا اور سنی کو مکمل تاریکی میں بیٹھے اپنی رانوں پر انگلیاں بجاتے سنا تھا، یوں جیسے وہ موسیقی بجا رہا ہو، جیسے وہ خود کو کوئی پرائیویٹ کنسرٹ دکھا رہا ہو۔ سنی نے اس طرح جدوجہد نہ کی تھی جیسے مونٹی نے، یہاں اُس کے لیے سب کچھ آسان تھا۔

مونٹی کو سنی پر بڑا رشک آتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اُسے بھی خود پر اتنا ہی اعتماد ہوتا، اسی طرح کی بے خوفی۔ لیکن ڈیم سنسان تھا اور وہ ایک نامعلوم سی جگہ پر بیٹھے تھے اور مونٹی کو گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔

اس نے سنی سے نظریں ہٹالیں۔ ''میرا بس یہ خیال ہے کہ ہمیں ضرورت سے زیادہ محتاط ہونا چاہیے۔'' وہ بڑبڑایا، ''اور بس۔''

''زیادہ محتاط؟'' سنی تلخی سے ہنسا، اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ ''تم کیا سمجھتے ہو کہ تم ہو کون؟ جیمز بانڈ؟'' اپنے فون کو انگوٹھے سے لاک کر کے اپنے کارگو ٹراؤزر کی جیب میں ڈالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی سیاہ قمیص کے بازو چڑھا لیے۔ ''Fuck، کیا بکواس تمہیں یہ سوچنے پر مائل بناتی ہے کہ تم مجھے بتا سکتے ہو کہ میں کیا کروں؟''

''سنی؟'' اپنی آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہ اس کی پیشانی سے گرنے والے پسینے کے قطرے اس کی آنکھوں میں پڑ رہے تھے، مونٹی نے سر جھٹکا۔ ''یار، ٹھنڈ کرو۔ اس طرح گالی مت دو۔''

سنی نے اپنے بیگ کے سٹریپس کندھا اچکا کر اتارے اور اسے کم گہری قبر پر رکھ دیا جو سنی نے ابھی کھودی تھی۔ ''تمہیں پتا بھی ہے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' بوجھل سانس لیتے ہوئے اپنی ناک کو مونٹی کی ناک سے تقریباً دباتے ہوئے، اس نے اپنے دانت بھینچے اور مونٹی کے عین مقابل آ گیا۔

کیا ہو رہا تھا؟ اس نے بس یہ کہا تھا کہ انہیں احتیاط سے آگے بڑھنا چاہیے۔ مونٹی ہلکا سا لڑکھڑاتے ہوئے سنی سے آہستہ سے پرے کھسک گیا۔ وہ پہلے بھی لڑا نہیں تھا۔

''مجھے مت بتاؤ کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں، تم امیر Fuck مجھے مت بتاؤ کہ یہ تنظیم کیسے کام کرتی ہے، برادر۔ میں نے پڑھا (تحقیق کی) ہے۔ میں کسی لعنتی دل شکستگی سے بحال ہونے یہاں نہیں آیا۔''

مونٹی خاموش رہا۔ اس کا دل اس کی پسلیوں میں تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے سنی کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کا پورا جسم خوف سے جم گیا۔ اگر امہ تحریک میں سے کسی کو لیلیٰ کے متعلق پتا چل گیا،

وہ ماری جائے گی۔

''نہیں، میں نے تحقیق کی۔ میں نے افق کو دیکھا۔تمہارا خیال ہے کہ میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میرے پاس کرنے کو اور کچھ نہ تھا؟'' سنی نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر بجایا، اُس کی آواز غصہ سے بلند ہو رہی تھی۔'' ہم برطانوی یہاں اس سے زیادہ تعداد میں ہیں، جتنے برٹش فوج میں مسلمان ہیں۔تمہارا خیال ہے کہ یہ کوئی غلطی ہے؟ تمہارا خیال ہے کہ ہم اس بکواس ملک میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں کہ ہم ایسے ہی کسی ملک سے آئے ہیں؟ نہیں برادر۔ میں پاکستان سے نہیں ہوں۔ میں کسی بے تکے بکواس ملک سے نہیں آیا۔ میں یہاں شریعت کے دفاع کی خاطر آیا ہوں۔ میں یہاں مسلمان ہونے نہیں آیا، میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ اس لیے یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں...'' سنی نے ان دونوں کے درمیان جگہ پر تھوکا... ''سب لوگوں کا انتظار کہ وہ مجھے سکھائیں کہ کس کی اجازت ہے اور کس کی نہیں۔''

وہ مڑا اور اپنا بیگ اٹھایا۔ اسے اپنے کندھے پر ڈالنے سے پہلے کینوس کے کپڑے پر غصے سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس پر سے مٹی کو جھاڑا۔

مونٹی اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔سنی کے اُس کے چہرے کے اتنے قریب چیخنے چلانے پر اُس کے کان بج رہے تھے۔

سنی

"میں صحرا میں نکلا ایک بے آسرا آدمی ہوں،
بیابان میں ایک آدمی، اور کچھ سابقہ برادران ہیں، گھروں میں بیٹھے، دشمن ملک میں...
...واپس اس دنیا کو بھاگتے ہوئے جو ہم نے لڑنے کی خاطر، تباہ و برباد کرنے کی خاطر،
اپنے Fucking گھٹنوں پر لانے کی خاطر چھوڑ دی۔
میں یہاں تخلیق کر رہا ہوں، تباہ کر رہا ہوں اور تم کیا کر رہے ہو؟
قابل قدر حر کی توانائی کو ضائع کرتے ہوئے، ہماری جدو جہد کو برباد کرتے ہوئے،
ہمارے لوگوں کو مایوس کرتے ہوئے۔"

سنی توقف کے بغیر، ایڈٹ کیے بغیر ٹویٹ کرتا ہے۔ صحرا تاریکی میں نہایا ہوا ہے۔ اس نے روشنی نہیں جلائی، چھوٹی ٹہنیاں اور خشک Fauna جمع کرنے کے معمول پر عمل نہیں کیا۔ ان کے پاس کوئی روشنی ہے، نہ حدت۔ دیر گئے کا وقت ہو گا، بارہ یا ساڑھے بارہ، لیکن سنی رات کے لیے خیمہ نہیں لگانا چاہتا۔ وہ کم سے کم مزید دو گھنٹے چلیں گے۔ یہ صرف ایک وقفہ ہے، اُسے عوز کی بکواس کو پراسس کرنے (اندر اتارنے) کے لیے وقت کی ضرورت ہے، اس ساری تکلیف کو جذب کرنے کے لیے پانچ منٹ کی ضرورت ہے۔ نصف شب کی ہوا اپنے ہمراہ دھویں کی بُو لاتی ہے، فاصلے پر کچھ جلنے کی بُو، فضا میں ایک اضطراب جو آپ کو یاد دلاتا ہے کہ صحرا چاہے کتنا ہی سنسان یا بے آباد کیوں نہ محسوس ہو، آپ حقیقت میں کبھی بھی اکیلے نہیں ہوتے۔ سنی اپنے دانت کچکچاتا ہے، وہ عوز کو ٹیگ کرنا چاہتا ہے مگر یہ بہت پُرخطر ہو گا۔ ابھی نہیں، اس سے پہلے نہیں کہ وہ کسی طور خود کو اپنے کزن کے دھوکے کے خلاف محفوظ بنا پائے، اس کی ٹوپی میں کوئی پَر، وفاداری کا کوئی ثبوت۔

کہاں ہے اس کی معذرت؟ عقیدے پر، بھروسے پر اُس کا ری فنڈ کدھر ہے؟ عوز نے اسے یہاں سونے کا پانی پھرے وعدوں کے ساتھ بھیجا تھا اور سنی نے اس کا یقین کیا۔ عوز نے ایک مرتبہ بھی رک کر اپنے کزن کا نہیں سوچا۔ سنی جس چیز سے گزر رہا تھا، وہ جس خطرے میں تھا، اُس کے متعلق نہیں سوچا۔

عوز نے اُسے بس تنہا چھوڑ دیا۔ جیسے وہ کبھی سنی کو جانتا ہی نہ تھا۔ جیسے اُسے پرواہ تک نہیں تھی۔

سنی اپنا اِن باکس کھولتا ہے۔10 میں سے ایک ای میل ڈاؤن لوڈ ہو رہی ہے، یہ کہتا ہے۔ EDGE کا رابطہ ٹوٹتا ہے۔ ایک سکینڈ کو اُسے GPRS ملتا ہے۔ پھر کچھ نہیں۔ کوئی سروس نہیں۔

وہ سیٹنگز میں جاتا ہے اور اپنا موبائل فون کیریئر اَن سلیکٹ کرنے کی شعبدہ بازی کرتا ہے، پھر دوبارہ سلیکٹ کرتا ہے۔ ائیر پلین موڈ آن، پھر آف۔ چھوٹا سا پہیہ شدت سے گھومتا ہے، پہلی ای میل اس کے سامنے لا پھینکتا ہے۔

پا۔

اپنے باپ کا نام اپنے ای میل باکس میں نہ دیکھ کر سنی جو اندیشہ محسوس کیا کرتا تھا، وہ اب اس کی ریڑھ کی ہڈی پر نیچے سرک جاتا ہے جب وہ ان کا نام دیکھتا ہے۔ اپنے بوجھل دل کے ساتھ سنی ای میل کھولتا ہے۔

''ڈارلنگ، بے وقوف مت بنو۔ تمہارا کزن ہم جنس پرست نہیں۔ لوگ ان دنوں توجہ حاصل کرنے کے لیے ایسے ہی کہتے ہیں۔ اچھا ہے کہ بالآخر تم نے اپنے بوڑھے کو ای میل لکھی۔ تم گھر کب آرہے ہو؟ محبت کے ساتھ، پاپا۔''

کبھی نہیں، پا۔

میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔

سنی اپنی ای میل جانے کی آواز سنتا ہے، اسی دوران جب O2... زمین پر بدترین Fucking رومنگ... باقی نو عدد ای میلز کو ڈاؤن لوڈ کرتا ہے۔ اور یہاں ہے یہ۔

سنی جانتا تھا۔

یقیناً عوز جواب دیتا۔ پا کے بعد پہلی ای میل اسی کی ہے۔ عوز ہمیشہ یوں چھپتے ہوئے سنی کو چکمہ نہیں دے سکتا کہ جیسے وہ جانتا نہیں کہ عوز کون ہے۔

سنی، عوز کو جانتا ہے۔ وہ عوز کو اتنا چاہتا ہے جتنا اور کوئی نہیں، وہ اس کا سایہ ہے، اس کا سپرٹ اینمل، اس کی سچی شخصیت۔ سنی، عوز کی وہ تمام بکواس دیکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ ایسا اس لیے کر رہا ہے کہ وہ خوف زدہ ہے۔ کیوں کہ اس کی زندگی ایک تنہا راستہ ہے، کیوں کہ لڑنے کا مطلب ہے ہمیشہ کے لیے اپنے وجود کی کیمسٹری کو تبدیل کر لینا۔ یہ ایک ایکٹ ہے۔ سنی اسے جانتا ہے۔

لیکن عوز نے اپنے معمول کی ای میل ایڈریس سے نہیں لکھا بلکہ نئے ای میل ایڈریس سے:

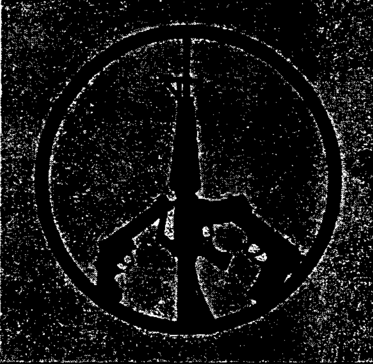
ozair@reformingradicals.co.uk

اور موضوع میں لکھا ہے:

Great News

Reforming Radicals

Newsletter 1, January 2017



A Rebirth!

Dear Subscriber,

Welcome to our first newsletter! We have great news to share (and it's only the beginning!). Fresh off my inspirational talk at Davos, I've been invited to speak at TED 2017. We will send you behind-the-scenes photos and exclusive videos, but make sure to subscribe to our Instagram, Snapchat, Twitter and Facebook!

I will be speaking to the Oxford Union this week (check our Facebook for tickets – they're almost sold out!) so watch this space.

Peace,

Ozair, Founder and CEO, Reforming Radicals

Is someone you know a radical?

It can happen to anyone. Muslims have been brainwashed for centuries. Young men and women are easy prey for radicals. Check out our Facebook for the ten signs to watch out for, and if you suspect anyone you love has been radicalized, call our joint Reforming Radicals–Scotland Yard hotline **0800 442 890**. We can protect you.

Suppressed by patriarchy

Next week, Lina, abused and disempowered by her Muslim family for years, will be taking over our Instagram page and posting a few of her favourite things. Follow us at @Reformingradicals to learn more about Lina and how we help brave women like her to escape the crushing effects of Muslim male privilege.

Our mantra!

I renounce religion. I reject their propaganda. I am ready to reform my heart.



Unsubscribe

گریٹ نیوز؟ ڈیئر سبسکرائبر؟

اپنے بھائیوں کی طرف سے پیٹھ موڑ لینا ایک بات ہے اور کھلے عام جا کر اپنے مذہب، اپنے لوگوں، اپنی تاریخ کے خلاف بکواس کرنا اور پھر جابر کے ساتھ کھڑے ہو جانا دوسری بات، صرف اس لیے کہ اس نے سوئٹزرلینڈ میں کسی Nerd فیسٹیول میں تمہیں مدعو کیا، لیکن پھر اُن ہی لوگوں کی تنظیم میں شامل کرنا جن سے چھٹکارا پانے سے پہلے تم نے ان کی جنگ کی جانب رہنمائی کر کے ان کی زندگیاں برباد کر دیں؟ تم

نے کیوں کر سوچا کہ ہم تمہارا باغیانہ نیوز لیٹر پڑھنا چاہیں گے؟ یہ سرد مہر رویہ تھا۔ حتیٰ کہ عوز کے لیے۔

سنی نے اپنے چہرے کے بال کھینچے۔ اس کی روئی میں اب پھپھوندی بننے لگی تھی۔ جب اس نے بالوں کے نیچے اپنی جلد کو کھرچا تو اس کے ناخنوں میں زردی مائل کھپرے سے جمع ہو گئے۔

سنی، عوز کا انسٹاگرام کھولتا ہے۔ جب پوسٹ آہستہ آہستہ لوڈ ہوتی ہیں، پندرہ میں سے چار گرے باکس، نہانے کے تولیے میں لپٹے عوز کی کوئی تصویر وہ نہیں دیکھ پاتا۔ مگر ہوم بوائے کے چالیس ہزار فالوورز ہیں۔ وہ ٹوئٹر پر جا کر ٹائپ کرتا ہے، ''عزیرری فارمنگ ریڈیکلو'' اور یہاں ہے وہ، ایک بالکل نیا اکاؤنٹ۔ سنی اس پر کلک کرتا ہے۔ عوز کا نام سامنے آتا ہے۔ Revolutionary، اگرچہ اس کا ٹوئٹر ہینڈل ہے، @CEOreformrads۔

چھٹکارا۔

وہ عوز کو گوگل کرنا چاہتا ہے، اس کی فیس بک چیک کرنا چاہتا ہے، دیکھنا چاہتا ہے کہ یہاں سے آیا کسی نے اس کے کھیل دیکھا ہے، مگر وہ نہیں کر پاتا۔ سنی میں حوصلہ نہیں کہ وہ عوز کو اپنے ہزاروں فالوورز کو اُکساتے ہوئے اس ایک واحد چیز کو گندا کرتے دیکھے جس میں اُسے کبھی یقین رہا ہے۔

''یہ وہ جدوجہد ہے جس کا سامنا کرنا اور لڑنا یہاں تک کہ ہم جیت جائیں، ہمارے آدمیوں کا مقدر ہے۔ ہمارے افق عراق سے آگے ہیں۔''

سنی اپنے ٹوئٹر پر واپس آتا ہے:

''یہاں یہ محض سستانے کا وقفہ ہے، ہمارے حقیقی جہاد تک ایک جنگ، ہماری اصلی جنگ... ہمارے مجروح لوگوں کے لیے دنیا پر دوبارہ دعویٰ کرتے ہوئے۔

ہمارے قبیلے کے اندر موجود کفار کو سزا دینا اور تباہ و برباد کرنا۔''

وہ نیوز لیٹر ڈیلیٹ کرتا ہے اور باقی سب ای میلو مٹانے لگتا ہے۔ ایک اور آنٹی اور انکل کی طرف سے ہے، ایک یونیورسٹی کی طرف سے، ایک اور ای میل بین کی جانب سے۔ اُسے جو کچھ اس حماقت کے متعلق کہنا ہے، سنی اس سے نمٹ نہیں پاتا۔ اندازہ کرو کہ پا نے کسی کو نہیں بتایا کہ وہ یہاں ہے۔ انہیں سنی پر فخر نہیں تھا۔ ویسے نہیں جیسے انہیں عوز پر ہے۔

سنی ایک ای میل کھولتا ہے اور عوز کا پرانا ای میل ایڈریس ٹائپ کرتا ہے۔

ان نسل پرستوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا کافی نہیں، مگر آیا کہ وہ ہر وقت؟

عوز سے زیادہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ دیکھتے ہوئے، اندازے قائم کرتے ہوئے، مذمت کرتے ہوئے، پوری دنیا کی نظریں اُن پر ہیں... تم کیا کرنے کا دکھاوا کر رہے ہو، عوز؟ ہماری جدوجہد کا کیا ہوا؟ اس جنگ کا کیا ہوا جو ہمیں اپنے مجروح کچلے ہوئے افتخار کے لیے لڑنا تھی؟

Fuck you، عوز۔ سنی اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے ٹائپ کرتا ہے۔ لعنت ہو، لعنتی ہم جنس پرست۔

O

تمہارا نام کیا ہے؟

آلوش۔

کیا یہ مسلم نام ہے؟

وہ ہنس دیا۔ کیسا سوال ہے۔ لیکن جب اس نے بتایا کہ اُس کا نام علی تھا۔ سپرنگ (انقلاب) کے بعد جب جنون اور آنسو گیس صاف ہو گئے اور دوست چھوڑ کر نکلنے، بھاگنے لگے تھے، وہ دمشق سے نکل آیا تھا۔ اس کی ماں نے کہا کہ وہ جگہ اب محفوظ نہ رہی تھی، کوئی نہ جانتا تھا کہ کیا ہو رہا تھا، کوئی نہ جانتا تھا کہ کس پر بھروسا کیا جائے۔ ماں نے کہا، دمشق کا سقوط ہو رہا تھا۔ اس کی آواز اس کے حلق میں پھنسی ہوئی تھی۔ لیکن علی نے وہاں سے جانے سے انکار کر دیا۔

دمشق کا سقوط کبھی نہ ہو سکتا تھا۔ دمشق کا سقوط کبھی نہ ہوتا اور علی کبھی اس چھوڑ کر نہ نکلتا، لیکن آخر کار، بالکل جیسے سورج مشرق سے نکلتا اور مغرب میں غروب ہوتا ہے، علی اس واحد شہر سے کھسک کر نکل جاتا جسے اُس نے کبھی چاہا تھا۔ کچھ ہفتوں میں واپسی کے وعدے کے ساتھ پہلے اس نے بیروت کا سفر کیا، پھر دبئی، پھر ایتھنز، پھر یہاں انگلینڈ، ایک اور ستاروں کے جھرمٹ کے پار۔ وہ بس وطن کے بارے میں سوچتا تھا، آلوش نے کہا، وہ اس کے خوابوں کی سب زبانوں اور لڑیوں میں بُنا ہوا تھا۔

تم نے ''آلوش'' کو ہی کیوں اپنایا؟

تم کیوں پوچھ رہے ہو، ''سنی''؟

سنی ہنس دیا۔

کیوں کہ سکول میں میرا نام کوئی بھی درست تلفظ میں ادا نہ کر سکتا تھا۔ جب تک میں گیارہ کا تھا، سب مجھے سالمن کہتے تھے، مچھلی کی طرح۔

آلوش نے قہوے کا دوسرا پیالہ پیا۔ وہ اس کافی کو یہی کہتا تھا جس کے دانے، اگر آپ آخر تک پیتے تو دانتوں تلے آتے تھے۔

میری ماں، وہ مجھے ہمیشہ آلوش پکارتی تھی۔

سنی نے اپنا سر جھکایا اور اثبات میں ہلایا۔ یہ خوب صورت ہے، اس نے اتنی نرمی سے کہا کہ علی جس کے بلند موسیقی کے باعث ہمیشہ کان بج رہے ہوتے تھے، سن نہیں پایا۔

مونٹی

مونٹی اور لیلیٰ صبح کے تین چار بجے تک روزانہ باتیں کرتے رہتے تھے۔

''میری ساری زندگی مجھے لڑنا پڑا۔'' اس نے ایک رات دیر گئے مونٹی کو فون پر بتایا، غیر متوقع طور پر ان تفصیلات کا انکشاف کرتے جس کا اُسے بہ مشکل ہی شبہ رہا تھا۔ اس کے خاندان کے لیے کراچی کے بڑے خاندانوں کے سائے میں جینا آسان نہ رہا تھا، ایک شہر جس نے اپنی تمام دھن دولت اور کشادگی کے باوجود یوسف خاندان کو کبھی کوئی گنجائش دی تھی اور نہ ہی انہیں اپنایا تھا، چاہے وہ کتنے ہی ذہین، کتنے ہی محنتی تھے۔ امریکن سکول تک لیلیٰ نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا کہ اس قسم کی شمولیت ممکن بھی تھی۔ اُس نے اپنا بچپن صرف تحقیر سے تسلیم کیے جاتے ہوئے کراچی کے نفیس ترین خاندانوں کی حقارت بھری نظروں میں گزارا تھا۔

اس نے اس کے بھائی کے لیے حقیقت میں مسئلہ بنایا، لیلیٰ نے کہا۔ وہ رد کیے جانے کو کبھی قبول نہ کر پایا، کبھی اُس کی ذلت کو معاف نہ کر سکا جو اُسے ان امیروں کے ہاتھوں ملتی تھی جو اُن کے خاندان سے جی توڑ کر محنت کرواتے تھے۔

مونٹی نے لیلیٰ کو سپیکر پر سنتے ہوئے فون کو اپنے چہرے سے ذرا دُور کیا۔ اُسے اچانک بہت غمزدگی کا احساس ہوا۔ اس نے اب تک لیلیٰ کو ویسا سوچا تھا، جیسا وہ اُس کے لیے وجود رکھتی تھی... لیلیٰ کہ جس نے اُس کی محبت سے جنم لیا تھا اور ان کے تعلق کی مخصوص سرحدوں کے درمیان جیتی تھی۔

اٹھ کر بیٹھتے اور اپنے بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگاتے ہوئے، جب سیاہ ریشمی چادریں اُس کے پیروں میں اکٹھی ہوگئیں، لیلیٰ کی آواز کی گونج ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں سنتے ہوئے مونٹی نے لیلیٰ کو پہلی مرتبہ اپنے تخیل کے تحفظ کی حدوں سے باہر دیکھا۔ وہ اس کرب اور عدم مساوات کے پس منظر میں اس ویران شہر کو واپس لوٹ آئی۔

حالیہ برسوں میں اُس کے بھائی نے اپنا تمام غصہ، تمام اشتعال اس دنیا کے خلاف نکالا تھا۔ اس نے اپنی عمر بھر کی جدو جہد اور تکلیف کو لیا اور دوسروں پر نافذ کیا تھا۔ یہ اُس پر قرض تھا، اُسے محسوس

ہوا۔ آگے نکلنے کے لیے اُس کو جس کی بھی ضرورت تھی، اُس نے استعمال کیا... قیمت سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ دنیا اسی طرح کام کرتی تھی، اس نے اپنی بہن کو بتایا، کیسے امیر غریبوں اور محروموں کا دَم گھونٹتے آئے تھے، شروع سے اس کی بلند حوصلگی، کبھی کبھار بے رحمی کی شکل اختیار کر لیتی تھی، لیلیٰ نے کہا، لیکن ان کا خاندان بالآخر سیٹ ہو گیا۔ اس کے عرب گاہک اچھی ادائیگی کرتے تھے اور انہوں نے اس کا رابطہ اپنے تمام مقامی معاونین اور تجارتی شریک کاروں سے کروا دیا تھا۔ وہ اس پر بھروسا کرتے تھے اور اپنی جانب سے لیلیٰ کا بھائی بھی انہیں ترغیب دلانے کے لیے نئے منصوبے ہمیشہ لاتا رہتا تھا۔

اگرچہ وہ اپنے بھائی سے محبت کرتی تھی۔ اسی کی بدولت تھا کہ ان کا خاندان اب دو کمرے کے فلیٹ میں رہتا تھا، یہ کہ وہ امریکن سکول جا سکتی تھی، اور یہ کہ اپنی زندگیوں میں پہلی بار ان کے پاس کچھ بچت تھی۔ یقیناً وہ کنٹرول کرنے والا اور مشکل تھا لیکن لیلیٰ کے پاس اور کون تھا؟ تم جانتے ہو، لوگ کیا کہتے ہیں؟

''کیا؟'' مونٹی نے پوچھا۔

''ایک دوست ہر حال میں محبت کرتا ہے اور بھائی پیدا ہی آزمائش کے لیے ہوتا ہے۔''

''کس نے کہا یہ؟'' مونٹی کہنی کے بَل اٹھ بیٹھا اور لیلیٰ کا یہ مقولہ اپنے لیے ایک خالی ای میل میں ٹائپ کیا تاکہ وہ اسے ہمیشہ یاد رکھے۔

''اس سے فرق نہیں پڑتا۔ خاندان تو خاندان ہے، آپ اپنے خون سے تعلق نہیں توڑتے۔''

''تمہیں اب مزید لڑنے کی ضرورت نہیں۔'' ای میل پر کلک کرتے، سپیکر کو بند کر کے فون کو دوبارہ اپنے چہرے کے قریب لاتے ہوئے مونٹی نے لیلیٰ سے وعدہ کیا۔ ''تمہارے پاس میں ہوں۔ اب میں یہاں ہوں۔''

لیکن لیلیٰ نے شکریہ نہ کہا۔ وہ پُرسکون یا مطمئن سنائی نہ دی۔

اسی ہفتے، بعد میں، جب مونٹی اور اس کے بابا کے درمیان سندھ کلب میں ٹینس کی گیم برابر ہوئی اور برآمدے میں بیٹھے سرد مری بیئر پی رہے تھے، مونٹی ایک عنایت کے لیے اکبر احمد کی طرف مڑا۔

''پاپا؟''

''ہم م م؟'' جب تنگ سفید سپورٹس شاٹس پہنے ایک جینٹل مین نے ان کا نام پکارا تو اکبر جو فون پر مصروف تھے، ارتکاز کے عالم میں ان کی پیشانی پر بَل تھا، تیزی سے اپنی بید کی کرسی سے اچھل کر کھڑے ہوئے۔ انکل نے سلام کر کے پاپا سے ہاتھ ملایا اور ان کا ٹینس سکور پوچھا۔ جب شارٹس والے آدمی نے اپنی سہ پہر کی گیم کے نتائج کا اعلان کیا، مونٹی کو خیال ہوا کہ اس نے اپنے پاپا کا منہ بگڑتے دیکھا تھا۔

''یہ کیا سمجھتا ہے خود کو؟ بورس بیکر کا بچہ۔'' اکبر احمد نے واپس اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے

جھرجھری لی۔ ان کے فون پر بیپ ہوئی اور انہوں نے فون نکال کر انگوٹھے سے اسے اَن لاک کیا۔

''پاپا۔'' مونٹی نے دوبارہ بات شروع کی، ''میرا ایک دوست ہے۔''

لیکن اس کے پاپا اپنی انگلی سے فون کو چھو رہے تھے۔ ''Bloody کی بورڈ۔''

''وہ عمر میں کچھ بڑا ہے پاپا۔ خاندانی نام، یوسف، وہ خاصا محنتی اور Entrepreneurial ہے۔ اس کا نام...''

''پتا نہیں لوگ اس چیز پر کام کیسے کرتے ہیں۔'' اکبر احمد نے برف سے بھرا اپنا گلاس اٹھایا اور ایک گھونٹ بھرا۔ ''بلیک بیری غائب کیوں ہوگیا، مجھے کبھی سمجھ نہ آئے گی۔''

مونٹی اپنے بازو اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھا تھا اور اچانک خود کو اپنی Nike شارٹس اور ٹی شرٹ میں Exposed محسوس کرتے ہوئے وہ آگے کی جانب جھک آیا۔ اس کا باپ کوئی ای میل ٹاپ نہیں کر رہا تھا، وہ کسی بالی ووڈ نیوز سائٹ پر تھا۔ اس کی سکرین بڑی ہوگئی تھی اور اپنی ایک خمیدہ انگلی سے اس نے سرچ بار میں ٹاپ کیا، DEEPIK۔

''پاپا؟'' مونٹی نے اپنی بید کی کرسی سے اپنی ٹانگیں ہٹائیں اور اپنے باپ کے قریب کھسک آیا، جس نے اپنی سرچ کو روکا، یوں جیسے وہ ابھی ابھی اپنے بیٹے کی موجودگی سے آگاہ ہوا ہو۔

''ارے کیا؟''

''میرا دوست، پاپا، آپ کا خیال ہے کہ وہ آپ کے لیے کام کرسکتا ہے؟ یا کمپنی میں کہیں؟''

اکبر احمد نے اپنے بیٹے کو تشویش سے دیکھا۔

''کون ہے یہ دوست؟''

''ایک دوست۔'' مونٹی نے بے پروائی سے جواب دیا، یہ سوچتے ہوئے کہ لیلیٰ کے بھائی کو وہ مونٹی اور اُس کی بہن کے بارے میں بتائے بغیر نوکری کے اس نئے موقع سے کیسے مطلع کرے گا۔ لیلیٰ خود اُسے بتا سکتی تھی۔ وہ بہت خوش ہوگی۔ مونٹی چپکے سے مسکرا دیا، وہ پہلے ہی سے لیلیٰ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ پہلے ہی وہ اسے اپنی زندگی بدلنے میں مدد دے رہا تھا۔

لیکن مونٹی کے باپ نے اپنا فون اسے لاک کرنے کی پرواہ کیے بغیر رکھ دیا۔ ان کی ویب سائٹ لوڈ ہوگئی تھی، چست سیاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس دیپکا پاڈوکون کی راجر فیڈرر کے ہمراہ ٹینس ریکٹ پکڑے اور ہنستی ہوئی تصویر سکرین پر ظاہر ہوگئی۔

''کیا عمر ہے اس کی؟''

اکبر نے وہ بیئر اٹھائی جو اُس نے اپنے بیٹے کے لیے ڈالی تھی۔ شیشے کی میز پر جہاں برفیلا مشروب رکھا تھا، وہاں مائع کا ایک دائرہ سا بن گیا تھا۔

مونٹی نے کندھے اچکائے۔ ''چوبیس یا پچیس کا ہوگا۔''

اکبر نے گزرتے گزرتے ہوئے ایک سندھ کلب کے بیرے کو انگلیوں سے اشارہ کیا، لمبے خمیدہ کانوں والا ایک بوڑھا۔ اُس نے بیئر بوڑھے خدمت گار کی ٹرے میں رکھ دی۔ ''نکلو۔'' اس نے اپنے بیٹے کی طرف مڑنے سے پہلے حکم دیا، "An alumnus?"۔

نہیں، مونٹی نے سر ہلایا۔ ''نہیں پاپا، وہ گلشن میں رہتا ہے۔''

گلشن؟ اکبر نے محتاط انداز میں دہرایا۔

گلشن۔ مونٹی نے تصدیق کی۔

ڈان اخبار کی تہ شدہ کاپیاں تھامے دو انکل اکبر احمد کو سلام کہنے کو گزرتے رکے، جو پاکستان کے سب سے بڑے لینڈ ڈویلپرز، کنگڈم ریلٹی کا سی ای او تھا۔ لیکن مونٹی کا باپ سلام قبول کرتے، لیکن ان سے ہاتھ ملانے کو اٹھ کر کھڑے نہ ہوتے ہوئے اپنی بید کی کرسی پر بیٹھا رہا۔

مونٹی نے اپنی کہنی اپنے گھٹنے سے ہٹائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے انکلز کو سلام کیا جنہوں نے اس کے باپ کے نظرانداز کرنے پر ناخوش، محض سر ہلایا اور آگے بڑھ گئے۔

''گلشن۔'' اکبر احمد نے اپنی نشست پر رخ موڑتے ہوئے، بل کے لیے اشارہ کرنے کو زیر لب کہا، ''تم کس قسم کے لوگوں کو دوست بنا رہے ہو؟''

بدھا جیسی کان کی لمبی لوؤں والا بیرا چمڑے کے بل فولڈ کے ساتھ واپس آیا، جو اس نے اکبر کے سامنے دھر دیا۔ ''سر۔'' اُس نے سانس بھری کہ وہ مداخلت بے جا نہ کرے۔

اکبر نے چمڑے کے بل فولڈ کو کھولا۔ ''میں اس سکول پر اتنی رقم خرچ کرتا ہوں، صرف اس لیے کہ تم خدا جانے کہاں سے جونکیں جمع کر لو۔'' اس نے ٹیب پر دستخط کیے اور اس بوڑھے بیرے کو واپس پکڑا دیا۔

جب اس کا باپ اٹھ کھڑا ہوا، اپنا فون جیب میں ڈالا اور اپنا ریکٹ اٹھنے کو جھکا تو مونٹی نے کچھ نہ کہا۔ ''تمہیں اس قسم کے لوگوں سے فاصلہ رکھنا چاہیے، مصطفیٰ۔''

مونٹی کو بید کی کرسی میں بیٹھا چھوڑ کر اکبر پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ گیا، اس کی رانوں کے پچھلے حصوں پر بید کی کرسی سے گودے ہوئے نشانات تھے۔

جب وہ Audi میں تانو کے بازو میں بیٹھا تھا جب پٹھان انہیں گھر لے جا رہا تھا، مونٹی نے اپنے باپ سے بات کرنے کی کوشش کی۔ ''یہ سب ایک خیال تھا۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا، ''میں اُسے زیادہ نہیں جانتا...''

لیکن اکبر احمد نے کچھ نہ کہا۔ اس نے اپنی ریڈنگ گلاسز لگائیں اور اپنے ٹچ سکرین فون کو شہادت کی انگلی سے چھوا۔ مونٹی نے اپنی نشست سے ٹیک لگا لی اور سڑک کی طرف رخ کر لیا۔ کلفٹن کی طرف واپس جاتے ہوئے تانو کی نظریں مونٹی کی رانوں پر پڑیں اور مونٹی نے اپنی ٹانگی شارٹس ذرا

کھینچیں، اپنی جلد پر ان سرخ لکیروں کو چھپانے کی کوشش میں جو بید کی کرسی سے پڑ گئی تھیں۔

صبح کو لیلیٰ پچھلی شب کے پھیلے کاجل کے ساتھ، جو ٹھیک سے دھویا نہ گیا ہوتا اور بکھرے بالوں کے ساتھ سکول آئی۔ وہ Greasy لہروں کی صورت اس کی کمر پر پھیلے ہوتے جن سے سگریٹ کی ہلکی سی مہک آتی تھی۔

لیلیٰ ہر صبح اس دوپٹے کو لاکر میں گھسا دیتی جس کے ساتھ پیک کر کے اس کا بھائی اُسے بھیجتا تھا لیکن جب وہ موڈ میں ہوتی تو وہ اسے لنچ کے وقت نکالتی اور لاؤنج میں مونٹی کی گود میں ڈال دیتی تھی۔

ایک مرتبہ ایم ٹی وی دیکھتے ہوئے، لیلیٰ نے مونٹی کی جینز کے بٹن کھولے اور اسے چھوا۔

''خاموش، یا پھر میں رک جاؤں گی۔'' لیلیٰ نے کہا، اس کا رخ ٹیلی ویژن کی جانب مڑا ہوا تھا۔ لیکن مونٹی پہلے سے جانتا تھا کہ اُسے یہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بس اس کے قریب رہنا، اُسے تھامنا، اس کے ہونٹوں کے نیچے تِل کو بوسہ دینا، اس کی آنکھوں کو اپنے لبوں سے چھونا چاہتا تھا، پہلے بائیں، پھر دائیں۔

''لیلیٰ۔'' مونٹی دھیرے سے کہتا، ''تمہیں یہ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

اُسے پرواہ تھی کہ لوگ دیکھ لیں گے اور لیلیٰ کو بُرا سمجھیں گے، اس لڑکی کو جس سے اُسے محبت تھی۔ اور مونٹی اُس سے محبت کرتا تھا، اتنی کہ وہ کوئی بھی قیمت ادا کر سکتا تھا، کوئی بھی قربانی، اسے محفوظ رکھنے کو جو لیلیٰ سے متعلق خاص اور معزز تھا۔

''شش۔'' لیلیٰ اس کی آنکھوں میں دیکھے بغیر کہتی، ''تم اسے برباد کر دو گے۔''

ایک مرتبہ ایک نیا طالب علم لاؤنج کے ٹی وی روم میں داخل ہوا، کھردرے بالوں والا پستہ قامت لڑکا۔ وہ اپنا بیگ اندر بھول گیا تھا اور اسے لینے آیا تھا، لیکن دروازے میں کھڑے اُس نے مونٹی اور لیلیٰ کو دیکھا۔ مونٹی نے اپنے سر سے صوفے کو ٹیک لگا رکھی تھی اور گہرے سانس لے رہا تھا۔ لیلیٰ نے اس پر اپنا دوپٹہ پھیلا رکھا تھا اور اس کے قریب جھکی اس کے کان میں سرگوشی کر رہی تھی، اسے ہیجان میں لانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

گھنٹی پہلے ہی بج چکی تھی اور ان دو کے سوا ہر کوئی کلاس میں جا چکا تھا۔ نیا طالب علم وہاں کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ یقین نہ کر پایا کہ وہ دونوں کیا کر رہے تھے۔ وہ انہیں کوئی منٹ بھر سے دیکھ رہا تھا، جب لیلیٰ کی نظر اس پر پڑی۔ لیکن وہ اسے دیکھ کر بھی رکی نہیں۔ وہ مسکرا دی اور اپنا ہاتھ مونٹی سے ہٹایا اور اس نئے طالب علم کی طرف ہوا میں بوسہ اچھالا۔

یہ معجزہ تھا کہ اس لڑکے نے پرنسپل کو نہیں بتایا۔ یہ معجزہ تھا کہ لیلیٰ اپنے میک اَپ سے آزاد چہرے، سوائے آنکھوں کے گرد پھیلے آئی لائنر کے، اور اپنی گلابی ہونٹوں کے نیچے تِل کے ساتھ، اس قسم کے قتل کے ساتھ بچ گئی تھی۔

لیلیٰ کے مقابل مونٹی کی دنیا بالکل سادہ تھی۔ لیکن یہ خالی بھی تھی، یہ سچ تھا۔

یہ آسان تھا، بہت آسان۔

بہار کی ایک سہ پہر دیر سے جاگنے اور اوپری منزل کے کچن میں Nespresso مشین سے الجھنے کے بعد، مونٹی کو اپنی ماں کے کمرے سے چیخنے کی آوازیں آئیں۔ وہ اپنی باکسر شارٹس اوپر کھینچتے ہوئے، پاؤں گھسیٹتے اپنی ماں کی واک اِن الماری میں آیا جہاں اُسے وہ اپنے بکھرے اور بغیر ڈھکے بالوں کے ساتھ نوکرانی پر چیختی ہوئی ملیں۔ اینجلا ئز دوپٹے کے کونے سے اپنی ناک سنک رہی تھی جو زہرہ کا اصرار تھا کہ وہ گھر کے اندر اوڑھا کرے۔

''پُرسکون ہو جائیں، ممی۔'' مونٹی نے اپنی ماں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن زہرہ غضب ناک تھی، ملازمہ دھلے کپڑے دھوپ میں چھوڑ آئی تھی اور کچھ برباد ہو گیا تھا۔

اینجلا ئز نے معذرت کی تھی، زہرہ نے کہا لیکن اس سے نقصان کی تلافی نہ ہونا تھی۔ ''یہ عیسائی ہر وقت سوری کہتے ہیں، یہ دل سے کچھ نہیں کہتے۔ نیر صاحب ان کے بارے میں ٹھیک کہتے تھے۔ مجھے مہینوں پہلے اسے نوکری سے نکال دینا چاہیے تھا۔''

مونٹی سترہ سال کا تھا، لیکن یہ پہلی مرتبہ تھا کہ اُس نے اپنی ماں کی بے رحمی کو نوٹس کیا تھا... چیخنے چلّانے پر جیسے اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، جیسے اس کے باریک بال اپنی جڑوں سے سفید ہونے لگے تھے... اور اس نے اُسے افسردہ کر دیا۔

''وہ سوری کہہ رہی ہے، ماں۔'' مونٹی نے ملازمہ کو کمرے سے جانے کا اشارہ کیا۔ ''اس سے غلطی ہوئی، وہ رو رہی ہے، شاید آپ بھی معذرت کر سکتی تھیں؟''

یہ دردمندانہ مشورہ تھا، اُس نے سوچا۔ صورتِ حال کا کھچاؤ دور کرنے کا بڑے آدمی کا طریقہ، ان کے مقام اور تعلیم سے موزوں، مگر اس کی ماں کی بڑی بڑی چاکلیٹی آنکھیں سکڑ گئیں۔

''تم چاہتے ہو کہ میں اپنی ملازمہ سے سوری کروں؟'' زہرہ نے ہونٹ سکیڑے اور اس کا چہرہ کراہت سے مسخ ہو گیا۔ مونٹی نے توجہ نہ دی تھی کہ جب سے اُس کی ماں نے بال رنگوانے اور بلو ڈرائی کے لیے پارلر جانا چھوڑ دیا تھا، اس کے لمبے بال کس قدر بھربھرے ہو گئے تھے۔ ''میری ملازمہ!'' تھوڑی دیر کو چھوٹی سی خوف زدہ فلپینو کی غلطیوں کو بھولتے ہوئے زہرہ اپنا سر پیچھے کرتے ہوئے کرختگی سے ہنسی۔

جب بعد میں رات کو فون پر اُس نے اس واقعے کا ذکر لیلیٰ سے کیا، اس نے سانس روک لی۔

''کیا؟'' مونٹی نے پوچھا۔

''تمہاری ماں جابر ہے۔'' لیلیٰ نے خاموش سے لہجے میں کہا، ''میرا مطلب ہے، مجھے افسوس ہے، مگر تمہاری ماں ہی وہ حالت ہے جس سے اس ملک کو لڑنے کی ضرورت ہے۔''

مونٹی خاموش ہو گیا لیکن لیلیٰ نے لگتا تھا کہ توجہ نہیں دی۔

''تمہاری ماں، مونٹی؟ اُن کی تمام ''سخاوت'' اور کارِ خیر؟ یہ بس تکبر ہے۔''

قبل اس کے کہ وہ اپنی ماں کے کمزور دفاع کا آغاز کر سکتا، لیلیٰ نے ایک لمبی سی سانس بھری۔

''سچے دل سے صرف وہی بولتے ہیں، صرف وہی جو سچ کو دیکھ چکے ہوں۔''

وہ اس کے الفاظ میں ترحم کو سن سکتا تھا۔

لیلیٰ سے پہلے زندگی آسان تھی۔ زہرہ تب جابر نہ تھی، کوئی حالت (سماجی رتبہ) نہ تھی، ''بعد از نو آبادیاتی اضطراب کا کوئی الجھن زدہ Construct'' نہ تھا، جو بھی اس کا مطلب تھا۔ وہ مشکل اور تقاضا کرنے والی تھی لیکن مونٹی کا خیال تھا کہ صرف وہی یہ دیکھ سکتا تھا۔ لیلیٰ سے پہلے تک، اس پر کبھی یہ نہ کھلا تھا کہ تمام زندگیاں شیشے کے گھروں میں جی جا رہی تھیں۔ اور کسی صاحب شعور شخص کے طور پر کسی کا فریضہ تھا، پتھر اچھالنا۔

ایک مرتبہ جب اُسے سمجھ آ گئی کہ احمد خاندان اور اُن کے قومی خواب کا عمل تخلیق جھوٹا تھا، حالات پھر کبھی آسان نہ رہتے۔ لیلیٰ نے مونٹی کے تمام محل گرا دیئے تھے۔ اُس کے بغیر مونٹی کو دنیا کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو پاتا... خصوصاً وہ جو تکلیف دہ تھا...

سنی

اماوس کی رات میں سنی ساکت کھڑا ہے اور خوراک تلاش کرتے جانوروں کی آوازیں سنتا ہے۔ محتاط فاصلہ قائم رکھتے اور انتظار کرتے ہوئے مونٹی اس کے عقب میں ہے۔ مونٹی کے نقشے کی ریڈنگ کے بغیر سنی بتا نہیں سکتا کہ وہ کتنا چل چکے ہیں، مگر وہ اتنا جانتا ہے کہ یہ کافی نہیں۔ وہ Tal Afar ہرکارے کے لیے شیڈول سے پیچھے ہیں۔ نینوا کے لیے، ہر شے کے لیے۔

سنی نے موصل میں برادران کو گیدڑوں، جنگلی بلیوں، حتیٰ کہ سیاہ گوش کی باتیں کرتے سنا تھا۔ لیکن اب تک وہ خوش قسمت رہے ہیں، پیش قدمی میں ان کا سامنا کسی درندے سے نہیں ہوا۔

''سنی؟''

سنی اپنے دانت پیستا اور مونٹی کو نظر انداز کرتا ہے۔ اُس کی جانب سے کسی چوں چرا اں کے بغیر وہ 5 کلومیٹر چلے تھے مگر مونٹی خود کو مزید روک نہ پایا۔

''کیا ہمیں رات کے لیے رک کر خیمہ لگانا چاہیے؟''

جب وہ مونٹی کو ہچکچاتے دیکھتا ہے کہ آیا اس کے قریب آئے یا نہیں، سنی اپنے چہرے کا رخ موڑ لیتا ہے۔ اُس نے گھنٹوں سے مونٹی سے بات نہیں کی، تب سے نہیں جب اُس نے اس کے جوتوں پر تھوکا تھا۔

''جو چاہو کرو۔'' وہ چلتا چلا گیا۔

کسی نے عوز کو کسی چیز کے لیے تکلیف نہ دی تھی۔ وہ شام سے ایک شان دار آدمی، ایک جنگجو کے طور پر واپس آیا۔ وہ خوش تھا۔ سنی نے یہ دیکھا تھا۔ اس نے اس کا خود سے تصور نہ کیا تھا۔

وہ اتنی دور تک چلتا ہے جہاں تک اس کے پیر اُسے لے جائیں مگر اس کی ہڈیاں تھکن زدہ ہیں اور اس کی روح خستگی کا شکار ہے۔ اپنا بیگ ریت پر رکھنے سے پہلے وہ شاید مزید دو کلومیٹر چلتا ہے۔ سنی اپنے عقب میں مونٹی کی سانس کی خرخراہٹ سن سکتا ہے۔

وہ جھکتا اور اپنی انگلیاں صحرا کی ریت میں چلاتے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے۔ ریت

سنہری ہے اور حتیٰ کہ اندھیرے میں سنی ریت کے ذروں کو جھلملاتے دیکھتا ہے۔ وہ اپنا چہرہ جھکا کر خشک زمین سے لگا لیتا ہے اور گہرے سانس بھرتا ہے۔ وہ نمی جیسی خوشبو دیتی ہے، گرتی بارش جیسی تازہ، کسی Sage کی طرح۔

سنی کے پاس دنیا میں بس یہی ہے۔

اسے اپنی پیشانی پر مٹی اور پتھروں کی گرمی محسوس ہوتی ہے۔ پرانی جلی ہوئی گھاس کی بُو اس کے نتھنوں میں گھس جاتی ہے۔ وہ کھڑا ہونا نہیں چاہتا۔ سنی اٹھنا نہیں چاہتا۔

وہ عوز کے نیوز لیٹر، اس کی ویڈیو، اس کے ٹوئٹر کو ابو خالد تک لے جا سکتا تھا مگر یہاں عوز اس کا ضامن تھا۔ اگر وہ جان لیتے کہ عوز کیا کہہ رہا تھا، اگر وہ جان لیتے کہ وہ کیا کر چکا تھا، وہ سنی کی جانب رخ کر لیں گے۔ اُس کو نینوا میں خود کو ثابت کرنا ہوگا، ایک اور آخری مرتبہ، کسی شبہ کے بغیر۔

وہ اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے اور اگرچہ مونٹی اتنا سمجھدار رہا تھا کہ اس سے فاصلہ رکھے، سنی اس کی قربت کو محسوس کر لیتا ہے۔ اُسے مونٹی خود کو گھورتا محسوس ہوتا ہے، خوف زدہ۔

سنی کی ناک کے کنارے پر پسینے کے قطرے جمع ہو گئے، آہستہ سے اس کی گردن پر گرتے ہوئے اس کے کانوں کے پیچھے بھی۔ رات کو ہوا بھی اُسے سکون نہ پہنچاتی۔ اب سنی کو کوئی شے بھی پُرسکون نہیں کر سکتی تھی۔

وہ خود کو گھائل محسوس کرتا ہے، بے لباس۔ دھوکے کی یہی بات ہے... یہ ہمیشہ ان لوگوں کی طرف سے ملتا ہے جن سے آپ کو محبت ہو۔

یہ گلاب کی جھاڑیوں میں چھپے سانپ کی بات نہیں، کبھی بھی استعمال کرنے والوں یا جھوٹوں کی بات نہیں۔ وہ آپ پر سامنے سے حملہ کرتے ہیں۔ صرف آپ کا خاندان، آپ کا خون ہی عقب سے حملہ کرتا ہے۔

سنی خود کو اٹھاتا ہے اور تاریکی میں چھوٹی ٹہنیاں اور مردہ خشک لکڑیاں ٹٹول کر آگ جلاتا ہے۔

اس نے سب کچھ ہار دیا، اس نے عوز کی خاطر کسی سچ سے پیٹھ موڑ لی۔

سنی آگ جلاتا ہے، آگ پکڑنے میں ایک لمحہ لگتا ہے۔ وہ گھٹنوں کے بَل بیٹھ جاتا ہے اور اپنی آنکھوں پر مٹھیاں جما لیتا ہے۔

مونٹی دھیرے سے اپنا گلا صاف کرتا ہے۔

اپنے کندھے اچکاتے ہوئے، خود کو بوڑھا محسوس کرتے ہوئے سنی اپنی ہڈیوں میں رینگتی شکست کو جھٹکتا ہے، میں یہاں اس بچے، اس غیر اہم شخص کی خبر گیری کیوں کر رہا ہوں؟

وہ اپنا بیگ کھول کر Spam کے دو ٹن نکالتا اور ایک آگے بڑھاتا ہے۔ مونٹی ہچکچاتا ہے، جیسے وہ

سنی کو چھونے سے خائف ہو، جیسے وہ زہر ہو۔

"تم ابھی کھانا نہیں چاہتے؟"

مونٹی سر ہلاتا ہے، تیزی سے سر ہلاتا ہے اور ٹن جھپٹ کر تھام لیتا ہے، ڈھکن ہٹاتا اور سرد گلابی گوشت اپنی انگلیوں سے کھانے لگتا ہے۔

سنی نے اپنا فون چارج کرنے کے دوران ایک دکان سے یہ کھانا خریدا تھا... ڈیم سے پہلے، عوز سے پہلے۔ یہ کوئی اور زمانہ محسوس ہوتا ہے، ایک دوسری دنیا جس سے وہ رابطہ کرنا چاہتا تھا، جڑنا چاہتا تھا۔ وہ نیلے ٹن پر نظر ڈالتا ہے۔SPAM کے علاوہ باقی سب کچھ عربی زبان میں لکھا ہے۔ وہ لیس دار اور نمکین ہے اور سنی کسی چیز کا ذائقہ محسوس نہیں کر سکتا۔

وہ اَدھ کھائے ٹن کو نیچے رکھ کر خاموشی سے چباتا ہے۔ یہ ایسا زخم ہے کہ اُسے علم نہیں کیسے اس کی وضاحت کرے۔ سنی اپنی بیلٹ پر سے خنجر کو کھولتا اور اس کے بلیڈ سے ریت پر نمونے بناتے ہوئے اپنے بیگ سے ٹیک لگا لیتا ہے۔

مونٹی ٹن کو اپنے ناخنوں سے کریدتا ہے، گوشت کو نگلتا اور اپنی انگلیوں کو چاٹتا ہے۔

عوز، اگر میں اپنے ہاتھوں سے تمہارا گلا کاٹ سکتا، تمہیں محض اس تکلیف کا ذرا سا مزہ چکھانے کے لیے جو میں اس وقت محسوس کر رہا ہوں، میں تمہیں تلاش کرنے کے لیے پوری دنیا عبور کر لیتا۔

سنی اپنے پہلو کے بل دراز ہو جاتا ہے اور ڈیلیٹ کرنے سے پہلے واٹس ایپ میسج پر ایک نظر ڈالتا ہے۔ خنجر اب بھی اس کے ہاتھوں میں ہے اور وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

مونٹی

مونٹی تاریکی میں اپنے بیگ کے گرد پنجوں کے بل چلا، محتاط کہ کوئی شور نہ ہو۔ حرکت کرتے ہوئے اُس نے اپنی سانس روکے رکھی، یوں جیسے ہلکی سی سانس بھی زمین کو گڑگڑا کر رکھ دے گی۔ ایک دو منٹ تک اپنے راستے کو محسوس کر کے وہ اسی طرح چلا۔ رات اتنی تاریک تھی کہ اس نے پہلے کبھی ایسی نہ دیکھی تھی، کوئلے کی طرح، دُور کہیں کوئی ستارہ بھی نہ چمک رہا تھا۔

اُس کی پہلے سے سوجی جلد کے گرد اس کے بوٹوں کا چمڑا تنگ ہوا، اُس کی ایڑیوں اور پنجوں پر چھالے تھے اور اس نے اب اپنے اعصاب میں بے آرامی محسوس کی، جو اُسے داغ دینے والے درد سے جکڑے ہوئے تھی۔

اُس نے اپنا ہاتھ سامنے پھیلایا، اس یقین دہانی کی خاطر کہ اس کے راستے میں کوئی جھاڑیاں یا ٹنڈ منڈ درخت نہ تھے۔ اس نے اپنے بوٹوں سے خشک مٹی کو ہولے سے ٹھوکر لگائی... اس کے سامنے کوئی بڑے پتھر نہ تھے۔ وہ خاصی دُور تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے مڑے بغیر کنکھیوں سے اس تھوڑی سی آگ کی چمک کو چیک کرتے ہوئے دیکھا جو سنی نے روشن کی تھی۔

اُس نے اپنے ٹراوٗزر کی زپ کھولی اور رفع حاجت کی۔ اس دوران اس کے معدے میں تکلیف ہوئی۔ اپنی ٹانگوں کو ایک قدم مزید کھولتے ہوئے مونٹی نے اپنے جسم کو پیچھے کیا، محتاط کہ وہ اپنے بوٹوں کو گندا نہ کر دے۔ اُس نے لحہ بھر انتظار کیا اور اپنے پہلو کے درد پر جھرجھری لی۔ ہولے سے سانس لیتے مزید پیشاب کیا جب تاریک مائع نے ریت کو چھوا۔

اپنے ٹراوٗزر کی زپ بند کرتے ہوئے وہ اپنے چھوٹے سے خیمے میں واپس آ گیا، محتاط کہ سنی کو جگا نہ دے۔ وہ پیٹ سے ٹانگیں لگا کر اپنے ہاتھ اپنی ٹانگوں کے گرد پھیلا کر لیٹ گیا۔ وہ جب سے موصل سے چلے تھے، وہ یہی کالی قمیص اور کارگو ٹراوٗزر پہنے ہوئے تھا۔ سنی سے شدید بدبُو آتی تھی، ایک تیز، چبھتی ہوئی بُو جو مونٹی کی ناک میں گھس جاتی جب وہ اُس کے قریب کھڑا ہوتا۔ ''سنی۔'' مونٹی نے کچھ وقت پہلے اُس کے عقب سے اُسے مخاطب کیا تھا، ''کیا رات کے لیے ہمیں خیمہ لگا لینا چاہیے؟'' کوئی ٹنک سمجھ نہ آتی

تھی کہ وہ کیا کر رہے تھے... صحرا کے عین درمیان بلا سبب رکتے ہوئے، وہاں کچھ دیر بیٹھتے ہوئے جس دوران سنی اپنے فون کے ساتھ مصروف رہا۔ پھر وہ کھڑے ہوئے اور مزید دو گھنٹے چلتے رہے۔ یہ کس قسم کا شیڈول تھا؟

وہ سنی کی گردن کی گدی سے نیچے لٹکتے اُس کے سیاہ گھنگھرالے بالوں کو بہ مشکل دیکھ سکتا تھا لیکن اُس نے اپنے الفاظ کو ان کے درمیان گھرے ہوتے دھند لکے کے بیچ معلق ہوتے ہوئے سفر کرتے دیکھا، اور اگر اس نے انہیں اترتے اور سنی کو چونکتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، یوں جیسے تنفر سے رینگتے، وہ سوچتا کہ صحرا اُس کے ساتھ کوئی چالیں چل رہا تھا۔ سنی کو مونٹی کی دل شکستگی کے متعلق کیسے علم ہوا تھا؟ سنی نے اس کے اندر کیسے جھانک لیا تھا... اس کی ساری اداسی، کمزوری اور پریشانی کو دیکھ لیا تھا؟ کیا وہ اس قدر حسرت ناک، جذباتی تھا؟

احتیاط سے مونٹی دوبارہ صحرا کے فرش پر بیٹھ گیا اور ایک سویٹر نکالنے کے لیے اپنا بیگ کھولا۔ رات کی ہوا میں خنکی کے کوڑے لگ رہے تھے۔ اسے حقیقت میں تو اپنے ساتھ سکارف لانا چاہیے تھا، کچھ ایسی چیزیں جس سے وہ سونے کے لیے لیٹتے ہوئے اپنے کانوں کو ڈھانپ سکتا، لیکن اُسے یہ خیال نہیں آیا تھا۔ اس وقت رات کے دو بج رہے ہوں گے لیکن مونٹی کا دماغ پریشانی سے دوڑ رہا تھا۔ اگر ڈیم پر حملہ کیا جانا تھا، تب تو مقامی ملیشیا فورسز اب لیلیٰ کی جانب رخ کرتے ہوئے نینوا کے راستے پر ہو سکتی تھیں۔

جب اُس کی آنکھیں آگ سے اٹھتی روشنی کی پھوار کی عادی ہوئیں، مونٹی نے ہوشیاری سے سنی کا جائزہ لیا۔ وہ کچھ دیر پہلے زمین کو سونگھنے کے لیے گھٹنوں کے بَل کیوں بیٹھا تھا... کس لیے؟ بھیڑیے؟ مونٹی نے کئی میٹر کے فاصلے سے سنی کو گھبراہٹ سے دیکھا تھا۔ اس کو سمجھ نہ آئی کہ کیا ہوا تھا، سنی اس پر اتنا برہم کیوں تھا۔

اُن کے کھانا کھانے کے بعد، سنی نے وہ چاقو نکالا جو وہ اپنے کارگو ٹراؤزر کی بیلٹ کے ساتھ لگائے ہوئے تھا اور مونٹی کو اپنا جسم اضطراب سے سرد ہوتا محسوس ہوا۔ لیکن پھر سنی اپنے ہونٹ چباتے ہوئے اور اپنے چاقو کی نوک سے ریت پر نقش بناتے ہوئے وہیں بیٹھا رہا۔

مونٹی نے اب سنی کو دیکھا، گہری نیند کے عالم میں اس کے پپوٹے پھڑ پھڑا رہے تھے، یوں جیسے اس کی پلکوں میں ریت پھنس گئی ہو۔

وہ دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور دبے قدموں سنی کے بیگ کی جانب بڑھا۔ اور وہاں، بالکل جیسے اُسے توقع تھی، اُس کے بیگ کے نیچے سنی کا فون گھسا ہوا تھا۔ اس کی سکرین پاش پاش ہو چکی تھی، یوں جیسے وہ گر گیا ہو، اس کے کنارے کھرچے اور گھسے ہوئے تھے۔ آہستہ سے، بے حد آہستگی سے کہ اسے خود بھی یقین نہ ہو سکا کہ اُس کا ہاتھ واقعی حرکت کر رہا تھا، مونٹی نے سنی کے بیگ کے نیچے سے سلور آئی فون نکال لیا۔

سرفون کو اپنے ہاتھ میں لیے مونٹی الٹے قدموں خاموشی سے آگ سے دُور چلا گیا۔ اس کے جوتے پتھروں کی تلاش میں مٹی کو کھوج رہے تھے جب کہ اس کی انگلیوں نے والیم کو بند کیا اور وہ پاس ورڈ ٹائپ کیا جو اُس نے سنی کو استعمال کرتے دیکھا تھا: 786 ۔

یہ بسم اللہ کے اعداد تھے۔ یہ بات مونٹی اپنی ماں کے نشری مبلغ کو سننے کے باعث جانتا تھا۔ نیر صاحب نے کہا کہ ہر اچھے مسلمان کو اپنے ہر خط، ای میل اور فیس بک پوسٹ کے آغاز میں یہ اعداد لکھنے چاہئیں۔ زہرہ حتیٰ کہ اپنے آغا کی خریداری کی فہرست کے اوپر بھی یہی تحریر کرتی تھی۔

سنی کے فون میں درجنوں فولڈر تھے۔ مونٹی کو ترغیب ہوئی کہ ان میں جھانکے، صرف یہ دیکھنے کو سنی اُس فون پر ہر وقت کس چیز میں مصروف رہتا تھا لیکن وہ لیلیٰ سے متعلق اتنا گھبراہٹ زدہ تھا کہ انہیں کیا چیک کرتا۔

فولڈرز کے صفحات در صفحات سے گزرتے ہوئے، مونٹی کو یوٹیوب مل گیا اور اس نے لیلیٰ کا نام ٹائپ کیا۔ اگرچہ اس رات پُرجلال آسمان کی وسیع تاریکی کا تحفظ حاصل تھا، اس نے فون کے آگے اپنے ہاتھ کی آڑ کی، محتاط کہ سکرین پر جمع ہوتے لیلیٰ کے چھوٹے چھوٹے باکسز کو محفوظ رکھ سکے۔

وہاں تھی وہ۔

لیلیٰ میز پر بیٹھی تھی، اس کے سامنے رائفل دھری تھی۔

مقبوضہ سرزمین کے سامنے کھڑی ہوئی لیلیٰ۔

خاکی پتلونوں میں ملبوس بچوں کو گلے لگاتی ہوئی لیلیٰ۔

لیلیٰ، لیلیٰ، لیلیٰ۔

وہ ویڈیوز کو سوائپ کرتا رہا، یہاں تک کہ اُسے وہ مل گیا جس کی اُسے تلاش تھی اور اس نے دھیما سا والیم آن کیا:

''یہ ہے تہذیب... جیسے آپ یہاں دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے اس علم کے ساتھ جنم لیا تھا۔ جب آپ کے باپ نے آپ کے کان میں اذان دی تھی، اس سے پہلے کہ آپ نے کسی بھی دوسرے انسان کی آواز سنی: میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

کیمرا سورج کی تاریکی سے اَن چھوئے، لیلیٰ کے معزز مقدس چہرے کے نرم خدوخال سے پرے ہوا، یہاں تک کہ کوئی اس کے ہونٹ کے نیچے تِل کو بہ مشکل دیکھ سکتا تھا۔ وہ اس سے زیادہ زرد رُو تھی جتنا مونٹی کو یاد تھا؛ حتیٰ کہ صبح کے وقت اُس کی آنکھوں کے گرد جو سیاہ حلقے ہوتے تھے، وہ بھی جا چکے تھے۔ شاید اُس نے سگریٹ نوشی چھوڑ دی تھی۔

کراچی میں جب لیلیٰ روزانہ سکول سے گھر آتی تو وہ اپنے خفیہ فون پر مونٹی کو یہ بتانے کو ٹیکسٹ کرتی کہ وہ گھر پہنچ چکی تھی۔ شہر اس قدر غیر محفوظ تھا، وہ ہمیشہ باخبر رہنا چاہتا تھا کہ آیا وہ ٹھیک تھی۔ اُس نے

کراچی کے خطروں پر پہلے کبھی توجہ نہ دی تھی، تب اس کے پاس حفاظت کرنے کو کچھ نہ تھا۔

پاپا کے پولیس میں روابط تھے اور جب بھی مونٹی گھر سے نکلتا تو تانو کے برابر میں ایک مسلح کانسٹیبل بیٹھتا تھا۔ ان کے کلفٹن کے گھر کے باہر پرائیویٹ سکیورٹی گارڈ ہوتے تھے۔ احمد خاندان کے گیراج میں تین ٹن کا جنریٹر تھا اور کراچی میں بجلی کا مسلسل جانا انہیں کبھی محسوس نہ ہوا، حتیٰ کہ جب باقی سارے شہر میں بجلی آتی جاتی رہتی تھی۔

''شرط لگا لو، خدا بارش سے بھی تمہاری حفاظت کرتا ہوگا۔'' جب ایک مرتبہ مونٹی اُسے چوری چھپے اپنی گاڑی میں اپنے گھر لے گیا تو، مونٹی کے ڈرائیور کے پیچھے بیٹھتے ہوئے سفید یونیفارم پہنے لیلیٰ نے افسردگی سے کہا۔ کھڑکیوں پر بلٹ پروف شیٹنگ تھی اور پولیس والا سرد مہری سے سڑک کا جائزہ لے رہا تھا۔ تانو نے رئیر ویو آئینہ میں گھبراہٹ سے اُسے دیکھا۔ جب کبھی مونٹی اُس کی نگاہ لیلیٰ پر پڑتی محسوس کرتا تو وہ اپنی نظریں دوبارہ سڑک کی طرف پھیر لیتا تھا۔

مونٹی کے والدین دبئی میں تھے اور لیلیٰ منشیات لینا چاہتی تھی۔ اس نے مونٹی کو چرس کا وہ چھوٹا سا گولہ دکھایا جو اُس نے اپنے بھائی سے لیا تھا۔ انہیں بس اتنا کرنا تھا کہ اُس کے سگریٹوں میں سے تمباکو نکالتے اور شیریں بُو دیتی حشیش کو پتوں کے ساتھ اندر گھسا دیتے۔ اس کے پاس تین سگریٹ کے لیے کافی چرس تھی۔

مونٹی منشیات نہیں لیتا تھا لیکن لیلیٰ اس کو دیکھ کر مسکرا دی، اس کی وہ مسکراہٹ ایک ہی وقت میں کھوکھلی اور معنی خیز تھی اور وعدہ کیا کہ یہ تجربہ اس قابل ہوگا۔ تم اچھا محسوس کرو گے، اس نے مونٹی کی ہمت بڑھائی۔ چرس میں سب اچھا محسوس ہوتا تھا، یہ آپ کے سب دکھوں کو ڈبو دیتی ہے، لیلیٰ نے کہا، یہ جنت کی طرح محسوس ہوتی ہے۔

''میرے والدین کو مت بتانا'' ڈرائیو روے پر جب وہ گاڑی سے نکلے تو مونٹی نے تانو سے کہا۔ بڑی عمر کے پٹھان نے جو مونٹی کا دروازہ کھولنے کے لیے کھڑا ہوا تھا، سر جھکا دیا اور کچھ نہ بولا۔
''ٹھیک ہے؟'' مونٹی نے دہرایا۔ ''کچھ مت کہنا؟'' مگر تانو نے کچھ نہ کہا، اس نے اپنی جھینپتی، لڑکھڑاتی اردو میں ہاں یا نہیں میں جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنی تربیت شدہ نظریں اپنے جوتوں، اپنی سیاہ سینڈل کے دھاتی بکل پر رکھیں جو فرش پر گھسٹ رہا تھا۔

اُس وقت مونٹی لیلیٰ کے اچھالے گئے تبصرے پر ہنس دیا... وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا؟... لیکن مہینوں بعد مون سون میں گھر جاتے ہوئے اُس نے سیلاب زدہ سڑکوں کے عین بیچ میں... اور گھٹنوں تک اونچی اُڑسی شلواریں پہنے لڑکوں کو پوری طرح بھیگتے دیکھا۔ مونٹی نے اپنے اوپر کسی آڑ یا جائے پناہ کے بغیر ان سانولے، دبلے پتلے لڑکوں کو بھیگتے دیکھا اور جان گیا کہ اپنی افسردگی کے عالم میں لیلیٰ نے سچ کہا تھا۔

مونٹی نے ویڈیو کے نیچے اس کی ریکارڈنگ کا وقت دیکھا... گزشتہ روز۔ اُس نے پوری یقین

دہانی کے لیے تاریخ پر پوری توجہ کی۔ اُسے سو فیصد یقین چاہیے تھا کہ لیلیٰ محفوظ تھی۔

وہ نینوا میں تھی۔ نینوا۔ آپریشن کو کچھ نہ ہوا تھا۔

مونٹی نے یہ چیک کرنے کی خاطر سنی کو دیکھا کہ اپنے فون کے غائب ہونے کو اس نے محسوس نہ کیا تھا اور جاگ گیا تھا۔ وہ یہ یقین دہانی کرتے لحہ بھر اُسے دیکھتا رہا کہ سنی نے لیلیٰ کی آواز نہیں سنی تھی۔ لیکن وہ اپنے گھٹنوں کو اپنے سینے سے لگائے لیٹا رہا، بے سدھ۔ مونٹی دوبارہ لیلیٰ کی طرف مڑا، خوبصورت لیلیٰ، نینوا کے دروازوں پر کھڑی ہوئی۔ نوا۔ جو کچھ بھی۔

''جب ہم ستاروں کی نقشہ کشی کر رہے تھے، یورپی تاریک دَور میں رہ رہے تھے۔ جب مسلمان سورج کے گرد زمین کی گردش کو ماپ رہے تھے اور ہر اٹھائیس روز بعد چاند کے نئے طلوع کا حساب لگا رہے تھے، یہ غیر مہذب وحشی غاروں میں پھنسے، طاعون سے مر رہے تھے۔ یقیناً وہ موت سے ڈرتے ہیں، انہیں خدا کے بارے کچھ علم نہیں۔''

ویڈیو پہلے ہی دس ہزار بار دیکھی جا چکی تھی اور سینکڑوں تبصرے تھے۔

مونٹی نے اسے بند نہ کیا۔ اسے محتاط اور تیز ہونا تھا، فون کو سنی کے اُسے سن لینے اور جاگنے سے قبل واپس رکھنا تھا۔ لیکن اُس کی انگلی ہوا میں منڈلاتی رہی: کیا یہ کوئی غلط ہوگا، اگر وہ دیکھ لے کہ سنی اس فون پر پہلے کیا کر رہا تھا؟؟ کیا اُسے خبر بھی ہوگی؟ مونٹی نے سنی پر نظر دوڑائی، اس کی آنکھوں کے پپوٹے گہری نیند میں کپکپا رہے تھے۔ اُسے کسی بات کا شک نہیں ہوگا۔

لیکن سنی کی ہسٹری پہلے ہی مٹائی جا چکی تھی... سب کچھ، سوائے مونٹی کی ایک سرچ (تلاش) کے۔

حصہ سوم

حق کہتے ہیں حق آ گاہ

2016-17ء

انیتا روز

کراچی 2016ء

ہمسائے کے ریڈیو پر بجتے جیالے ترانوں کی انتشار توجہ کے بغیر گنجان آبادی کی گرمی میں وہ اسامہ کی بھولی بسری چارپائی کی بوسیدہ بُنائی پر بیٹھ گئے۔ بجلی دوبارہ جا چکی تھی، بجلی کے بغیر دن کے دن گزر جاتے تھے۔ دکانوں کی چھوٹی روشنیوں کی ٹمٹماہٹ کے بغیر یوں تھا جیسے وہ خود شہر سے کٹ چکے تھے۔

انیتا چوری چھپے گھر سے نکلی اور تاریکی میں یہاں اپنے کامریڈ کے ساتھ بیٹھنے اور اسے کمپنی دینے آئی تھی جب وہ رات کو مے نوشی کر رہا تھا۔ جب سے ان کا بھائی انہیں اٹھا کر گلشن لے گیا تھا، اُسے انیتا کو دیکھے ہفتوں گزر چکے تھے... وہ غائب ہو چکی تھی، اپنی نئی زندگی میں مصروف۔

اسامہ نے پہلے ہی کہا تھا... اس سے پہلے جب مچھر کالونی ایک گلتی سڑتی کچی آبادی بن گئی تھی... وہاں اوپر پانی کا ٹینک تھا اور وہ اوپر چڑھ کر چھت پر نہایا کرتا تھا، خود کو کراچی کی تپش بھری دھوپ میں سکھاتا تھا۔

اس نے اپنا گلاس ہاتھ میں تھامے رکھا، اس کے گرد اپنی انگلیاں لپٹی رکھیں، اتنے برسوں بعد بھی اسے انیتا سے بچاتے ہوئے۔ لیکن وہ ان کے درمیان ہوا کا دَم گھونٹتی ہوئی الکوحل کی طرح تیز سپرٹ کی بُو سونگھ سکتی تھی۔ وہ اس سے زیادہ پی چکا تھا جتنا انیتا روز نے پہلے کبھی دیکھا تھا، یہ اُس کا چھٹا گلاس تھا اور اب اپنے سائے کی طرح اُس نے حرکت کی۔

''کامریڈ۔'' اُسامہ نے اپنے پیروں کے قریب پڑی غیر شفاف پلاسٹک بوتل کو اٹھانے کی خاطر جھکتے ہوئے بات شروع کی۔ وہ لمحہ بھر کو بے یقینی سے ڈگمگایا، پھر نیلا ڈھکن گھما کر کھولا اور اپنا گلاس اوپر تک بھر لیا۔ وہ خالی نہیں تھی۔

انیتا نے لیبل کو پڑھنے کی کوشش کی لیکن اُسامہ نے اُسے انیتا سے دور ہٹا لیا۔

''انیتا روز۔'' اُس نے سانس خارج کی۔ اُس کی آنکھیں نیند بھری تھیں۔ ''انیتا، تم اس جنگل سے تعلق نہیں رکھتی۔''

وہ ایک سیاہ فام مصنف پر بات کرتے آئے تھے۔ طاقتور سماجوں کو دیکھنے کا واحد طریقہ اُن لوگوں کے ذریعے ہے جنہیں ان میں سے منہا کیا جاتا ہے، اسامہ نے کہا۔ سیاہ فاموں نے اپنی تاریخ کا تمام تر دکھ اپنے فن... اپنی موسیقی، اپنے ادب، اپنے رقص... میں جمع کر لیا تھا۔ جیسے یہاں سندھیوں اور بلوچوں نے کیا۔ حتیٰ کہ تکلیفیں اٹھاتے ہوئے بھی سیاہ فاموں نے دنیا کے حُسن اور دہشت کے گیت گائے۔

''میرا تعلق کہیں سے بھی نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''ایذرا کے خواب تمہارے نہیں۔'' اُس نے پوچھا، یا نتیجہ اخذ کیا، انیتا یقین سے نہ کہہ سکتی تھی۔ اُس نے اپنے بھائی کے بھولے بسرے نام کے تذکرے پر کچھ نہ کہا۔ اسامہ نے گرم گلاس اپنے ہاتھوں میں گھمایا۔

نہیں، اس نے اپنے عمر رسیدہ دوست کو یقین دلایا، اگرچہ اُسے خود زیادہ معلوم نہ تھا کہ خود اُس کے اپنے خواب کیا ہو سکتے تھے۔ نہیں، اُس نے اُسے یقین دلایا، کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ وہ یہی سننا چاہتا تھا۔ فیروز نے اُسے اپنے روابط میں سے کسی کے ذریعے ایک نئے پرائیویٹ سکول میں داخل کروا دیا تھا۔ فیروز ہی تھا جسے قرضوں، ادھار اور وعدوں کی صورت وہ بھاری بھرکم فیس ادا کرنی تھی۔ وہ انیتا کی زندگی بدل رہا تھا، اس کے بھائی نے وعدہ کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ جانتی، یہ سب... محرومی، غربت، بہروپ جو وہ زندگی میں بھرنے پر مجبور تھے... یہ سب کوئی دُور پرے کی یاد ہوتا۔

فیروز کو انیتا کا یہاں، ان کے انقلابی ہمسائے کے گھر آنا پسند نہ تھا۔ تمہیں اپنا سر جھکا کر جینا ہوگا، فیروز نے اپنی بہن کو بتایا، اپنی طرف غیر ضروری توجہ مبذول مت کرواؤ۔

لیکن انیتا روز کو کیوں چھپنا تھا جبکہ فیروز کے افق بڑھتے چلے جا رہے تھے؟ اُن کی زندگی ایسی تھی جو صرف تاریکیوں میں کام کرتی تھی، فیروز نے کہا۔ اگر وہ اصولوں و قوانین سے باہر زندگیاں گزارنے والے تھے تو انہیں چھپ کر خاموشی سے رہنا ہوگا۔ فیروز، انیتا کو مسلسل لیکچر دے رہا تھا، اُسے مسلسل تنبیہ کر رہا تھا۔ وہ کسی بڑی چیز پر کام کر رہا تھا... حقیقت میں بڑی... جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتا تھا۔ بس صابر ہونے کی بات تھی، مطابقت پیدا کرنے کی بات۔ کیا انیتا اس پر بھروسا نہیں کرتی تھی؟ کیا فیروز نے ہمیشہ اُس کی خبر گیری نہ کی تھی؟

''میرا خیال ہے کہ تم تیار ہو، میری ننھی شیرنی۔'' جب وہ گرمیوں کی پُر حدت رات میں اس کی بلڈنگ کی چھت پر بیٹھے تھے تو اسامہ مسکرایا۔

اُس سال مون سون دیر سے آیا تھا اور جب کہ اگست خشک اور اداس سا رہا تھا، ستمبر بارشوں سے بھرا ہوا تھا۔ کالونی کی تمام گلیاں چکنے سے پانی سے سیلاب زدہ تھیں۔ حتیٰ کہ تاریکی میں، اوپر چھت پر

بھی، انیتا نیم تاریک گلیوں میں جگہ جگہ بنے جوہڑوں سے گزرتے لوگوں کو پانی کی چھینٹیں اڑاتے سن سکتی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ تم یہ سب خود پر لینے کو تیار ہو۔'' اسامہ کچھ ہفتوں سے اُسے حبیب جالبؔ پڑھا رہا تھا، صرف شاعری میں نہیں بلکہ شہیدوں، جنگجوؤں اور مردوں پر اُن کے الفاظ کے اثرات کو بھی۔ اور اب اس نے انیتا کو ایک گرد آلود کتاب تحفہ دی۔ ''میں ایک غریب آدمی ہوں لیکن میری پیاری، یہ ایک عظیم ترین وارثت ہے جو میں تمہیں دے سکتا ہوں۔''

انیتا نے سرخ و سیاہ سرورق پر داغوں کو دیکھا، سستے بازار کی ری پروڈکشن، اور اپنی انگلیوں کی پوروں کو اپنی زبان سے گیلا کیا۔ اس نے اپنی شہادت کی انگلی گلاس کے پرانے داغوں پر پھیری، خشک ہوتی وائن کے سیاہ پڑتے داغوں کو اس امید میں رگڑ کر اتارتے کہ اسامہ نے توجہ نہ دی ہوگی کہ اُس نے نشانات دیکھ لیے تھے۔

کھیت وڈیروں سے لے لو
ملیں لٹیروں سے لے لو
ملک اندھیروں سے لے لو
رہے نہ کوئی عالی جاہ
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

انیتا نے توقف کیا، اُس کی انگلی ہچکچاتے ہوئے کتاب پر منڈلا رہی تھی۔

کیا اُسے یہ لینی چاہیے؟ بنا پوری طرح سے جانے کہ وہ کیا کر رہی تھی، اُس نے جالبؔ کو اپنی گود سے اٹھا کر فرش پر ڈال دیا۔ جیسے ہی وہ فرش پر رکھی گئی، اسامہ نے اسے فوراً اٹھایا اور دوبارہ انیتا کے بازوؤں میں دے دیا۔

''ڈرومت۔'' انیتا کے کچھ بولنے سے پہلے ہی سب سمجھتے ہوئے اُس نے دھیرے سے کہا۔ یہ اس کا وہ نیا سکول تھا، دوسروں کے لیے قابل قبول بننا، ہجوم میں مل جانا، جس نے اُسے خود اپنے سائے سے بھی خائف بنا دیا تھا۔ وہ اب انیتا کو ہر شے کے بارے میں ہچکچاتے دیکھ سکتا تھا۔ ''س میں کچھ بھی توہین آمیز نہیں ہے۔'' اسامہ نے سفوف سی گرد کا ایک بادل اٹھاتے ہوئے کتاب کو آہستگی سے تھپکا۔

انیتا کو اپنے معدے میں بل پڑتے محسوس ہوئے۔ وہ یہاں آنے کی خاطر اپنے گھر سے چوری چھپے نکلی تھی، اس کا بھائی ابھی تک باہر تھا اور اُس کی ماں کبھی توجہ نہ دیتی کہ وہ جا چکی تھی۔ ہوا چمپا کے پھولوں کی مہک سے خوشبودار تھی، شہد جیسی گاڑھی۔ مون سون ابھی آیا نہیں تھا، رات کی ہوا بارش کے وعدے کے ساتھ بوجھل اور متورم تھی۔ لیکن اب وہ وہاں سے بس بھاگ جانا اور اپنی ماں کے گرم جسم کے پہلو میں

سمت کر لیٹ جانا چاہتی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' اسامہ اس کے قریب جھک آیا۔

''ایذرا نے اپنا نام بدل لیا ہے۔'' انیتا نے اپنے دوست کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''اپنا کیا؟''

''وہ اب خود کو فیروز کہتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہم لوگوں کا یہاں بچ کر رہنے کا یہی طریقہ ہے۔''

اسامہ نے اپنا سر برہمی سے جھٹکا۔''بے وقوف ہے وہ، تمہارا بھائی۔ یہاں کسی کے بھی اپنا وجود قائم رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے، لڑنا۔'' بوڑھے کامریڈ نے اپنے سفید بالوں میں اپنے ہاتھ پھیرے۔ ''یہاں ہر کسی کو لڑنا ہے۔ وہ کیا سمجھتا ہے: وہ زندگی تمہارے ہاتھ میں بس تھما دیتے ہیں؟ بغیر جدوجہد کے جو تم چاہو، تمہیں دے دیتے ہیں؟ احمق گھامڑ۔'' اُس نے دہرایا۔

انیتا روز نے اپنی نگاہ اٹھائی۔''لیکن وہ ٹھیک کہتا ہے۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''کیا؟'' اسامہ نے انیتا کو دیکھا۔ وہ اپنے دبلے وجود سے کہیں بڑے سائز کی باریک کاٹن کی شلوار قمیص پہنے ہوئی تھی۔ اس کی کلائی پر روشنائی کے نشان تھے اور اگرچہ اس کی بھنویں بنی ہوئی تھیں اور اس کے اعضا ڈھیلے ڈھالے تھے، اپنے بھرے بھرے ہونٹوں اور ٹھوڑی پر تل کے ساتھ وہ بجائے اس کے کہ نوعمر تھی، تقریباً کسی عورت جیسی دکھائی دیتی تھی۔

''میں مخفی نہیں رہنا چاہتی۔ میں کتاب پکڑنے یا نظم پڑھنے سے ڈرنا نہیں چاہتی۔''

''مگر انیتا، میری بہادر بیٹی، کون تمہیں ڈرا سکتا ہے؟''

انیتا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔''مجھے لیلیٰ کہیں۔''

''لیلیٰ؟''

''یہی ہے جو اَب میں ہوں۔''

''کیا بکواس ہے۔'' اسامہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی چھوٹی سی دو چھتی پر ٹہلنے لگا لیکن انیتا سکون سے بیٹھ گئی۔

''آپ نہیں جانتے کہ یہ کیسا ہے۔'' اُس نے سرکشی سے کہا، اُس کے ٹین ایج برسوں کی پہلی نشانی جو اسامہ نے مشاہدہ کی تھی۔

اسامہ کو تشویش تھی کہ ایک مرتبہ جب اس کے بھائی نے اُسے اس قابل نفرین سکول میں زبردستی داخل کروا دیا تو ایسا ہی ہوگا۔ وہ افق کا، مستقبل کا، سچ کی اصل قدر کا نظارہ کھو دے گی... یہ سب کس کے بدلے میں؟ قبولیت؟ دوستی؟ ان امیر بچوں کے بچے کھچے رزق کے ریزے۔ وہ اُسے چارپائی پر بیٹھا دیکھنے کو مڑا، اس کے بازو سینہ پر بندھے ہوئے تھے۔''انیتا، میں نہیں جانتا کہ یہ کیسا ہے؟''

''لیلیٰ۔'' اس نے اس کی تصیح کی،''لیلیٰ نام ہے۔''

''لیلیٰ، انیتا،، لیلیٰ روز، مس جوزف، تم کیا بکواس کر رہی ہو؟''

''میں نظروں میں آنا، دکھائی دینا چاہتی ہوں، جیسے آپ ہیں۔''

اسامہ نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور دھیرے سے جھٹکا۔

''میں ایسا نام نہیں چاہتی جو مجھے داغ دے۔''

اس پر اسامہ اونچی آواز میں ہنس دیا۔

''میں آزاد ہونا چاہتی ہوں، آپ کی طرح۔''

''یہ شہر، انیتا، یہ تمہارا کلیجہ لے لے گا، اگر تم اسے لینے دو۔ تم نے سنا مجھے؟ یہ تمہیں زندہ چبا جائے گا۔ تم پسپائی میں نہیں لڑتے ہو۔ اگر تم خوف سے، ذرا سا بھی، جھک گئی تو یہ تمہیں تباہ کر دے گا۔''

''میں اسے کیسے روکوں؟ میں اس شہر کو اپنا کلیجہ چبانے سے کیسے روکوں؟''

اسامہ اپنی کرسی پر دوبارہ بیٹھ گیا اور اپنا شراب کا گلاس فرش سے اٹھایا۔ اس نے داغ دار گلاس سے پیا اور پھر انیتا کی آنکھوں میں جھانکنے کے لیے آگے جھکتے ہوئے اسے اپنے گھٹنے پر رکھ لیا۔ ''تم لڑو۔ تم پہلے ان کا کلیجہ لے لو۔ تمہیں یاد نہیں جالبؔ نے کیا کہا تھا؟ تمہیں کچھ یاد نہیں جو میں نے تمہیں سکھایا تھا؟''

انیتا کو سب کچھ یاد تھا، مگر وہ خاموش رہی۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم خود کو کیا کہتی ہو۔ فرق اس سے پڑتا ہے کہ تم کیسے مزاحمت کرتی ہو، تم یورش کے سامنے کھڑے ہونے پر کتنی بہادری سے آمادہ ہو، تم سچ کو کتنی وفاداری سے تھامے ہوئے ہو۔''

اُس نے اپنے دانت پیسے۔ یہ کوئی غلطی نہیں تھی، یہ بقا کا معاملہ تھا۔ یہ کیموفلاج... لیلیٰ ہونا۔ اس کا لڑائی کا انداز تھا۔

اسامہ نے افسردگی سے اپنا سر جھٹکا۔

بات یہی ہے بنیادی
لوگوں کو ہو آزادی
غاصب کی ہو بربادی
حق کہتے ہیں، حق آگاہ
پاکستان کا مطلب کیا؟
لا الٰہ الا اللہ

سنی

موصل، جنوری 2017ء

''جاگ جاؤ!'' سنی اپنا Wristband مونٹی کی طرف اچھالتا ہے۔''جاگو، جاگو، جاگو!''

''کیا مسئلہ ہے تمہارا؟'' مونٹی پسینہ آلود بینڈ اپنے چہرے سے پرے ہٹاتا ہے۔ابھی سورج نہیں نکلا، اندھیرا ہے اور خنکی، سوائے اس زردی مائل ہلکی روشنی کے جو آپ صحرا ہی میں دیکھ سکتے ہیں۔یہ افق پر گیس لیمپ کی دھیمی آگ کی طرح ابھرتی ہے۔وہ ہر کارے سے کم از کم ایک دن، نینوا سے دو روز کے فاصلے پر تھے۔اُن کے سامنے ناتمام پیش قدمی کے گھنٹوں تھے۔

''میں؟'' سنی کھڑا ہوتا اور اپنے کپڑوں کو پونچھتا ہے۔اُس نے ہر صبح خود کو سکیورٹی گارڈ کے سے انداز میں تھپکنا مشکل سے سیکھا تھا۔''میں؟ کیا ہی بات ہے، مونٹی۔تم ہو جو رات بھر نیند میں کراہتے اور کسی کتیا سے باتیں کرتے رہے ہو۔''

اس پر مونٹی کی عداوت سے چمکتی آنکھیں سکڑ گئیں۔''تم خود کو کہیں اور کیوں نہیں گھسیٹ لے جاتے، اگر اس سے تمہیں اتنا مسئلہ ہے؟''

''اوہ۔اوہ، اچھا۔کسی میں اچانک بڑی جرأت آ گئی ہے۔''

جب سے وہ نکلے تھے، ہر ایک رات مونٹی نے سنی کو اپنی اداس آہ و بکا سے جگایا تھا۔سنی کو پورٹسماؤتھ کا اپنا بوڑھا خواب میں دکھائی دیا تھا۔وہ ہاتھ میں بیگ لیے بریٹانیا میں ان کے گھر پہنچا تھا اور پا کو کچن کاؤنٹر پر کسی اور لڑکے کو ساتھ بیٹھے پایا... سنی کا ہم عمر، وہی قد، وہی رنگت، اُسی کے کپڑے پہنے ہوئے۔یہ کون ہے؟ اپنے عالمی سفروں سے تھکن زدہ اور شکستہ حال، اُس نے پوچھا۔میرا بیٹا، پا نے جواب دیا۔یہ میرا حقیقی بیٹا ہے۔میرا ایک اصلی لڑکا۔

سنی نے دوبارہ سونے کی بے حد کوشش کی لیکن وہ مسلسل بولے چلا جا رہا تھا: لیلیٰ یہ، لیلیٰ وہ۔

لیلیٰ، لیلیٰ، لیلیٰ۔

ٹویٹ کرتے اور سونے کی کوشش کرتے ہوئے وہ ستاروں پر نگاہیں جمائے اپنی پشت کے بل لیٹ گیا:

''میں مزید یہاں اس صحرا میں نہیں بیٹھ سکتا،
مجھے حرکت کرتے رہنا چاہیے، کام کرتے رہنا چاہیے،
خود کو آگے، اوپر، سرزمین موعود کی طرف لے جاتے ہوئے۔''

رات بھر وہ بار بار جاگتا رہا۔ اُس خواب کے بعد سنی کچھ رنج و مایوسی محسوس کرتا رہا۔ اس نے ریت اور خشک حدت سے اپنی کرکری آنکھیں رگڑیں۔ آپ صحرا کی اس ریت کو دھو کر بھی نہیں نکال سکتے۔ یہ آپ سے بس چمٹ جاتی ہے۔

وہ اپنی کہنی کے بل جھکا اور وقت دیکھنے کے لیے اپنا فون نکالا۔ صبح کے چار بجے تھے۔ عراق میں ہر ساعت صبح کے چار بجے جیسی محسوس ہوتی تھی۔ ہر شب جب سنی سونے کے لیے لیٹتا تو سوچتا کہ وہ اختتام کے قریب تھے، لیکن پھر وہ جاگ جاتا اور نینوا مزید دُور دکھائی دیتا تھا۔

اس نے انتظار کیا کہ اس کی آنکھیں رات کے آسمان کی نیلاہٹ سے ہم آہنگ ہو جائیں، لیکن ایسا نہ ہوا۔ سنی نے روشنی کی تلاش میں آنکھیں جھپکیں لیکن اسے روشنی بالکل نہ مل پائی۔ دوبارہ لیٹنے سے قبل اٹھنے سے پہلے لمحے بھر کو اپنا سر اپنے بیگ سے ٹیکتے ہوئے اس نے فرش پر تھوکتے ہوئے اپنا گلا صاف کیا۔ سنی کو اپنا سر اس قدر بوجھل محسوس ہوا۔

وہ اپنے بیگ کی پیکنگ مکمل کرنے کے لیے اب جھکتا ہے۔ وہ اپنے عقب میں ٹہلتے مونٹی کو ہیجان زدہ محسوس کر سکتا ہے۔

''تم کیوں نہیں... ؟'' مونٹی بالآخر غصہ سے کہتا ہے، اس کا جھاگ کی طرح اٹھتا اشتعال۔ ''تم مجھ سے پرے کیوں نہیں ہو گئے، اگر تمہیں اتنی ہی تکلیف تھی تو؟''

''کیوں کہ۔''

''کیوں کہ کیا؟''

سنی گھومتا ہے اور ایک ایسی جنبش میں کہ مونٹی کو آنکھیں جھپکنے اور دیکھنے کی مہلت نہیں ملی، مونٹی کی Bobble واٹر بوتل اٹھاتا اور سختی سے اُس کے سینے پر دے مارتا ہے۔

مونٹی اپنے چوتڑوں کے بل پر زمین پر گر جاتا ہے۔ اس کے چہرے پر صدمے کا عالم ہے۔

سنی اپنے بیگ کی طرف دوبارہ مڑتا ہے، پیک کرنے کو اب کچھ نہیں... وہ یہاں بغیر کسی چیز کے آیا تھا۔

''میں اس زمین کو بغیر کسی شے کے چھوڑ جاؤں گا، صرف اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے خدا کی سلطنت کو لوٹ جاؤں گا۔ مجھے اس سے کوئی سٹیلائٹ فون بچانے والا نہیں۔''

فرانس میں حملے کے بعد کرلرز لگائے ایک بوڑھی عورت نے بس میں سنی میں تھوک دیا تھا۔ شرم سے جلتے ہوئے وہ اُسے بتانا چاہتا تھا، میں نے تو وہ سب نہیں کیا تھا۔ کنڈکٹر نے شیشے میں وہ سب کچھ دیکھا اور سنی کی جانب ہمدردی سے مسکرا دیا۔ ''اس کی پرواہ مت کرو۔'' اُس نے کہا، ''یہ بالکل ہی پاگل ہے۔ اس کا خیال ہے کہ نائن الیون حملہ میں نے کیا تھا۔ ہر کسی پر تھوکتی ہے۔''

لیکن کنڈیکٹر براؤن تھا، سنی کی طرح۔ اتنا براؤن جتنا کوئی براؤن ہوسکتا ہے۔

بوڑھی عورت نے سنی کو ایسے دیکھا جیسے اُسے جانتی ہو۔ جیسے وہ جانتی ہو کہ وہ کون تھا اور اس لیے اُس سے نفرت کرتی ہو۔

''ہمیں جلدی چلنا چاہیے۔'' مونٹی اب اُس کے عقب میں منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہے۔ وہ گھبرایا ہوا دکھائی دیا، اپنی پشت سے گرد جھاڑتا ہوا اور یوں دکھاوا کرتا جیسے سنی نے ابھی ابھی اُسے دھکا دے کر گرایا نہیں تھا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں چلنا چاہیے، سنی۔''

مونٹی اس وقت سنی کو ہر اُس شے کی یاد دلاتا ہے جس سے اُسے نفرت ہے۔ پا اور ان کی مغالطہ آمیز، نا قابل رسائی توقعات کی۔ سکول کی جہاں سنی کے لیے کوئی جگہ نہ تھی... اُن کی کتابوں میں کوئی بھی اُس جیسا دکھائی نہ دیتا تھا، کوئی استاد اُس کی زبان نہ بولتا تھا یا دنیا میں اس کے مقام کو نہ سمجھتا تھا۔

یہ یورپ ہے، سینٹ تھامس میں ہیڈ مسٹریس نے سنی کو بتایا، جب اُسے بین کا جبڑا میز سے ٹکرا کر توڑنے پر طلب کیا گیا۔ اُس نے اسے بتانے کی کوشش کی کہ بین نے یہودی لڑکے کے بیگ پر Swastika بنا دیا تھا۔ یہ کہ یہ نسل پرستی اور اذیت رساں تھا۔ یہ کہ اُس نے برسوں یہ کہتے ہوئے سنی کو ذلیل کیا تھا کہ اپنا گند اٹھاؤ اور واپس پاکستان چلے جاؤ... جہاں سے سنی تھا ہی نہیں، بین پاکی تھا... اور انگلینڈ کو چوس کر بنجر کرنا بند کردو۔ یہ یورپی کیوں نہ تھا؟ پھر یورپ کس بکواس کے متعلق تھا؟

لیکن ہیڈ مسٹریس نے سنا ہی نہیں۔

میں یہیں پیدا ہوا تھا، سنی نے ہیڈ مسٹریس کو بتایا۔ میں تارکِ وطن نہیں ہوں۔

''یہ یورپ ہے۔'' وہ یوں حقارت سے بولی جیسے اُسے سن ہی نہ سکتی ہو۔ ''ہم مہذب ہیں، ہم تعلیم یافتہ ہیں۔ ہم بے عزتی کے معاملے پر لوگوں پر حملہ نہیں کر دیتے۔'' بین کے چار دانت ٹوٹ گئے تھے، اُس نے بتایا۔ اس کے مسوڑھوں اور ہونٹوں پر ٹانکے لگوانے کے لیے لے جایا گیا تھا۔ اگر وہ کسی اور قسم کی میز پر ہوتے تو اس سے کہیں زیادہ نقصان ہوسکتا تھا۔

''میں تارکِ وطن نہیں ہوں۔'' سنی نے دہرایا، ''یہ میرا وطن ہے۔ میں یہیں پیدا ہوا تھا۔''

''اچھا پھر مسٹر جمیل۔'' ہیڈ مسٹریس نے آہستگی سے جواب دیا، ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مہذب لوگ کیسے برتاؤ کرتے ہیں۔''

اگر پپا آفس نہ آئے ہوتے، اگر وہ اندر داخل نہ ہوئے ہوتے ... سونڈ بوئنڈ... سنی بتا سکتا کہ انہوں نے اس موقع کے لیے اپنی بہترین ٹائی پہنی تھی... حتیٰ کہ یہ بھی پوچھنے سے قبل کہ آیا اُن کے بیٹے سے کچھ غلطی سرزد ہوئی تھی، انہوں نے جھجکتے ہوئے اور پھولی سانسوں کے ساتھ معذرت کی تھی... اگر پپا آفس میں داخل نہ ہوئے ہوتے تو سنی ہیڈ مسٹریس کا سر بھی میز سے ٹکرا چکا ہوتا۔

مونٹی

اپنے فون پر نقشے کو دیکھتے ہوئے، مونٹی نے اپنی کمر کی مالش کی۔ کولہے کے بَل پر جہاں وہ گرا تھا، وہاں اسے درد ہو رہا تھا اور اس نے اس جگہ کی احتیاط سے مالش کی کوشش کی تا کہ سنی کو معلوم نہ ہو جائے کہ اُس نے اسے زخمی کر دیا تھا۔ فاصلے پر گن فائر کا شور اور توپ کی دھمک، جس نے میلوں تک زمین کو ہلا دیا، اس نے اُسے گھبرا دیا۔ وہ اب ہر وقت شور سننے لگا تھا، حتیٰ کہ صحرا کے درمیان بھی۔ پیدل چلنا، ذہنی اختلال، اس کے دل کی دھڑکن جب وہ اپنے خوابوں سے جاگتا تھا... وہ اس سب سے کیسے بچ پائے گا؟ کیا یہ کسی آدمی کے اٹھانے کے لیے بہت زیادہ بوجھ نہ تھا؟

تو کیا تھا کہ اگر سنی کا خیال تھا کہ مونٹی کسی لڑکی کے دکھ سے بحال ہو رہا تھا؟ وہ نہیں جانتا تھا کہ کون، وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ لیلیٰ تھی۔ سنی نے بس یہ تصور کیا کہ وہ کوئی بھی ہو سکتی تھی۔ اگر وہ پوچھتا تو مونٹی سارہ کے بارے میں کوئی کہانی گھڑ سکتا تھا۔ وہ اینجلا ئز کو اپنی گرل فرینڈ کے طور پر دوبارہ ایجاد کر لیتا۔

اگر سنی سوچتا کہ مونٹی کی ایک ورکنگ گرل، اینجلا ئز جیسی غیر ملکی گرل فرینڈ تھی تو وہ متاثر ہو جائے گا۔

مونٹی نے اپنی چھدری سی ڈاڑھی کو کریدا اور لمحے بھر کو اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

ہو سکتا ہے انہوں نے لیلیٰ کی وجہ ہی سے سنی کو اُس کے ساتھ بھیجا ہو؟ کیوں کہ ابو خالد کو کوئی شبہ تھا؟ اور سنی کا واحد فریضہ... جو وضاحت کرتا تھا کہ کیوں اس نے مونٹی سے دوستی سے انکار کیا تھا اور اس کے بارے میں مشکوک اور چوکس تھا، اس کے ہر قدم پر نظر رکھتا تھا... اس سے اعتراف اگلوانا ہو؟ مونٹی نے اس خیال کو اپنے دماغ سے جھٹک دیا۔ سنی کا گمان ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی بڑا اہم کمانڈر تھا، لیکن واضح طور پر اُسے کچھ پتا نہیں تھا کہ یہاں ہو کیا رہا تھا، اُسے ڈیم کے متعلق مونٹی سے زیادہ کچھ علم نہ تھا، نہ اُس ہر کارے کے بارے میں جس کے پاس وہ کبھی پہنچنے والے نہیں تھے، اس کے بارے میں بھی کچھ علم نہ تھا کہ یہاں کسی بھی شے سے کیا مراد تھی۔ صحرا کی مُردہ زمین کو روندر ہے تھے، سڑک پر چل کر مرے جانوروں سے گریز کرتے ہوئے... جو شکر خدا کا کہ انہیں ابھی تک کھانے نہیں پڑے تھے... اور پیش قدمی کے آخر تک منٹوں کو شمار کرتے ہوئے، وہ دونوں ایک سے تھے، وہ دونوں گم شدہ تھے۔

یہاں موجودگی نے مونٹی کو زندگی میں پہلی مرتبہ کاموں کو مناسب طور پر کرنے کا موقع دیا تھا: منظم، ذمہ دار ہونا جیسے کسی حقیقی ایجنسی کا حامل ہونا، حقیقی اہمیت کا۔ لیکن کبھی کبھار یہ نا قابل برداشت ہو جاتا تھا۔

اس نے اپنے جوتوں سے جھٹک کر ریت نکالی۔ تنگ سیاہ چمڑے میں اپنے پنجوں کو ڈالتے ہوئے جھرجھری لیتے ہوئے اس نے جوتے دوبارہ پہنے اور تسمے باندھ لیے۔ سنی سے متعلق کچھ خفیہ سا اور دھمکانے والا تھا، وہ اب یہ دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ مونٹی کو پوری طرح یقین نہ تھا کہ کیا۔

''ہمیں جلدی چلنا چاہیے۔'' اُس نے سنی سے زیرلب کہا۔

کیا وہ پہرے دار بھی تھا؟

لیلیٰ

دونو جوانوں نے ایک بھاری میز دونوں کناروں سے اٹھائی۔''آدم، تم بہت تیز چل رہے ہو۔'' سبز آنکھوں والے نے بھاری سانس کے ساتھ خرخراہٹ کے ساتھ کہا،''علی مھلک (آرام سے)۔''

''باس نے کہا تھا کہ ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔'' لمبی میز کے بوجھ تلے آدم کے عضلات تن گئے، جس کی سنہری لکڑی پالش شدہ اور چمک دار تھی۔ انہیں یہ لمبی میز لیلیٰ کے لیے چاہیے تھی جسے اس پر اپنے ہتھیار پھیلا کر رکھنا تھے۔ یہ کچھ ایسا بن چکا تھا، جسے ابو خالد اس کا''مخصوص انداز'' کہتا تھا۔ یہ ویڈیوز کی برانڈنگ کا حصہ تھا، وہ کہا کرتا تھا، اسی وجہ سے وہ کوئی پرانی میز استعمال نہ کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اب ویڈیوز بنانے کے لیے آئی فون نہیں بلکہ اصلی کیمرا بھی استعمال کرتے تھے، اس لیے اب ان کے پاس کلپس کو ایڈٹ کرنے، ان پر سب ٹائٹل لگانے اور شارٹس کے شروع اور آخر میں ساؤنڈ ٹریکس لگانے کے لیے بھی کوئی تھا۔ لوگ دیکھ رہے تھے، لاکھوں لوگ۔ دنیا کی نظریں ان پر تھیں، ابو خالد نے کہا، لیلیٰ پر۔ سب کے سب، سماج سے کٹے ہوئے، شکستہ خوردہ اور خفا، مشتعل... وہ سب لیلیٰ کو دیکھ رہے تھے۔

ابو خالد نے کہا کہ اسی وجہ سے اُس نے لیلیٰ سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے اُسے ان کی بالکل پہلی سکائپ کال پر بتایا تھا۔ اس نے لیلیٰ کی ویڈیوز دیکھی تھیں، تصور کرو، وہ عراق تک اُس تک پہنچ گئے تھے۔ کیا وہ میدانِ جنگوں تک اپنا پیغام لے جانے کے لیے تیار تھی؟ ایک خالص اور یقینی جنگ میں، نئے جنم کی خاطر، تشکیل نو کی خاطر؟ کمانڈر نے محسوس کرلیا کہ وہ تیار تھی، پہلے ہی روز جب ان کی بات ہوئی تو اُس نے کہا، اور وہ اُسے یہ دے سکتا تھا۔ لیکن تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ متاثر اور فکر مند لیلیٰ نے پوچھا تھا کہ کتنی جلدی انہوں نے اُسے تلاش کرلیا اور رابطہ کیا تھا۔ اسے بدلے میں کیا کرنا تھا؟ ابو خالد نے جواب دیا تھا۔ تمہاری آواز، ہمیں یہی چاہیے۔ تمہاری جدوجہد۔

ایک بے آباد عمارت کی کھڑکی سے باہر دیکھتی ہوئی لیلیٰ لڑکوں کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

کھڑکی میں موجود درز کے ذریعے آتی سرما کی ہوا نے کمرے کو ہلکی سی ٹھنڈک سے بھر دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور سہ پہر کی دھوپ کا اپنی جلد پر تصور کرتے ہوئے گہری سانس لی۔ اگرچہ اسے معلوم تھا کہ وہ اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ شیشہ پر انگلیوں کے نشانات تھے اور وہ گرد سے دھندلا تھا۔ لیلیٰ نے داغ دار شیشے سے باہر صحرا کو دیکھا اور سوچا کہ اسے باہر نکلنے کی اجازت کب ملے گی۔ اُس نے کتنا لمبا سفر کیا تھا، کیا صرف خود کو بند دروازوں کے پیچھے پانے کے لیے، اندر مقفل، بیرونی دنیا کی خبروں کی منتظر۔

''اسے یہاں رکھ دو۔'' سبز آنکھوں والے لڑکے نے میز چھوڑ دی۔ ''نہیں، یہ عین درمیان نہیں ہے۔'' آدم نے سنہری میز کا اپنا سرا آگے دھکیلنے کی کوشش کی۔

''ایک ویڈیو سٹائل کی اور اب تم ڈیزائنر بن بیٹھے ہو؟'' سبز آنکھوں والے نے فرش پر تھوکا۔

آدم کا چھوٹا سا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کے قوی بازوؤں کی رگیں اس کی گردن اور کنپٹیوں کی طرف پر پل ندیوں کی صورت سفر کرتے ہوئے جیسے پھڑکنے لگیں۔

''لڑکو۔'' لیلیٰ کھڑکی سے مڑی۔ ''ہمارے پاس اس کے لیے وقت نہیں۔''

باہر اندھیرا پھیل رہا تھا، جلد ہی قدرتی روشنی ختم ہو جاتی۔ چار بجے تھے، شاید اس کے بعد کا وقت، ساڑھے چار، انہوں نے لیلیٰ کے اپنے تحفظ کے لیے اس کا فون لے لیا تھا۔ ابو خالد نے وضاحت کی، اب اتنے سارے لوگ ویڈیوز دیکھنے لگے تھے کہ جلد یا بدیر اُن کے دشمن لیلیٰ کی تلاش میں آتے اور اسے تلاش کر لیتے، بالکل جیسے خود اُس نے تلاش کیا تھا۔

کمانڈر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک نئے، محفوظ فون کا انتظام کر رہا تھا، انٹرنیٹ اور سب کچھ کے ساتھ، لیکن وہ اسے نینوا کے بعد ملے گا۔ سب کچھ نینوا کے بعد تھا۔

لیلیٰ آہستگی سے چلی، اُس کا بڑے گھیراؤ والا سیاہ عبایا اُس کے حرکت کرنے کے دوران باریک مٹی کی ایک لہر اٹھاتے اور اسے ہوا میں آزاد کرتے ہوئے، فرش سے سیاہ کالک کو پونچھنے لگا۔ وہ میز کے سامنے بیٹھ گئی اور کرسی سے ٹیک لگا لی۔

''کیمرا تیار کرو۔''

آدم کے چہرے کا رنگ سرخی مائل ہو گیا اور ٹرائی پوڈ کو فرش سے اٹھاتے ہوئے اس نے اپنا گلا کھنکھار کر صاف کیا۔ دوسرا، لیلیٰ اس کا نام کبھی یاد نہ کر پائی تھی... ہر بار جب اس نے اُسے دیکھا، اُس نے دروازے زور سے بجاتے اور برادران سے بحث کرتے ہوئے کوئی فساد ہی مچایا تھا... اس نے ایک طرف ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ صاف کیے۔ آوازوں کو باہر رکھنے کے لیے دروازے کو بند کرنے کی خاطر اس کی طرف بڑھتے ہوئے اُس نے لیلیٰ کی طرف دیکھا، اس کے دیکھنے کے انداز میں کچھ عداوت محسوس ہوئی۔

لیلیٰ نے نظریں اس پر سے ہٹا کر اپنے نوٹس پر جما لیں۔ انہیں اگلے گھنٹے بھر میں ویڈیو بنانی

اور عمارت سے نکل جاتا تھا۔ اُسے حرکت میں رہنا تھا، ابو خالد نے اصرار کیا تھا کہ وہ زیادہ عرصہ ایک جگہ پر نہ رہے، جب تک آپریشن مکمل نہیں ہو جاتا، تب تک نہیں، جب تک تحریک نینوا کا محاصرہ نہ کر لے۔

وہ اب ہفتوں سے حرکت میں تھی، کسی ایک جگہ پر دوبارہ نہ سوتی، سکیورٹی کے ساتھ سفر کرتی... چار پانچ برادران ہر وقت اس کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے۔ اُس کے ساتھ وہ باقی سب کچھ کی حفاظت کیسے کر رہے تھے، یہ ایک راز تھا، اعلیٰ کمانڈ نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا کہ نینوا پر دھاوا بولنے کا آپریشن کیسا جا رہا تھا۔ وہ اُسے بس اس جیسے کمروں میں رکھتے اور ویڈیوز بنواتے، اور بعد میں انہیں ایڈیٹنگ کے دوران سنوارتے اور پُرجوش بناتے۔ یاد کرتے اور پچھتاتے، پچھتاتے اور یاد کرتے لیلیٰ اپنا وقت اپنی نوٹ بک میں لکھتے گزارتی، یہاں تک کہ اس کے تمام دن ایک ہی طویل، تکلیف دہ یاد میں ڈھل گئے۔

پہلے جب وہ اپنے فون اور بیرونی دنیا کی طرف کھلنے والے کسی بھی دروازے سے محروم بے آباد کمرے میں منتظر تھی، اُسے خیال ہوا کہ اُس نے راہداری میں کسی کو ایرک کلیپٹن (Eric Clapton) کو بجاتے سنا تھا۔ لیلیٰ کا دل تھم گیا۔ کیا بالآخر کوئی اس کی سب سے پرانی پہلی ویڈیوز تلاش کر پایا تھا؟ اس بات کی قائل کہ وہ گٹار کی 90's کی دھن سن سکتی تھی، وہ پانچ منٹ تک سنتی رہی، قبل اس کے کہ وہ کھڑی ہوئی اور آواز کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ کلیپٹن نہیں تھا۔ وہ لیلیٰ نہ تھی۔ وہ آئس کریم کا ٹھیلہ تھا، جسے ایک خالی سڑک پر سفید بالوں والا ایک شخص گھسیٹ رہا تھا۔

لیلیٰ نے اپنی سانس خارج کی اور محتاط کہ اپنے میک اَپ کو بگاڑ نہ دے، اپنی آنکھوں کو بند کرتے ہوئے اور پپوٹوں کو نرمی سے اپنی انگلیوں سے رگڑتے ہوئے اپنی سطور یاد کیں۔ وہ ابھی تک خوش قسمت رہی تھی لیکن اسے اپنی توجہ ہٹتی محسوس ہوئی، وہ بے چین ہوئی کہ کتنے قریب سے اس کی نگرانی کی جا رہی تھی اور ان یادوں سے پریشان ہوئی جو اُس کے بیدار خیالوں کو ڈراتی تھیں۔

آدم کیمرے کے ویو فائنڈر سے جھانکنے کے لیے ذرا سا جھکا۔ ''وائیڈ شاٹ؟'' اُس نے پوچھا۔ برادران میں سے کوئی بھی اس سے بات کرتے ہوئے اُس کی طرف نہ دیکھتا تھا، ان میں سے بیشتر اپنی نظریں فرش پر اپنے چپلوں میں مقید پنجوں پر جمائے رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ ہی اس کی طرف دیکھتے تھے، اس تمام وقت میں صرف تین چار برادران نے ہی اس کی نگاہوں میں جھانکنے کی جرأت کی ہو گی۔ ان سب کا ایک سا مضطرب تاثر ہوتا تھا، بھوک اور حقارت کے درمیان کچھ۔

لیلیٰ نے دروازے کے قریب کھڑے لڑکے پر نظر ڈالی، جو ابھی بھی اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''کلوز اَپ۔'' اُس نے سبز آنکھوں والے لڑکے سے نظریں ہٹائے بغیر آدم کو جواب دیا۔

کیا اسی لیے وہ یوں دیکھتے تھے؟

کیا وہ جانتے تھے؟

سنی

واحد مرتبہ جب سنی دن کو اپالو گیا، تب تھا جب وہ پپا کو وہاں لے گیا تھا۔ سنی نصف شب کو سیڑھیوں پر سرخی مائل روشنی سے واقف تھا اور سٹر برای اور پودینے کے شیشہ کی مہک جو رات دیر گئے تہ خانے کی دیواروں سے اوپر آتی، جب کھلی شلواریں پہنے لڑکے اپنے کندھوں پر لادی چھوٹی انگیٹھیوں سے سرخ کوئلے نکالتے تھے۔

سہ پہر کی خاموشی میں اپنے پپا کے ساتھ سیڑھیاں اترتے ہوئے سنی اس کے لیے عدم تیار تھا کہ وہ جگہ کتنی بدصورت، کتنی فرسودہ لگتی تھی۔ ''یہاں کا کھانا حیرت انگیز ہے۔'' اس نے پپا کو یقین دلایا جو اپنی انگلیوں کی چٹکیوں میں اپنا ٹراؤزر اٹھائے سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ وہ فرش سے چھو نہ جائے۔

سیڑھیاں اتر کر جب وہ کمرے میں مڑے، سنی نے امید بھرے انداز میں جگہ کا جائزہ لیا، اگرچہ وہ جانتا تھا کہ آلوش وہاں نہیں ہوگا۔ وہ رات بھر چکرانے کے بعد سہ پہر کو سوتا تھا۔

''عجیب ہے، بیٹا۔'' سلیمان جمیل نے اپنے رومال سے دھاتی کرسی کی پشت صاف کرتے ہوئے اپنی ناک چڑھائی۔ ''اس سڑک پر اتنی نئی جگہیں ہیں، تو پھر یہاں کیوں آنا؟''

کیوں کہ یہ اچھے لوگ ہیں، سنی نے جواب دیا۔ کیوں کہ یہاں میرے دوست ہیں۔

لیکن اس نے کچن کے دروازے پر اپنا فون اٹھائے کھڑے ہنستے، کیل مہاسوں والے سیاہ فام کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور وہاں دوسرا بھی کوئی ایسا نہیں تھا جسے وہ پہچانتا۔

''اے۔'' سنی نے مسکراتے ہوئے لڑکے کو یوں بلایا جیسے وہ پرانے ساتھی ہوں، ''کیا ہمیں دو قہوے مل سکتے ہیں؟'' لیکن لڑکا سنی کو بس گھورتا رہا، یہاں تک کہ اُس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر کافی کے بھرے کپ کا اشارہ کیا۔ ''دیکھنا کہ میرے اولڈ مین کو Proper face مل جائے!'' سنی اپنے پپا کی جانب مڑا۔ ''اوپر کی جھاگ کو یہ یہی کہتے ہیں، یہ صحیح طرح کافی پیش کرنے کے دیوانے ہیں۔''

لیکن سلیمان جمیل متاثر دکھائی نہ دیئے۔ انہوں نے بے چینی سے اپنی گھڑی کو دیکھا، یوں جیسے انہیں کہیں اور موجود ہونا تھا۔

یہ دیکھنے کو وہ ٹھیک سے جمے ہوئے تھے، سنی نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ اس نے پہلے کبھی کسی کو پا سے متعارف نہ کروایا تھا۔

آلوش نے کہا تھا کہ دیر سے لنچ کی خاطر اس کا شاید تین بجے گزر ہو، اگر وہ تب تک جاگ گیا۔ سنی اپنے پا کو جلدی لے آیا تھا، ابھی صرف دو بجے تھے۔ آلوش ابھی یہاں نہیں ہوگا۔ لیکن سنی پھر بھی گھبراہٹ زدہ تھا۔ یہاں اپالو میں پا کے ساتھ موجود ہونا اس قدر اہم کیوں تھا؟ اسے کیا پرواہ تھی کہ اس کا باپ، آلوش سے مل لے؟ اسے اپنے پا کی طرف سے توثیق کی ضرورت نہ تھی اور اسے عوز کی بھی توثیق یا اجازت نہیں چاہیے تھی۔ اسے کیا پرواہ تھی کہ وہ دونوں کیا سوچتے تھے؟

''ڈارلنگ۔'' سلیمان جمیل نے اپنے ہاتھوں میں نفاست سے ترکی کافی تھامتے ہوئے کہا، ''یہ کیا بکواس ہے؟'' ان کے چہرے پر تلخی سے شکنیں ابھر آئیں۔

''یہ کچھ نئی چیز ہے۔'' سنی بڑبڑایا۔ ''آپ کبھی کوئی نئی چیز کیوں نہیں آزمانا چاہتے؟''

''نئی کیا؟'' سلیمان جمیل نے ذرا سا سیاہ مائع اپنی پرچ میں چھلکاتے ہوئے نازک کپ بے پرواہی سے نیچے رکھتے کہا، ''اپنی تمام عمر میں نے جو بھی کیا، وہ نیا تھا! نیا نیا نیا، ہر وقت۔ یہ نیا نہیں ہے، یہ کم معیار کا ہے، بیٹا، یہ کوئی صاف ستھری جگہ نہیں۔''

سنی کو اپنا خون ابلتا محسوس ہوا۔ خود کو ٹھنڈا کرتے، سنی نے اپنا سر جھٹکا۔ وہ رومال اور سوٹ اور ہم رنگ ٹراؤزر نیا نہیں تھا جو اس کا باپ ہر جگہ پہننے پر اصرار کرتا تھا، اس بکواس کی نقالی کرتے ہوئے جو اُس نے GQ میں پڑھی تھی، کرارے لہجے جیسے وہ اسی طور بات کرتے پیدا ہوا تھا۔ وہ ماضی تھا... پا کا کیا خیال تھا، وہ کس کو بے وقوف بنا رہے تھے؟ یہ بس وہی تھے جو اپنی عمر بھر ایمپائر کے سامنے کسی خادم کی طرح جھکتے چلے آئے تھے۔

''آپ میں کچھ بھی مختلف چیز آزمانے کا حوصلہ کبھی نہیں رہا۔'' سنی نے اپنے بوڑھے باپ سے اکھڑتے لہجے میں کہا، ''دیکھیں خود کو! آپ کیا بننے کی کوشش کر رہے ہیں؟''

ایک رات اپالو کے تہ خانہ کی سیڑھیاں اترتے سنی لڑکھڑایا اور گرنے سے بچنے کی تگ ودو میں اس کی انگلیوں کے جوڑ دیوار سے چھیلے گئے۔ اب اس نے خود کو تقریباً گرنے کی وہ ہلکی سی جھنجھناتی تکلیف یاد دلاتے ہوئے اپنی انگلیوں کے جوڑوں سے میز کو تھپکا۔ وہ گرا نہیں تھا۔ وہ نہیں گرے گا۔

سنی نہیں چاہتا تھا کہ آلوش اس کے باپ کو دیکھے، وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ پا سے ملے اور سوچے کہ سنی بھی کچھ اُن جیسا تھا۔ وہ پا نہیں تھا۔ وہ کبھی بھی اُن جیسا نہیں ہوگا۔

''دیکھیں خود کو!'' سنی میز کو دھکیلتے ہوئے، کرسی کو پرے ٹھوکر لگاتے ہوئے، اپنے باپ پر چیخا۔ پا اور اس کے درمیان خالی جگہ میں دھاتی میز پر دھرے ہوئے اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ کسی چیز پر قابو پانے کے قابل نہ تھا، نہ اپنی خواہش یا چاہت پر، نہ ہی اپنے پا پر، نہ دنیا میں اپنے مقام

سے محرومی پر، نہ اپنے کانپتے ہاتھوں کے ارتعاش پر۔ ''دیکھیں خود کو... آپ قابل رحم ہیں۔''

سلیمان جمیل نے چھوٹا سا کافی کا کپ اپنی ہتھیلی میں تھاما اور اپنے بیٹے کو رنجیدگی سے دیکھا۔

''آپ ایک لطیفہ ہیں، پا۔'' سنی جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''یہاں یہ زندگی؟ وہ رومال؟ آپ کا وہ لہجہ؟ یہ ایک Fucking مذاق ہے!''

اور کسی نہیں، سلیمان جمیل کا بیٹا ہونا موت سے بدتر بھول تھی۔ ایک غیر اہم شے۔ ایک غیر اہم شخص جس کی زندگی صرف اس کی بے نشانی سے نشان دہ تھی۔

سنی نے پانچ پونڈ کا نوٹ میز پر پھینکا، شکرگزار کہ آلوش وہاں نہ تھا؛ یہ کہ وہ دو پاکستانی جن کی فرش صاف کرنے کی شفٹ صبح کے ایک بجے شروع ہوتی تھی، وہاں موجود نہ تھے۔ سنی نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اُس کے باپ کو دیکھے، سوٹڈ بوٹڈ، تیسرے درجے کے میگزینوں سے نقل شدہ کسی انگریز جینٹل مین جیسی ایسکاٹ (Ascot) پہنے، جب اس نے کافی میں الائچی کی بوجھل سی مہک محسوس کرنے پر منہ بناتے ہوئے، ٹراؤزر کو چٹکی سے تھامے ہوئے کہ کہیں وہ فرش سے نہ چھو جائے، جیسے وہ اس جگہ کے لحاظ سے کہیں برتر تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اُسے ایک بناوٹی، بے اصل، ایک فراڈ کے ساتھ دیکھے۔

لیلیٰ

''ہیلو، میڈم! کیا آپ ہمارا نئے ذائقے کا دہی ٹرائی کرنا چاہیں گی؟ Passion-Fruit اور پودینہ ہے۔شوگر فری۔''

بڑی بڑی آنکھوں اور ناک کے گرد چھائیوں والی ایک پستہ قد براؤن عورت۔ ممکنہ طور پر فلپائن سے، اس نے اپنے ہاتھوں میں ایک گول ٹرے تھام رکھی تھی۔ پلاسٹک کے چھوٹے چھوٹے کپ جن سے گلابی چمچہ جھانک رہے تھے، ٹرے میں اُن چھوئے رکھے تھے۔

اپنے دبئی کے سفر سے جو تفصیل لیلیٰ کو اچھی طرح یاد تھی، وہ عورت کا سفید و سبز یونیفارم تھا۔ اس کے ایپرن پر لکھا تھا، پنک بیری۔ لیکن لیلیٰ کے پاس کوئی اضافی درہم نہیں تھے۔ فیروز نے اُسے 250 اماراتی درہم دیئے تھے، جو پاکستانی پانچ ہزار روپے سے زیادہ تھے، اُس سے زیادہ رقم جو اس کے بھائی نے کسی بھی کرنسی میں اُسے کبھی دی تھی۔

''واقعی، بھیا؟'' جب فیروز نے اُسے شارجہ ہوٹل کے چھوٹے سے کمرے میں رقم تھمائی تو وہ چلا اٹھی تھی۔

''پُرسکون ہو جاؤ، یار۔'' فیروز نے اپنا فون چیک کرنے سے پہلے عقاب والے خاکستری اور گلابی مٹھی بھر embossed نوٹ اپنے چمڑے کے بٹوے میں تہ کر کے رکھے۔ ''شہر سے لطف اٹھاؤ لیکن بہت زیادہ تھک مت جانا۔ بعد میں ہمیں تم اچھی حالت میں چاہیے ہو گی۔''

وہ مال میں کتابوں کی دکان تلاش کر رہی تھی۔ ایک افریقی سکیورٹی گارڈ نے اُسے بتایا کہ اسے Kinokuniya کہا جاتا تھا۔ وہ دبئی آنے کے لیے بس پر پہلے ہی 15 درہم خرچ کر چکی تھی اور پھر چمکتے دمکتے ایئر کنڈیشنڈ مال آنے کے لیے میٹرو پر، مال جو لیلیٰ کو ایئر پورٹ کی طرح کشادہ اور ماڈرن لگا۔ اس نے واپسی کے راستے کے لیے مزید 15 سے 25 درہم کا اندازہ لگایا، شاید لنچ کے لیے مزید 40 درہم۔ 250 درہم ہوٹل میں تو خاصی معقول رقم لگی تھی لیکن اب ایپرن پہنے لڑکی کے عقب میں سٹینڈ پر پنک بیری کے شوگر فری دہی کی قیمتیں دیکھ کر لیلیٰ کو یقین نہ تھا کہ یہ کوئی خاصی رقم تھی۔

فیروز اور لیلیٰ اماراتی ایئر لائن پر دبئی آئے تھے۔ فیروز کا ٹکٹ بزنس کلاس کا تھا... اس کے کلائنٹ نے اسی طرح بک کروایا تھا، اس نے معذرت کی... جب کہ لیلیٰ کا ٹکٹ اکانومی کلاس کا تھا۔ لیکن لیلیٰ کو پرواہ نہیں تھی۔ پوری فلائٹ کے دوران، اپنا چہرہ پلاسٹک کی بیضوی کھڑکی سے لگا کر، وہ کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ رہی۔ وہ پہلے کبھی جہاز پر نہیں بیٹھی تھی، کبھی نہ دیکھا تھا کہ آسمان سے کراچی کتنا چھوٹا اور قابل شکست لگتا تھا۔

جب ہوائی جہاز بادلوں میں آیا تو لیلیٰ نے خشک، گرد آلود رقبے اور اپنے سرمئی نقطوں کے جھرمٹ کو غائب ہوتے دیکھ کر اپنی سانس روک لی۔ کراچی ہمیشہ بہت پُر ہجوم، دَم گھوٹنے والا محسوس ہوتا تھا۔ انہوں نے یہ ساری Space کہاں چھپا رکھی تھی؟ یہ سب کس کی تھی؟

اس کے برابر میں درمیانی سیٹ خالی تھی اور Aisle پر چپل اور فیروزی رنگ کی شلوار قمیص پہنے آدمی بیٹھا تھا۔ لیلیٰ نے اُسے اس کا بورڈنگ پاس پڑھنے میں مدد دی تھی: 32C۔ آدمی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور نہ ہی اُس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ اپنی سیٹ پر سکڑ کر بیٹھ گیا اور پوری فلائٹ کے دورانیے میں زیر لب دعا کرتے ہوئے اس کی جانب سے رخ پھیر لیا۔

لیلیٰ نے شال اپنے جسم کے گرد لپیٹ لی اور خود بھی اپنا رخ اُس کی طرف سے موڑ کر بادلوں کی جانب کر لیا۔

بعد میں، پائلٹ کے اعلان سے قبل کہ کچھ دیر میں وہ لینڈ کرنے والے تھے، لیلیٰ نے اپنی سیٹ بیلٹ کھولی اور باتھ روم کی جانب بڑھی۔ باتھ روم کے باہر روشنی سبز تھی لیکن جب اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو کسی نے اندر سے یوں جیسے اسے اپنے جسم سے دھکیل کر دھکا دے کر بند کر دیا۔ کمبل اٹھائے قریب سے گزرتی ایک سٹیورڈیس نے دیکھا اور باتھ روم کے دروازے پر دستک دینے کی خاطر رک گئی۔ ''معاف کیجیے گا؟'' اس نے دروازہ بجایا۔ ''ایکسکیوز می، ہیلو؟'' اس کے ناخن گہرے ارغوانی رنگ میں رنگے تھے جو لیلیٰ نے صرف فیشن میگزینوں میں ماڈلز کے دیکھے تھے۔

دروازہ کھلا تو وہی 32C کا فیروزی شلوار قمیص والا آدمی تھا۔

وہ ترچھا ہو کر عورتوں کے پاس سے نکل گیا، یوں جیسے انہیں نہ چھو جانے کی خاطر، اس کی جھکی ہوئی تذلیل بھری آنکھوں میں نفرت تھی۔ ٹوئلٹ کا فرش گیلا تھا، پانی سے بھرا ہوا۔ ''اوہ خدایا!'' ارغوانی ناخنوں والی سٹیورڈیس نے گہری سانس بھری، ''میں ان لوگوں سے بہت تنگ آ چکی ہوں۔'' لیلیٰ کچھ نہ بولی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ خاتون سٹیورڈیس جان لے کہ وہ بھی انہی لوگوں میں سے تھی، نفیس وشائستہ، تھکن زدہ سٹیورڈیس سے زیادہ فیروزی شلوار قمیص والے آدمی جیسی۔ وہ واپس اپنی سیٹ پر آئی اور دبئی کو صحرا سے ابھرتے دیکھنے لگی، دھات اور شیشے کا ایک قطعہ سیہ، ہلکے بادامی رنگ کی ریت میں چمکتی

ہوئی عمارتیں اور ہائی ویز۔

''وہ چاہتے ہیں کہ میں بھی چلوں؟'' لیلیٰ نے فیروز کے اُسے امارات ایئر لائن کا اکانومی ٹکٹ تھمانے کے بعد پوچھا اور فیروز نے اُسے دبئی میں اختتام ہفتہ منانے کی دعوت کا بتایا جس کی ادائیگی اس کے امیر کلائنٹس نے کی تھی۔ ''میں؟''

''ہاں۔'' اُس نے کہا مگر دھیرے سے تا کہ اُس کی ماں سن نہ سکے۔ ''کیوں نہیں؟''

''مگر کیوں؟''

فیروز اپنے فون پر ٹیکسٹ کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بہن کی جانب دیکھنے کے لیے اپنے Huawei کی بورڈ پر سے اپنے انگوٹھوں کی حرکت روکی، جو گلشن میں اُن کے کچن کے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی تھی۔ وہ Ripped جینز پہنے ہوئے تھی، گھٹنوں پر سے دھاگے کٹے ہوئے تھے اور خود سے خاصے بڑے سائز کی چینی سلک کی بنی ڈھیلی شرٹ۔ ''تم ایک خوب صورت لڑکی ہو، کیوں نہیں؟''

اس نے اپنی نگاہ دوبارہ فون پر جھکا لی۔

لیلیٰ نے چوکھٹ سے اپنا شانہ ہٹایا اور سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔ ''واقعی؟''

واقعی، فیروز نے Send دباتے ہوئے سر ہلایا۔

''لیکن مجھے کرنا کیا ہو گا؟''

''کچھ نہیں۔'' فیروز نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا، ''ایسا کچھ نہیں جو تم نہ چاہو۔''

وہ بیسٹ ویسٹرن ہوٹل میں چیک اِن ہوئے اور زنوبیا کو بتانے کو فون کیا کہ سب ٹھیک تھا اور یہ کہ وہ لینڈ کر چکے تھے۔ واٹس ایپ ویڈیو کی چھوٹی سی سکرین پر وہ اتنے اچھے کمرے میں اپنے بچوں کو دیکھ کر بہت خوش تھی۔ اتنے اہم اور فیاض کلائنٹس کے مہمان۔ جیتے رہو، اُس نے فیروز کے فون بند کرنے سے پہلے کہا... لمبی عمر جیو، خدا حافظ۔

انہوں نے اور کسی کو نہ بتایا تھا کہ وہ سفر کر رہے تھے۔ لوگ بہت سوال کرتے ہیں، فیروز نے کہا۔ یہ معلومات کسی کے پاس ہونا ضروری نہیں۔

لیلیٰ سمجھ گئی۔

ڈھکے چھپے رہو۔ اپنی جانب غیر ضروری توجہ مبذول مت کرواؤ۔

کچھ ایسا نہیں جو تم نہ کرنا چاہو۔

لیلیٰ اپنا سر جھکا کر رکھنے اور سایوں میں ایک سے زائد زندگیوں میں توازن بنانے میں خوب اچھی ہو گئی تھی۔ لیکن پھر بھی کسی بات نے اُسے بے آرام کر دیا۔ جس طرح فیروز نے سفر کے لیے اُس کے لباس کا انتخاب کیا: ماڈرن شلوار قمیص، بغیر آستین اور تنیوں سے منسلک گلے کے ساتھ، جو اُس نے امریکن سکول میں جانے کے وقت سے درزی سے نقل میں تیار کروائی تھی لیکن ابھی تک پہنی نہ تھی۔ پھر جس طرح وہ

اُسے اُن کی فلائٹ سے پہلے پارلر لے گیا تھا اور دروازے پر موجود آنٹی سے کہا تھا کہ اخراجات کی پرواہ نہ کرے۔

آنٹی، لیلیٰ کو چھوٹی سی پارٹیشن کے عقب میں لے گئی اور لیلیٰ سے اپنے کپڑے اتار کر ایک بے وضع ارغوانی لبادہ پہننے کا کہا۔ وہ یوں لگتا تھا کہ فیروز سے واقف تھی، یوں جیسے وہ اس قسم کی درخواست کے ساتھ اکثر وہاں آتا جاتا تھا۔

ایک ایک کر کے، سیلون کی لڑکیاں بے رنگ پارٹیشن شدہ کمرے میں آئیں جو اُن پارلروں جیسا بالکل نہ لگتا تھا جو لیلیٰ نے بچپن میں ٹی وی ڈراموں میں دیکھے تھے۔ ایک نے لیلیٰ کے چہرے پر چبھتی ہوئی بلیچ پوت دی، دوسری نے اس کے لمبے بالوں میں تل کے گرم تیل کی مالش کی جبکہ باقی دو نے گرم ویکس اُس کی ٹانگوں پر انڈیل دی اور اس کی جلد کو سیاہ بالوں سے صاف کر دیا۔ پارلر میں کوئی بھی اُس کو دیکھ کر مسکرایا، نہ ہی اس کی چائے کے لیے چینی کی کیوبس لا کر دیں، نہ کسی نے براہِ راست اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ طاقتور لوگ تھے، اُس کے کلائنٹس۔ وہ یوں ظاہر نہ کر سکتے تھے کہ وہ یہ موقع ملنے پر شکر گزار نہ تھے، فیروز نے کہا۔ وہ پہلے کبھی میٹنگ کے لیے ملک سے باہر نہ گیا تھا، اُسے پہلی بار متحدہ عرب امارات بلایا گیا تھا۔ ''مجھے یہ مہنگا مت پڑوانا۔'' ٹیکسی جب انہیں ایئر پورٹ لے جا رہی تھی تو فیروز نے اسے متنبہ کیا۔ فیروز اگلی سیٹ پر کھلی کھڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا، پیلی ٹیکسی میں کراچی کی گرم ہوا آ رہی تھی۔ وہ لیلیٰ کو دیکھنے کی خاطر مڑا، سیٹ کے براؤن لیدر پر بل کھایا اُس کا جسم۔ ''اگر سب اچھا رہا، اگر وہ خوش ہو گئے، تم دیکھنا...''

لیلیٰ کو لگا کہ فیروز کی آنکھوں میں آنسو تھے، جو اُسے کچھ سرخ لگیں۔

''تیار، ہم بالکل تیار ہیں لیلیٰ۔ ہم سب۔ ہمیشہ کے لیے...''

فیروز واپس پلٹا اور ٹوٹے ہوئے ہینڈل سے الجھتے ہوئے کھڑکی کا شیشہ چڑھا لیا۔

لیکن شاید وہ آنسو نہ تھے، شاید اس کی آنکھوں میں صرف ہوا پڑ رہی تھی۔

لیلیٰ نے اس بارے میں زیادہ نہ سوچا، وہ کبھی جہاز پر سوار نہ ہوئی تھی، کبھی شہر سے باہر نہ گئی تھی، کبھی کسی نئی جگہ نہ گئی تھی، اس کے ایلیٹ سکول کے بچوں کی طرح جو آسانی اور بوریت سے دنیا بھر کا سفر کرتے تھے۔

کسٹم سے کلیئر ہونے اور شارجہ میں نکلنے کے بعد، جہاں کوئی دبئی کی لاگت کے چوتھے حصے میں ایک کمرے میں قیام کر سکتا تھا، فیروز نے لیلیٰ کو کچھ رقم دی اور وعدہ لیا کہ وہ تین بجے تک واپس آ جائے گی اور شام کے لیے نہا کر تیار ہو جائے گی۔ لیلیٰ نے دیکھا، اس نے پہلے ہی سامان سے موتیوں لگے سٹریپس والی سیاہ قمیص نکال کر بیڈ پر پھیلا دی تھی۔

اپنے بھائی کی ہوشیار نگاہوں سے آزاد، اکیلے رہنے کی مشتاق لیلیٰ، دبئی دیکھنے نکل کھڑی ہوئی۔ وہ خصوصاً بے قرار رہا تھا، مسلسل اپنا فون چیک کر رہا تھا، اضطراب سے اُسے دیکھ رہا تھا، جیسے وہ چینی چڑھالے گی، یوں جیسے وہ بھاگ جائے گی اور اس امیر نخلستان میں اُسے چھوڑ جائے گی، اپنے کلائنٹس کے ساتھ باہر شب گزارنے پر خوب صورت لڑکی کے ٹوٹے ہوئے وعدے کے ساتھ۔

میٹرو پر لیلیٰ نے یہ نہ سوچنے کی کوشش کی کہ فیروز اُسے یہاں کیوں لایا تھا اور وہ اس قدر گھبرایا ہوا کیوں تھا۔ مونٹی اُسے مسلسل کال کر رہا تھا، ہر مرتبہ جب وہ اپنا فون وائی فائی سے کنیکٹ کرتی تو فیس ٹائم کی آڈیو بجتی۔ اُس نے اس کی تمام کالز کا جواب خود کار پیغام سے دیا۔ ''کیا میں تمہیں بعد میں کال کر سکتی ہوں؟'' لیکن اُسے اشارہ نہ ملا۔ اس کو کبھی سمجھ نہیں آتی تھی۔ پہلے اس نے اس کی کالز اور پیغامات کو نظر انداز کیا، پھر اُس نے انہیں درمیان ہی میں کاٹ دیا اور آخر کار اُس نے فون ہی ائیر پلین موڈ پر کر دیا۔

ائیر کنڈیشنڈ میٹرو میں بیٹھے لیلیٰ نے عربی میں سب وے سائنز پڑھے، اپنی سرخ نوٹ بک میں چند سطور جلدی میں لکھیں... یہ بیان کرنے کو بھنی ہوئی کافی کے دانوں کی مہک کیسی تھی اور یہ کہ سواری میں عود کی خوشبو تیر رہی تھی۔ اس نے اپنے آئی فون سے تصویریں لیں... میٹرو کی گزرگاہ کے قریب جھکی فلک بوس عمارتیں، چیری سے سرخ ہونٹوں اور سنہری بالوں کی Extensions والی لڑکیوں کے بل بورڈز جو دبئی کے سالانہ شاپنگ فیسٹول کی تشہیر کر رہے تھے، شارٹس پہنے اور سفری تھیلے لٹکائے دھوپ سے سنولائے غیر ملکی مردوں (حتیٰ کہ ان کے کانوں، اُن کے گھٹنوں اور کہنیوں کے آس پاس اُن کی جلد گلابی اور ملائم تھی) کے برابر بیٹھے لہراتے لبادوں (ثوب) میں پتلے دبلے اور قد آور مرد... لیکن پھر سب تصویریں ڈیلیٹ کر دیں۔ وہ اس سفر کی یادوں کو اپنے آنکھوں کے بند شٹرز کے پیچھے رکھے گی، وہاں وہ محفوظ رہیں گی۔

''میڈم۔'' پنک بیری کی سیلز وومن گنگنائی۔ ''کوئی اضافی کیلوریز نہیں، آپ ٹرائی کرنا چاہیں گی؟''

لیلیٰ نیم دلی سے مسکرائی۔ ''مجھے افسوس ہے۔'' اس نے اپنی جیب کو تھپتھپاتے اور یہ سوچتے ہوئے کہا کہ آیا یہ لڑکی بھی دبئی اس لیے لائی گئی تھی کہ وہ خوب صورت تھی۔ کیوں کہ وہ نوعمر اور محروم اور سادہ تھی۔ ''میرے پاس کھلے پیسے نہیں۔''

فلپائنی لڑکی ہنس دی، اس کی آنکھوں کے گرد لکیریں دکھائی دیں اور Braces لگے اُس کے مڑے ہوئے دانت ظاہر ہو گئے۔ ''میڈم!'' اُس نے پلاسٹک کے سفید کپوں میں سے ایک اٹھایا اور اُسے لیلیٰ کو تھما دیا۔ ''یہ فری سیمپل ہے۔ تھوڑا لیں، ٹرائی کریں۔''

لیلیٰ نے یہ سوچتے پیشن فروٹ اور پودینہ والا کپ قبول کر لیا کہ کاش اس نے اس میں سے کسی

پر اتفاق نہ کیا ہوتا... اس کے بھائی کا دبئی کا دعوت نامہ، اکانومی کلاس کا ٹکٹ، درہم، ڈھیر سے پگھلتا دہی، لیلیٰ کا نام، لیلیٰ کا آئیڈیا۔

''شکریہ۔'' اس نے پنک بیری والی لڑکی سے سرگوشی میں کہا، لیکن وہ کسی نئے اجنبی کو اپنے پیشن فروٹ کی ٹرے کی پیشکش کرتے ہوئے پہلے ہی مڑ چکی تھی۔

''ہیلو سر، کیا آپ ہمارا نئے ذائقے کا دہی ٹرائی کرنا چاہیں گے...''

مونٹی

اُس رات، صحرا کے پتھریلے فرش پر سوتے ہوئے، مونٹی نے لیلیٰ کو خواب میں دیکھا، ستاروں کے ہالے کی طرح اُس کے بال اٹھ رہے تھے۔ ہر مرتبہ جب لیلیٰ نے کچھ بولنے کی خاطر منہ کھولا تو وہ ستارے ایک ایک کر کے اُس کے پیروں میں گر گئے۔

تم کیا کر رہی ہو؟ مونٹی نے اپنے کھوکھلے لہجے میں پوچھا، تم کہاں جا رہی ہو؟

اُس رات اُس نے لیلیٰ کے رخصت ہونے کا خواب دیکھا بلکہ وہ بھی جو اُس نے کیا تھا۔ زندگی کی طرح، اس کے خوابوں میں بھی، وہ اس کی بے وفائی کے متعلق جیسے جھماکوں میں دیکھتا تھا... سبز روشنی، شور کی ہلکی سی گرج، لیلیٰ کی ٹانگیں۔

تاریکی میں، ہوٹل کے بیڈ پر لیلیٰ کی آہستہ سے حرکت کرتی ٹانگیں۔

لیلیٰ نے امریکن سکول کراچی کی سیڑھیوں تلے، سائیکولوجی کلاس روم کے عقب میں، دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے کہا تھا، ''چلو، میرے لیے کوئی شاعری سناؤ۔''

اور مونٹی اُسے اس کے پسندیدہ ایرک کلیپٹن کے گیت گا کر سناتا تھا۔

وہ ہمیشہ مونٹی سے گانے کا کہتی تھی، ہمیشہ جب وہ تنہا ہوتے تھے۔ ''مجھے تمہاری زبان سے ''لیلیٰ'' کی آواز اچھی لگتی ہے۔'' لیلیٰ نے آہستگی سے مونٹی کو بوسہ دیتے کہا تھا۔ اُس کی سانس میں سگریٹ کی بُو تھی۔ ''میرا نام پکارتے ہوئے جیسے تمہارا لہجہ بدلتا ہے، مجھے اچھا لگتا ہے۔''

وہ سکول کے بعد گھنٹوں ساتھ گزارتے تھے، بعض اوقات پانچ چھے بجے تک، فیروز کو ٹالتے ہوئے جس کی کالز لیلیٰ کاٹ دیتی اور کلاس رومز میں پیپرز کو گریڈ دیتے ہوئے ان اساتذہ سے چھپتے ہوئے جو دیر تک رکتے تھے۔ بعض اوقات وہ اختتام ہفتہ پر غائب ہو جاتی، اپنا فون نہ اٹھاتی یا پھر کسی پیغام کا جواب دینے میں گھنٹوں لگاتی۔ لیکن سکول کے بعد بیشتر دنوں وہ صرف اُسی کی ہوتی تھی۔

لیلیٰ نے سیڑھیوں تلے تاریکی میں بیٹھے مونٹی کو بوسہ دینا سکھایا۔ زبان کو حرکت دینا، سانس کو آہستہ کرنا۔ نرمی یا سختی سے بوسہ دینا سکھایا۔

مونٹی نے اُس کے ساتھ کیمپس میں چند مزید گھنٹے گزارنے کی خاطر حتیٰ کہ سکول کے بعد سپورٹس کے لیے بھی نام لکھوا لیا۔ ایک مرتبہ جب اُس نے ایک ہوم گیم کے دوران ایک بظاہر خوفناک شراکت کو توڑتے ہوئے فضا میں گیند پکڑ لی... کرکٹ میں نوآموز مونٹی کے لیے ناگہانی تبدیلی... اُس کی ٹیم کے تمام ساتھی خوشی سے اچھل پڑے۔ اس کے دوستوں کاشف اور شاویز نے اُسے کندھوں پر اٹھا لیا اور میدان میں دوڑنے لگے، لیکن مونٹی لیلیٰ کی تلاش میں دائیں بائیں گھومتا رہا۔ اور وہاں تھی وہ، اپنی زینب مارکیٹ والی Ripped جینز میں گھاس پر بیٹھی، نہ اچھلتی ہوئی، نہ ہی حتیٰ کہ حرکت کرتی ہوئی۔

لیلیٰ آلتی پالتی مارے ساکت بیٹھی تھی، اس کی کمر بالکل سیدھی تھی۔ وہ اُس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ مونٹی... اُس نے چپکے سے اپنے منہ سے اُس کا نام کے حروف ادا کرتے کہا، کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ اتنے فاصلے سے وہ اُسے سن نہیں پائے گا۔

مونٹی، لیلیٰ نے خاموشی سے کہا، اس نے اپنی آنکھیں میچ رکھی تھیں اور اس کا منہ اتنا کھلا تھا جیسے وہ چیخ رہی ہو۔ صرف ایک مرتبہ مونٹی نے اُس کو ہوا میں مٹھیاں لہراتے دیکھا۔

لیلیٰ، اُس نے اُسے جواب میں پکارا، لیکن لیلیٰ نے اُسے نہ دیکھا۔ اس کی آنکھیں ابھی بھی سختی سے بند تھیں۔

یہ بیان کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا کہ مونٹی کو لیلیٰ سے کس قدر محبت تھی، کوئی زبان نہ تھی جس میں بتایا جاتا کہ کیسے اس کے لمس پر اُس کا جسم تن جاتا تھا، کیسے الفاظ جو صرف اشاروں میں بولے جاتے تھے... ہوا میں سرگوشی کرتے ہوئے... اس کی پسلیوں کو ضرب لگاتے تھے، خون کی بافتوں، ہڈیوں کو پاش پاش کر دیتے تھے۔

لیلیٰ اپنی نتھ تبدیل کرنا چاہتی تھی، چاندی کی تار اب اُسے بیزار کرنے لگی تھی۔ یوں مونٹی اُسے Sarwana's لے گیا جہاں سے اُس نے ایک چھوٹا سا نازک ہیرا پسند کیا۔ جب جیولر چھید چکا تو لیلیٰ نے اسے اپنی پرانی نتھ تھما دی۔ ''اس کو پھینک دو۔'' اُس نے چاندی کی پتلی تار بوڑھے شخص کی ہتھیلی میں تھماتے ہوئے کہا، ''مجھے اب یہ نہیں چاہیے۔''

مونٹی نے اس کے لیے Kindle اور Essie نیل پالش ایمزون سے آرڈر کرنے کے لیے اپنے باپ کا کریڈٹ کارڈ استعمال کیا تھا اور جب وہ براؤن ڈبے سکول لایا تو لیلیٰ نے تاخیر سے ڈلیوری کی شکایت کی۔

لیکن وہ ٹھیک کہتی تھی۔ اس نے ہفتوں لیے تھے۔

''تم مجھے کیوں پسند کرتی ہو؟'' اُس روز جب وہ سیڑھیوں پر بیٹھا لیلیٰ کو اس کا ایرک کلیپٹن گیت سنا رہا تھا، اُس نے پوچھا۔

اُس نے کتابوں اور اُس سرخ نوٹ بک سے بوجھل اپنا بیگ اٹھایا جو وہ ہر جگہ ساتھ رکھتی تھی۔

اس نے کبھی کسی کو نہ دیکھنے دیا تھا کہ اس میں کیا لکھا تھا، مونٹی کو بھی نہیں۔ ''تم مجھے کیوں پسند کرتے ہو؟''

''کیوں کہ تم مختلف ہو۔'' مونٹی نے اس کے قریب ہو کر اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔ بہادر مشتعل، لیلیٰ۔

لیکن لیلیٰ اپنے ناخنوں کے گرد زرد جلد کو بس چباتی رہی۔ ''نہیں، میں باقی سب جیسی ہوں، تم دیکھ لو گے۔''

خوابوں میں وہ ویسی لگتی تھی جیسی وہ تب تھی، شروع میں۔ چڑیا کی طرح اس کی براؤن آنکھیں کاجل سے بھری ہوئیں اور گلابی ہونٹ یوں جیسے ابھی انہیں بوسہ دیا گیا ہو۔

مونٹی خوابوں کے بعد ہمیشہ پسینہ سے بھرا ہوا جاگتا تھا۔ لیکن آج رات، صحرا کے عین بیچ میں، وہ اپنے پسینہ سے نہائے جسم اور اپنے سینے میں وحشت سے دھڑکتے دل کے ساتھ جاگا۔

اپنے اردگرد تاریکی کو محسوس کرتے ہوئے وہ آہستہ سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنا بیگ چیونٹیوں کے ایک ٹیلے کے پاس رکھ دیا تھا اور کینوس کے کپڑے پر سینکڑوں حشرات الارض چڑھ آئے تھے۔ مونٹی کو محسوس ہوا کہ کسی چیونٹی نے اس کی گردن پر کاٹا تھا اور اُس نے تیزی سے خود کو جھاڑا، اس کی جلد کپکپائی۔ وہ جاگ چکا تھا مگر کسی طور وہ اب بھی اُسے سن سکتا تھا۔ کسی طور وہ لیلیٰ کو سن سکتا تھا جس کی آواز اس کے خوابوں سے باہر معلق تھی۔ یوں جیسے وہ مونٹی کے قریب تھی۔ لیلیٰ اس سارے وقت میں صحرا میں تیرتے ہوئے اس کا پیچھا کرتی رہی تھی۔

تاریکی تھی اور مونٹی کی آنکھوں کو سنی کے فون سے اٹھتی روشنی کی ہلکی سی چمک کا عادی ہونے میں ایک لمحہ لگا۔ وہ اپنی پشت کے بل لیٹا تھا، اس کا ایک بازو اس کے چہرے کے سامنے پھیلا ہوا تھا، ڈیوائس کے ساتھ کوئی ائیر فونز منسلک نہ تھے۔

سنی نے جنبش کی، مونٹی دوبارہ لیٹ گیا اور تیزی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں تا کہ سنی یہ نہ دیکھا پائے کہ وہ جاگ گیا تھا۔

لیلیٰ... سنی کو اپنے معدے کے گڑھے میں ایک سرد دہشت محسوس ہوئی۔ وہ سنی کے فون پر تھی۔

کیا وہ اُس سے بات کر رہا تھا؟ مونٹی کا دل اس کی پسلیوں میں اتنی شدت سے دھڑکنے لگا کہ اسے یہ سننے کے لیے خاصی تگ و دو کرنی پڑی کہ کیا کہا جا رہا تھا۔ اس نے اپنی سانس روک لی اور سننے لگا۔ لیلیٰ کی آواز آئی اور پھر رک گئی۔ شروع ہوئی اور پھر رک گئی۔

وہ کوئی ویڈیو تھی۔

مونٹی نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کیں اور معمول کے مطابق سانس لینے کی کوشش کی۔ آدھی رات کو سنی اُسے کیوں دیکھ رہا تھا؟ جب سنی نے اس کی جانب کروٹ بدلی، وہ اس کی خوب صورت و نرم آواز کو اپنی جانب تیرتے سن سکتا تھا۔

''دنیا قبل از وقت اخلاقی بربادی کی حالت میں ہے۔'' لیلیٰ نے آہستگی سے کہا۔ اس کے لہجے میں تنبیہ تھی۔ ''اس وقت ہمارے خلاف طاقتیں منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔ وہ ہمیں تباہ کرنا چاہتے ہیں، ہمارے لوگوں کو زمین سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اٹھو، بہنو۔ یہ تمام مسلمان خواتین کا فرض ہے کہ اٹھ کھڑی ہوں اور ایک ہراول دستہ تشکیل دے کر خود کو طاقتور بنائیں۔ میری بہنو، ہم بھی سپاہی ہیں۔''

کیا وہ خواب دیکھ رہا تھا؟

مونٹی نے ایک آنکھ کھولی۔

نہیں، سنی جاگ رہا تھا اور لیلیٰ کو دیکھ رہا تھا، جس کی آواز آسیبی ویرانی سے معمور تھی۔

مونٹی نے جنبش نہ کی، وہ دیکھ نہ سکا... وہ نہیں چاہتا تھا کہ سنی جان جائے کہ وہ جاگ رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سنی ویڈیو کو روک دے۔ وہ بس لیلیٰ کو سننا چاہتا تھا، یہ جاننا کہ وہ محفوظ تھی، یہ کہ دنیا میں کہیں وہ وجود رکھتی تھی اور شاید، شاید، اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی آواز شروع ہوئی اور پھر رک گئی، اچانک تھم گئی اور پھر شروع ہوئی... صحرا کی شب کی خنکی میں معلق۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ اُس سے قریب ہو رہا تھا۔ مونٹی کی تمنا تھی کہ کاش لیلیٰ کو معلوم ہو پاتا کہ اُس کی تلاش میں وہ کیا کچھ برداشت کر رہا تھا۔ لیکن سنی اسے کیوں دیکھ رہا تھا؟ وہ ائیر فونز بھی لگائے ہوئے نہیں تھا۔ کیا وہ مونٹی کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ اُسے دیکھ رہا تھا؟ کیا وہ اُسے کوئی پیغام دے رہا تھا؟

مونٹی کپکپا اٹھا۔ کیا سنی، لیلیٰ کو چاہتا تھا؟ کیا اسی لیے وہ اپنا ہاتھ ہوا میں شدت سے لہراتے ہوئے پیش قدمی کے لیے رضاکارانہ خدمات دینے کا اتنا مشتاق تھا، یہاں تک کہ ابو خالد نے اُس کا نام لیا تھا؟ مونٹی کو اپنے معدے کے گڑھے میں اینٹھن محسوس ہوئی۔ کیا سنی پہلے سے لیلیٰ کو جانتا تھا؟ کیا اسی لیے سنی اُس سے نفرت کرتا تھا؟

''آزادی وہ نہیں جو تم پہنتی ہو، یہ کوئی نیلی جینز نہیں۔ یہ اپنے بال دکھانا نہیں ہے۔ بہنو، کیا تم اپنے آرام کے لیے ہر شے پر سمجھوتہ کر لوگی؟ مغرب کے سحر کے جھوٹ سے خود کو آزاد کرو۔ آزادی یہ ہے۔'' لیلیٰ کی آواز تیزی سے بلند ہوئی۔ ''یہ وہ ہے جو ہم یہاں تعمیر کر رہے ہیں، یہ زوال کے خلاف، ہماری زمینوں پر قابضوں کے خلاف، اس ذلت کے خلاف لڑائی ہے جو سرمایہ داری نظام نے ہم پر مسلط کر دی ہے۔ ہم بہت سے ہیں۔ وہ چند ایک ہیں۔ وہ دن آنے والا ہے، جب ہم طاقت میں ہوں گے۔ اٹھو میری بہنو، ناقابل شکست تعداد میں محوِ خواب شیروں کی بیداری کی طرح اٹھو۔ قدم اٹھاؤ بہنو، سایوں سے تاریکی سے باہر نکلو اور لڑنے آؤ۔''

مونٹی خاموشی سے لیلیٰ کو سنتا رہا۔ اس کی آواز کا گھٹتا بڑھتا ہوا والیم، جس دوران سنی تاریکی میں پیچ وتاب کھاتا رہا۔ مونٹی نے اُس اشتعال کو سنا جو لیلیٰ کے ہر لفظ میں گونج رہا تھا اور سوچا کہ آیا لیلیٰ نے کبھی اُس سے واقعی محبت کی تھی۔

سنی

تم کہاں جاتے ہو؟ پچھلی دوراتیں تم کہاں تھے؟

پچھلے ہفتے سنی ہر رات اپالو جاتا رہا تھا۔ ہر رات چھوٹے سے سٹیج پر جہاں صرف آلوش اور اس کے لیے گنجائش تھی۔ Decks کے پیچھے آلوش اور بار سٹول پر بیٹھا اپنی ران پر دربوکہ جمائے ہوئے سنی۔

وہ ویک اینڈ پر اپنا فون گھر چھوڑ آیا تھا۔ عوز نے فون کیا تھا۔ سنی نے بہت سی کالز مس کر دی تھیں۔

''کہیں نہیں۔'' سنی مدافعانہ انداز میں بڑبڑایا۔

''کریم کہتا ہے کہ اُس نے تمہیں گلڈ ہال واک پر دیکھا تھا، صبح چھ بجے...''

''کریم، گلڈ ہال میں کیا کر رہا تھا؟'' سنی نے مداخلت کی۔ ''مجھے اس کی بکواس میں مت گھسیٹو، پتا نہیں وہ کیا چاہتا ہے...''

''وہ نماز پڑھ کر واپس آ رہا تھا۔'' عوز نے تصحیح کی۔ ''نماز، سنی۔ تمہیں یہ یاد ہے؟''

سنی ایک منٹ کے لیے خاموش ہو گیا۔ وہ سٹاربکس میں بیٹھے تھے۔ اس نے اپنی پانی کی بوتل کا ڈھکن گھمایا اور دوبارہ بند کر دیا۔ سنی نے پلاسٹک کا ڈھکن کھولا اور بند کیا۔

''تمہارے پا نے بھی مجھے فون کیا تھا، کہا کہ وہ تمہارے لیے پریشان ہیں۔ سمجھ نہیں آئی کہ تم ان دنوں کیا کر رہے تھے۔''

''وہاں کیفے میں مَیں کبھی کبھار بجاتا ہوں۔'' اس نے اپنے کزن کی جانب دیکھے بغیر کہا۔

عوز نے اپنا سر جھکایا تاکہ وہ سنی کی آنکھوں میں جھانک سکے۔ ''تم موسیقی بجاتے ہو؟''

''ہاں۔'' سنی نے اب بھی اپنے کزن کی آنکھوں میں دیکھے بغیر اپنے کندھے اچکائے۔

عوز نے اپنی بند مٹھیاں اپنی بند آنکھوں پر رکھ کر دبائیں اور اپنا سر ہلایا۔ اس نے ناک سکیڑی۔ سنی کو یوں لگا جیسا اس کا کزن اس پر ہنس رہا ہو۔ ''میں تمہاری مدد کی کوشش میں اپنا وقت کیوں برباد کر رہا ہوں جبکہ تمہیں پرواہ ہی نہیں؟'' آخرکار عوز بول اٹھا۔ ''دوسرے کئی ایک لوگ ہیں جو میری کہی

باتوں کو سنجیدگی سے لیتے ہیں، بہتر ہو کہ ان کی مدد کروں۔ اچھے خاصے سپاہی ہیں، اصلی فوجی، ہمارے مقصد کے لیے جان دینے کو تیار۔ میں اپنی کوشش تم پر کیوں ضائع کر رہا ہوں؟''

لیکن اُسے عوز کی مدد کی ضرورت تھی، سنی نے وعدہ کیا، اسے پرواہ تھی۔

یہ اس طرح سے نہیں ہوتا، عوز نے جواب دیا۔ تم نئی دنیا کے سپوت بنا چاہتے ہو؟ تم انقلابی اور عالم بنا چاہتے ہو؟ تم کوئی ایسا شخص بنا چاہتے ہو؟ تب تمہیں انتخاب کرنا ہوگا۔ یہ یا پھر وہ۔ آرام یا قربانی۔ سیکس، راک اینڈ رال یا خلوت۔ تم میں کس کے انتخاب کا حوصلہ ہے؟

قربانی، سنی نے قسم اٹھائی۔ میں خدا کا انتخاب کرتا ہوں۔ میں مستقبل کا انتخاب کرتا ہوں۔

عوز نے اپنا سٹول دھکیل کر کاؤنٹر سے پرے کیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں کچھ نہیں کرتا۔ وہ ایسی کوئی چیز سرو نہیں کرتے، وعدہ، کزن۔ میں صرف موسیقی کے لیے جاتا ہوں۔'' وہ اپنے کزن کے عقب میں بولتے ہوئے اپنی نشست سے اچھل کر کھڑا ہوا، جس کے بالوں کی سنہری بلیچ میں سے سیاہ جڑیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ''یہ صرف ایک مشغلہ ہے... یہ کچھ نہیں ہے، واقعی۔ بس وقت گزاری کا طریقہ۔''

سنی کا دل تیزی سے دھڑکا، وہ اپنی وضاحت کیوں دے رہا تھا؟ اسے کچھ بھی کہنے کی ضرورت کیوں تھی؟ یہ غلط نہیں تھا... یہ اُس کے لیے کچھ اصل تھا۔ اپالو اُس کے مستقبل کا حصہ کیوں نہ ہو سکتا تھا؟ وہاں وہ جو محسوس کرتا تھا، وہ ایک انقلابی نئی دنیا کا تصور کا حصہ کیوں نہ ہو سکتا تھا؟

لیکن عوز نہ مڑا، اُس نے بس سر جھٹک دیا۔ ''میرا خیال تھا کہ تم سنجیدہ ہو۔'' اس نے مڑے بغیر کہا۔ ''میرا خیال تھا کہ تم ایک نئی قسم کے آدمی بننے کے لیے سنجیدہ ہو۔''

لیلیٰ

لیلیٰ ٹھنڈی ریت پر گھٹنوں کے بَل بیٹھ گئی اور سی ویو پر بگلوں کو پرواز کے دوران منڈلاتے دیکھا۔ جب اس نے اپنی انگلیوں سے اپنی ناک کو چھوا تو اُسے سلفر کی بُو محسوس ہوئی۔ فاصلے پر ایک جوڑا ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے چہل قدمی کر رہا تھا۔ منہ کے اطراف میں موتیوں اور گلابی کشیدہ کاری سے سجا لمبے بالوں والا اونٹ، ریت میں سرخ نوٹ بک پر جھکی لڑکی پر کوئی توجہ نہ دیتے ہوئے گزرا۔

اپنی انگلی سے لیلیٰ نے ریت پر لکھا، کسی کے نام کے الگ الگ حروف:

L

A

Y

L

A

اُس نے خود کو رونے سے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے ان حروف کو بار بار لکھا۔ پھٹی ہوئی جینز پہنے ایک دبلے سے لڑکے نے تیزی سے بگھی چلائی، اس کے ہینڈلوں پر چمکتی سرخ لائٹ اور پتلے نقرئی گوٹے کناریوں کی لڑیاں سجی تھیں۔ اس نے ایکسلریٹر دبایا اور بگھی ساحل سمندر کی خاموشی منتشر کرتے ہوئے گرج اٹھی۔

جب وہ اپنی ماں کے پتلے سے بیڈ کی پائینتی پر کسی زخمی جانور کی طرح سکڑی سمٹی لیٹی تھی، اُس کی ماں نے اس سے سرگوشی کی، بے بی۔ زنو بیا نے شروع میں اپنے گلشن کے بیڈ روم کے فرش پر سونے پر اصرار کیا تھا۔ اس کا بدن سخت فرش کا عادی تھا۔ وہ بیڈ پر آرام محسوس نہیں کرتی تھی۔ وہ مزاحمت کی پیدائش تھی، اُس نے کہا۔ آرام جسے وہ جانتی تھی، وہ گدیلوں اور نرم تکیوں سے نہیں ملتا تھا۔ آرام اسے اپنی مڑی ہوئی کہنی پر اپنا چہرہ رکھ کر اس کی حدت سے ملتا تھا، ٹھنڈے کنکریٹ پر کولہے کی ہڈی کے چھل جانے سے ملتا تھا، یہاں تک کہ خود کو درست پوزیشن میں لے آیا جائے، زمین کے ساتھ یک جان ہونے کا تحفظ۔

لیکن زنوبیا اب سادہ بیڈ پر سوتی تھی کیوں کہ اس کے بیٹے نے اس فلیٹ کے لیے، اس آرام و آسائش اور اس نئی زندگی کی خاطر اس قدر محنت کی تھی۔ اُس نے اپنی پرانی رلی کو میٹریس کے طور پر استعمال کیا اور پتلی سی معمولی شیٹ کو چادر کے طور پر، لیکن کسی تکیے کی بجائے اُس کا ترجیحی مقام اُس کی کہنی ہی رہی۔

دبئی سے واپس پر لیلیٰ اپنے بھائی کے پیچھے خاموشی سے کھڑی رہی، جس دوران وہ ان کی ماں کے لیے ایک کے بعد ایک ڈیوٹی فری بیگ کھولتا رہا: کیڈبری چاکلیٹس، نیویا کولڈ کریم، اُس کے دکھتے ہوئے ہاتھوں کے لیے چائینز ٹائیگر بام اور پی جی ٹپس چائے۔ زنوبیا نے عارضی طور پر اپنے جوڑوں کا درد بھولتے ہوئے تالیاں بجائیں اور ان تحفوں کے لیے خدا کا شکر ادا کیا۔ اُس نے ایک مرتبہ بھی یہ نہ پوچھا کہ اس کی قیمت کیا تھی۔ اُس نے فیروز سے ایک مرتبہ بھی یہ نہ پوچھا کہ ان تحفوں کے لیے اُس نے کیا بیچا تھا۔

لیلیٰ ہر چیز سے خود کو بیمار محسوس کرتی تھی... عام سوچیں، کھانا، اُس کے بھائی کی آواز، ہوٹل کے اس شاور جیل کی ترش خوشبو جسے وہ اپنے چھوٹے سے سوٹ کیس میں ساتھ اٹھا آئی تھی۔ اپنے بالوں کو دھوئے اُسے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ ایک ہفتہ جب وہ اندھیرے شاور میں کھڑی ہوئی تھی اور اپنی خشک جلد پر بالٹی سے ہلکا گرم پانی ڈالا تھا۔ وہ اسامہ سے ملنے نہیں گئی تھی۔ وہ اب اس کا سامنا کیسے کر سکتی تھی؟ سکول سے گھر آنے پر لیلیٰ اپنی ماں کے کمرے میں گئی اور عقب میں دروازہ بند کر لیا۔ آنسوؤں اور نیند کے درمیان تیرتے وہ پتلے بیڈ کی پائینتی پر بیٹھ گئی، اپنی ماں کے، کسی کے بھی انتظار میں... جو سمجھ لے: وہ ٹھیک نہیں تھی۔

''کیا تم دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہے؟'' لیلیٰ نے ایک شام اُس کے دوبارہ اُن کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کے بعد اپنی ماں کو اپنے بڑے بھائی سے پوچھتے سنا۔

''آپ جانتی ہیں اُسے۔'' فیروز بڑبڑایا۔ اس کے منہ میں روٹی ٹھنسی ہوئی تھی۔ ''ہمیشہ کسی موڈ میں ہوتی ہے۔'' گھر آنے کے بعد سے انہوں نے آپس میں بات نہ کی تھی۔ فیروز نے اُس رات کے بعد لیلیٰ سے ایک لفظ تک نہ کہا تھا۔

''یہ تمہارے مستقبل کے لیے ہے۔'' اُن کے کراچی لوٹنے کے کئی روز بعد اُس نے اُسے ٹیکسٹ کیا تھا۔ صرف ایک سطر۔ دوسری جانب لیلیٰ نے اپنے بھائی کا پیغام پڑھا اور پھر اپنے فون پر اُس کا نمبر بلاک کر دیا۔ اپنی ماں اور بھائی کو اپنے بارے میں سرگوشی کرتے سنتے ہوئے لیلیٰ کینچلی بدلتے ہوئے سانپ کی طرح گولہ سا بن اپنی ماں کے بستر پر لیٹ گئی، منتظر۔

زنوبیا نے پہلے کبھی کیڈبری نہ کھائی تھی اور اُسے دودھیا چاکلیٹ بہت مزیدار لگی، اپنی محدود سپلائی کی راشن بندی کرتے ہوئے۔ اپنا کھانا ختم کرتے ہوئے، اُس نے اپنے دوپٹہ کے کنارے سے

اپنے ہاتھ صاف کیے، ڈیوٹی فری بیگ کھولا اور احتیاط سے چاکلیٹ کے دو ٹکڑے توڑے۔ اپنے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے زنو بیا نے چاکلیٹ کے ٹکڑے ایک ایک کر کے اپنی زبان پر رکھے؛ انہیں میٹھی ٹکیہ کی طرح چوستی رہی، یہاں تک کہ وہ پگھل گئے۔ جب وہ اپنا چہرہ اپنی بیٹی کے قریب لائی تو اس کی سانس میں کوکو کی مہک تھی جس پر لیلیٰ سمٹ گئی۔

بے بی، اس کی ماں نے سرگوشی کی، بے بی، تمہیں کیا ہوا ہے؟

لیلیٰ نے اپنا سر اپنے گھٹنوں میں جھکا لیا، اس کے بال اس کی ٹانگوں کے گرد کسی شامیانے کی طرح گرے ہوئے تھے اور ساحل سمندر پر Dune Buggy کے انجن کے اونچے شور کی آڑ میں، وہ چیختی رہی، یہاں تک کہ اس کا حلق خشک ہو گیا، یہاں تک کہ وہ سی ویو کے تاریک ساحل پر اڑتی Dune Buggy کی صرف بازگشت سن سکتی تھی۔

جب اس نے نگاہ اٹھائی تو Dune Buggy کے کھردرے ٹائروں کے نشانوں میں دفن اس کے نام کے حروف مٹ چکے تھے۔ صرف اور صرف ا بچا تھا، ایل سے لیلیٰ۔

لیلیٰ دی لائن۔

(لیلیٰ، شیرنی)۔

سنی

مونٹی اور سنی یوں ظاہر کر رہے تھے جیسے کچھ نہ ہوا تھا۔ وہ مزید کسی واقعے کے بغیر بالآخر Tel Afar پہنچ گئے تھے۔ کوئی مربیانہ لیکچر نہ تھے... مونٹی۔ کوئی جارحانہ مظاہرے نہ تھے... سنی۔ کوئی سخت الفاظ کہنا، آہ وزاری کرنا اور شکوے شکایت نہ تھے... مونٹی۔ کوئی ڈراؤنے خواب نہیں، کوئی رونا بسورنا نہیں، کوئی بیکار بے فائدہ پریشان ہونا نہیں... مونٹی، مونٹی، مونٹی۔

ایک آدمی لکڑی کا چھکڑا دھکیل رہا ہے جس پر کوئلوں پر گرم ہوتا سلور پین رکھا ہے، وہ عربی زبان میں کچھ نام پکار رہا ہے۔ وہ لڑکوں کے پاس سے پیر گھسیٹتے گزرا۔ برتن میں جو کچھ ہے، اُس کی خوشبو خوب ہے مگر سنی اتنا مایوس ہے کہ کچھ نہیں کھا سکتا۔

مونٹی چھکڑے کی طرف دوڑتا ہے۔ ''یہ مکئی ہے!'' وہ سنی کی جانب رخ کر کے یوں چلّایا جیسے اُس نے ایٹمی انشقاق دریافت کر لیا ہو مگر وہ آدمی اس کے لیے نہ رُکا۔ حتیٰ کہ مونٹی کے رقم نکال کر تھامنے اور چند بھٹے مانگنے کے باوجود، وہ اس کے قریب سے یوں گزرتا چلا گیا جیسے وہ دکھائی ہی نہ دے رہا ہو۔

Tel Afar تھا جہاں ہرکارے کو بالآخر آنا اور ان سے انٹیلی جینس معلومات لینا تھیں۔ ایک اعلیٰ سطح کا شخص موصل سے پیش قدمی کرتے آتے برادران سے ملنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ نینوا سے پہلے کسی مسئلوں کے لیے برادران کو متنبہ کرنے کا یہ آخری موقع تھا لیکن وہ تقریباً دو گھنٹے سے گرد آلود نامعلوم مقام پر کھڑے تھے اور کوئی نہیں پہنچا تھا۔ انہوں نے کونسل سٹیٹس جیسے دکھائی دیتے اپارٹمنٹ بلاکس کے سائے میں ایک افسردہ، فراموش شدہ مقام، بس ڈپو پر انتظار کیا۔ وہاں تمام بالکونیوں میں سکھانے کے لیے کپڑے لٹکے ہوئے تھے اور کھڑکیوں پر دھاتی گرل لگی تھیں۔ مونٹی ریسیور اٹھاتے اور اسے اپنے کان سے لگاتے، فون باکس کے پاس ٹہلتا رہا... محتاط کہ اپنا خوب صورت چہرہ اس سے نہ چھوئے... اور پھر اس کو واپس رکھ دیتا۔

''اب تم کیا کر رہے ہو؟''

''ڈائل ٹون چیک کر رہا ہوں بس۔'' وہ مدافعانہ انداز میں جواب دیتا ہے۔

سنی اپنا سر جھٹکتا ہے۔ ''وہ ہمیں فون نہیں کرے گا، بے وقوف۔'' کسی نکتے پر لوگ ٹوٹ جاتے ہیں اور سنی (جذباتی طور پر) خاصا ٹوٹ چکا ہے۔ وہ ایک نیا بیگ لیے ہوئے ہے: ہیرو۔ کہہ نہیں سکتے کہ یہ اس پر موزوں بیٹھتا ہے۔

سنی اپنی بیلٹ سے خنجر کھول کر نکالتا ہے اور اسے بینچ پر جمع مٹی پر پھیرتا ہے۔ وہ خنجر کی نوک سے مٹی پر کچھ شکلیں بناتا ہے۔ SJ، وہ لکھتا ہے، پھر لمحے بھر بعد اپنے نام کے ابتدائی حروف کو مٹا دیتا ہے، بہرصورت۔ یہ پوری مشق بیکار ہی محسوس ہوئی۔ وہ کیا کر رہا تھا؟ امہ تحریک میں سے کسی نے ان کی خبر رکھنے کی پروا نہ کی تھی، کسی نے اُن سے معلومات نہ لی تھیں، یوں لگتا تھا کہ کسی کو معلوم بھی نہ تھا کہ وہ یہاں تھے۔

مونٹی نے ٹہلنا بند کیا اور سنی کے سامنے کھڑا ہو گیا جو بینچ پر پتیاں بنا رہا ہے۔

''تمہارے پاس اس چیز پر کیا ہے؟'' وہ تلخی سے پوچھتا ہے۔

سنی اس کی طرف بمشکل ہی نگاہ اٹھاتا ہے۔ ''میرا خنجر؟''

''نہیں، تمہارا خنجر نہیں... تمہارا فون۔'' مونٹی کا لہجہ جھنجھلاہٹ زدہ ہے۔ ''تم ہمیشہ اسی پر کیوں مصروف ہوتے ہو؟''

''تمہیں اس سے کیا، باس؟'' حال ہی میں جب بھی سنی اپنا فون چارج کرتا، اسے Adaptor سے لگاتا اور اسی کے قریب پیٹرول پمپ یا کسی اجاڑ گارڈ پوسٹ، کسی دکان پر جہاں کہیں بھی اکڑوں بیٹھ جاتا تو اُسے یوں محسوس ہوتا جیسے اُسے اپنے فون کی مونٹی کی کریدتی نظروں سے حفاظت کرنی پڑے گی۔ اُس کا چکر لگاتے، اسے چاہتے ہوئے وہ شدت سے محسوس کر رہا ہے۔ کیوں؟

''کچھ ہے۔'' مونٹی جھکی پن سے خفگی کا اظہار کرتا ہے، اگرچہ سنی اُسے ہچکچاتے، اپنی معمولی سی بہادری کو ماپتے محسوس کرتا ہے۔ ''کچھ ہے جو تم ہمیشہ اسی پر ہوتے ہو... دن اور رات، صبح، سہ پہر، بغیر رکے چوبیس گھنٹے۔ جاننا میرا حق ہے۔''

سنی اپنے خنجر کو اپنی قمیص سے صاف کرتے، بلیڈ کو احتیاط سے پونچھتے ہوئے آہستہ سے کہتا ہے، ''نہیں۔ تمہیں کوئی حق نہیں۔''

AK کو داد دینے کے لیے وہ ایک قدم پیچھے ہٹتا ہے جو اُس نے زمین پر رکھ دی تھی... ریٹا، یوں جیسے وہ زیادہ لمبی اور پتلی ہو گئی تھی۔ مونٹی اپنے سامنے کے دانتوں کے بیچ خلا سے کھینچتے ہوئے، اپنی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے، تیزی سے سانس لے رہا ہے۔

سنی دوبارہ کنارے پر بیٹھ جاتا ہے اور دھن کو یاد کرتے ہوئے اپنی ہتھیلیوں اور انگلیوں کی پوروں کو گزرگاہ پر بجاتا ہے۔ وہ ہر روز یہ بکواس سن کر بیزار ہو چکا ہے۔ یہاں کھلے میں حالات سخت ہیں، خصوصاً عوز کی جانب سے ایک کے بعد ایک توپ کے گولے سے۔ پہلے اس کے کزن نے اُسے یہاں دھوکا دیا، پھر اُس نے اپنی بے وفائی سے سنی کو گہرا زخم لگایا۔ بعض اوقات رات کے لحات میں جب وہ سوچوں

میں گم تنہا ہوتا ہے، سنی سوچتا ہے کہ آیا یہ وہی ہے۔ کیا وہی غلط تھا، اور وہ اپالو کے آخری دن کے بارے سوچتا ہے، بہادر ہونے کا، اصلی ہونے کا وہ آخری موقع تھا۔

وہ چاقو کو اس کی دھار تیز کرنے کی خاطر زمین پر چلاتا ہے۔ اُسے "Swim Good" کی شاعری کسی الہام کی طرح یاد آتی ہے اور وہ دھیرے سے گیت گنگناتا ہے۔ اُس نے کئی ہفتوں سے فرینک کی شاعری کا نہ سوچا تھا، جب سے یہاں آیا تھا کوئی موسیقی نہ سنی تھی، کوئی ڈرم نہیں، کچھ نہیں۔ سنی کی پرانی زندگی اس کے سامنے آ گئی۔

اُس نے شیخ Awlake کے اقتباس کا سوچا جو وطن میں عوز اُسے دکھایا تھا، اس سے پہلے کہ وہ انکل تیمور پیٹھ میں چھرا گھونپنے والا غدار نکلا۔ ''جو خدا کی توہین کرتا ہے، وہ ایسے ہے جیسے کوئی سورج کی جانب دیکھے اور تھوکے... اس کی تھوک اس کے اپنے چہرے پر گرتی ہے۔''

وہ کھڑا ہو کر اپنی ٹانگیں پھیلاتا ہے۔

سنی اپنی قسمت پر زیادہ سوال نہیں اٹھاتا۔ حالات بدل جائیں گے۔ جو کچھ بھی عوز خیال کرتا ہے کہ وہ حاصل کر چکا تھا، وہ اسے کھو دے گا۔

وہ اپنا ہتھیار اسفالٹ پر رکھتا ہے اور اپنا فون کھولتا ہے، سیدھا Tumblr پر جاتا ہے۔ وہ نوٹس نہیں دیکھتا، نہ یہ دیکھنے کو کلک کرتا ہے کہ اس کے فالوورز کتنے بڑھ چکے ہیں۔ مونٹی کہیں پس منظر میں منڈلاتا ہے، سنی اُسے مزید سن نہیں پاتا۔

''میں ایک بھیڑیا ہوں مجھے کسی کی ضرورت نہیں، چاند کو دیکھ کر چلاتا ہوا صرف میں، تنہا۔ میں اس سے کچھ بنا لوں گا، مزید مہلک، مزید وحشی، مزید زبردست۔ میرے پاس وہاں زیادہ کچھ نہیں، لیکن مجھے دیکھتے رہو، مجھے اس گھر کو آگ لگا کر برباد کرتے اور راکھ سے ابھرتے ہوئے دیکھو، اُس سادہ سی طاقت کے بل پر: ایمان۔''

مونٹی

مونٹی اپنے تعلق کے چھے مہینے مکمل ہونے کی یاد میں لیلیٰ کو Okra لے جانا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے باپ سے فون کرنے اور یہ یقین دہانی حاصل کرنے کی خاطر کہا کہ انہیں بہترین میز ملے، دروازے کے ساتھ پہلی میز جسے چھوٹے سے ریستوران میں داخل ہونے والا کوئی بھی سب سے پہلے دیکھے۔ لیلیٰ وہاں پہلے کبھی نہ گئی تھی۔ اُسے یہ بہت پسند آتا۔ مونٹی نے وہاں جاتے ہوئے اُسے Molten چاکلیٹ لاوا کیک کے بارے سب کچھ بتایا۔ بہت پسند آئے گا، اُس نے وعدہ کیا... ہر کسی کو پسند آتا تھا۔

''صاحب۔'' تانو نے مونٹی کا دروازہ کھولا۔ ''کیا ہم کھانے کے لیے جاسکتے ہیں؟''

نو بج کر پینتالیس منٹ تھے، واحد میز جو مونٹی حاصل کرسکا، Okra کے maître d کی جانب سے اس مزید وعدہ کے ساتھ کہ وہ گیارہ بجے تک چلے جائیں گے۔

تانو ساڑھے آٹھ بجے سے اُس کے ساتھ تھا۔ مونٹی نے گھڑی دیکھی، وہ سٹریٹ میں کھڑے ہونا اور اپنے قیمتی ڈنر ٹائم کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ''نہیں۔'' اُس نے تانو اور پولیس افسر کو عقب سے پکارتے جواب دیا جب وہ لیلیٰ کی نیچی سیڑھیوں پر رہنمائی کررہا تھا، ''انتظار کرو بس۔'' لیلیٰ کو دروازے پر سائن دکھاتے ہوئے: نو سگار، نو ڈرگز، کوئی ہتھیار نہیں، مونٹی کو تانو کے افسردہ چہرے کی جھلک سی دکھائی دی۔ مونٹی کو اپنی آنکھوں کے گوشے سے کسی چیز کی جھلملاہٹ سی دکھائی دی... مایوسی؟ یا کچھ بڑھ کر؟ حتیٰ کہ تنفر۔

ان کی دروازے کی برابر والی میز کے برابر چار مرد بیٹھے تھے جو کیوبن سگار پی رہے تھے اور ہر دس منٹ بعد ایک کے بعد ایک جام ٹکرا رہے تھے۔ مونٹی نے ایک نسبتاً کم عمر دکھائی دیتے انکل کو پہچان لیا، وہ کبھی کبھار کلب میں پاپا کے ساتھ ٹینس کھیلا کرتا تھا۔ اس نے سر ہلا کر مونٹی کو ہیلو کہا اور لیلیٰ کو دیکھ کر اُسے آنکھ ماری۔ مونٹی نے نوٹس کیا کہ انکل نے لیلیٰ کو چند سکینڈ دیر تک دیکھا تھا۔

اوپر چھوٹی سی بالکنی کی نشست گاہ میں، بچوں والی ایک فیملی نے Okra کے سکون کو درہم برہم کیا سپیکر پر بجتے Harry Belafonte کو کوئی بہ مشکل ہی سن سکتا تھا جبکہ ایک ننھا بچہ لگاتار روئے چلا جارہا تھا

اور دو چیختے ہوئے بچے سیڑھیوں کے جنگلے پر سے چلاتے ہوئے مبہم دھمکیاں جاری کر رہے تھے۔ ڈائننگ روم کا ہیڈ ویٹر کارلوس بے بس کھڑا تھا، کوئی مداخلت کرنے کے نا قابل۔

ان کے مہنگے کھانے... سرخ Snapper جو منہ میں ڈالتے ہی گھل جاتی تھی، اس قدر نرم Wagyu، جس کے خون میں لہسن اور Sage شامل تھی... کے دوران، لیلیٰ نے سٹریٹ کی طرف کھلتی سٹین گلاس کھڑکیوں پر نگاہ جمائے رکھی۔

''فکر مت کرو۔'' مونٹی نے ان کی نیلی چوبی میز پر آگے جھکتے اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے کہا، ''اس کے پار کوئی بھی تمہیں نہیں دیکھ سکتا۔'' لیکن لیلیٰ کچھ نہ بولی۔ اس نے اپنی جلد کو یوں مسلتے ہوئے اپنا ہاتھ کھینچ کر مونٹی کے ہاتھوں سے نکال لیا، جیسے اُس نے اُسے تکلیف پہنچائی ہو۔ اس نے بہ مشکل ہی کچھ کھاتے ہوئے اپنی نگاہیں ثابت قدمی سے نیلے اور پیلے شیشے پر جمائے رکھیں۔ وہ Snapper کو اپنے کانٹے سے پلیٹ میں گھماتی رہی جو اس نے اپنی ہتھیلی میں کسی آئس پک کی طرح، بے آرامی سے تھام رکھا تھا۔ وہ سفید گوشت کو چیرتے ہوئے اسے بے مہری سے مچھلی تک لائی۔ مونٹی نے سوچا کہ آیا لیلیٰ ہاتھ سے کھانے کو ترجیح دیتی مگر اس کا مشورہ نہ دیا۔ یہ عجیب دکھائی دیتا خصوصاً جبکہ پاپا کے دوست قریب ہی بیٹھے تھے۔

اس نے پوری شام انکل کو لیلیٰ کو گھورتے دیکھا، تقریباً یوں جیسے وہ اُسے جانتے تھے اور اُس سے نظریں ملانا چاہتے تھے۔ دوسری جانب لیلیٰ انہیں نظر انداز کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

لیلیٰ نے ہولے سے سرخ وائن کی چسکی لی جو مونٹی ہیرڈز کے کیریئر بیگ میں اندر سمگل کر لایا تھا۔ یہ واحد شے تھی جو اُس نے 3000 روپے فی فرد والے ریستوران میں لی تھی اور پھر بھی درآمد شدہ Jacob's Creek Merlot اس کے موڈ کو تبدیل کرنے کے لیے کم ہی کچھ کر پائی تھی۔

''چلو چلیں۔'' اس سے پہلے کہ مونٹی Molten کیک آرڈر کر پاتا، اُس نے کہا۔

''لیکن چاکلیٹ لاوا؟'' اُس نے ویٹر کو بلانے کے لیے رخ بدلا مگر لیلیٰ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں جانا چاہتی ہوں۔''

جب ویٹر آیا تو لیلیٰ نے اس کھانے کی طرف اشارہ کیا جسے اُس نے چھوا بھی نہیں تھا۔ ''اس سب کو پیک کر دیں، پلیز۔'' اُس نے اُسے روٹی کی باسکٹ اور نمک اور سرکے کے ساتھ پیش کی گئی تازہ سبزیوں کا پیالہ تھماتے ہوئے کہا۔ ''کیا مجھے پانی کی بڑی بوتل مل سکتی ہے؟'' اُس نے ویٹر سے پوچھا، ''روم ٹمپریچر؟''

مونٹی اُسے یہ الفاظ استعمال کرتے دیکھ کر حیران ہوا، اگرچہ اسے اب نشاندہی کرنی تھی کہ یہاں وہ یوں کام نہ کرتے تھے۔ اس نے لیلیٰ سے یہ نرمی سے کہا، خجل۔ اُس نے کبھی کسی کو ساتھ لے جانے کے لیے ڈرنکس آرڈر کرتے نہ دیکھا تھا۔ ''یہ میک ڈونلڈز نہیں ہے، لیلیٰ۔''

لیکن لیلیٰ نے اسے نظر انداز کیا اور اس کے الفاظ پر دھیرے سے جھرجھری لیتے اُس سے پرے ہٹ گئی۔

جب اُن کا بچے ہوئے کھانے والا بیگ فلزی ورق میں لپیٹا ہوا لایا گیا تو لیلیٰ نے مونٹی کے بل ادا کرنے کا انتظار کرنے کی پرواہ نہ کی اور گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ مونٹی نے کریڈٹ کارڈ سے ادائیگی کی اور کارلوس کا شکریہ ادا کیا۔ ابھی صرف ساڑھے دس بجے تھے۔

7200 روپے خرچ کر کے اس نے باہر قدم رکھا اور سانس روک لی۔ وہاں لیلیٰ کھڑی تھی، اس کے اَن پڑھ پٹھان ڈرائیور کو فوائل ہٹا کر بیان کرتی ہوئی کہ Wagyu صرف گوشت تھا اور یہ کہ مچھلی میں کوئی تیل نہ تھا لیکن یہ لوگ یہی کچھ پسند کرتے تھے۔ تانو اور آف ڈیوٹی پولیس والا جو فرنٹ سیٹ پر اپنی گن کو اپنی ٹانگوں کے بیچ چلنے والی چھڑی کی طرح رکھے ہوئے تھا اور جس کا نام مونٹی کو ابھی تک معلوم نہ ہو پایا تھا، دونوں نے اپنے سر جھکائے اور لیلیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ سیڑھیوں کے اوپر کھڑا مونٹی خاموشی سے دیکھتا رہا۔

لیلیٰ نے واپس سکول جاتے ہوئے مونٹی سے ایک لفظ تک نہ کہا جہاں سے وہ گھر جانے کے لیے رکشہ لیتی۔

لیلیٰ نے اس رات اُس کی کالز کا کوئی جواب نہ دیا، نہ اگلی صبح اس کے پیغامات کا۔

آخر کار خاموشی کے معمول کے دورانیے کے بعد، لیلیٰ نے مونٹی کو فون کیا۔ رات دو بجے تھے۔

''میں سو نہیں پائی۔''

''میں بھی۔''

وہ لمحے بھر کو خاموش رہی۔ اور پھر، ''تمہارا کیا خیال ہے، ہم ساتھ چل پائیں گے، مونٹی؟''

مونٹی نے اپنی سانس روک لی۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''میرا مطلب ہے کہ ہم۔ تمہارا خیال ہے کہ ہم چل پائیں گے ساتھ؟''

بالکل، بالکل، بالکل۔ لیکن اُس نے یہ صرف ایک مرتبہ کہا اور احتیاط سے کہا تا کہ وہ اس کا یقین کر لے۔

''تمہارا ایسا خیال ہے؟'' لیلیٰ نے پوچھا۔ مونٹی اسے ہچکچاتے محسوس کر سکتا تھا۔

''میں تمہاری حفاظت کی خاطر ہمیشہ یہاں حاضر رہوں گا۔'' مونٹی نے اُس رات اُسے فون پر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

لیلیٰ ہنس دی۔ ''تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ مجھے حفاظت کی ضرورت ہے؟''

مونٹی اُس کے خود کو مضبوط دکھانے کا عادی تھا، اُس نے دیکھا کہ اس نے کیسے اپنی نگہداری کی، کتنی شدت سے اُس نے اپنی Space کا دفاع کیا۔ وہ حال ہی میں اس قدر خفا، اس قدر الگ تھلگ ہو گئی

تھی۔لیکن وہ زد پر تھی، اُس نے یہ جان لیا۔''میرا فرض ہے تمہاری حفاظت کرنا۔'' اُس نے جواب دیا۔

''مونٹی۔'' لیلیٰ نے اپنے لہجے میں ایک واضح سرد مہری کے ساتھ جواب دیا، ''تم آخری شخص ہو جس کی مجھے اپنی حفاظت کے لیے ضرورت ہو گی۔''

اُس نے فوری طور پر اُس کے لفظوں کے زہر کو محسوس کیا۔اُس نے بس یہی کیا تھا کہ اُس کا خیال رکھا تھا، وہ اس قدر برہم کیوں تھی؟

''یقیناً میرا خیال ہے کہ ہم ساتھ چل پائیں گے۔'' اُسے گفتگو کا یہ رنگ پسند نہ آیا، اُسے یہ بالکل پسند نہ آیا۔ ''تمہیں نہیں لگتا؟''

لیلیٰ خاموش تھی۔مونٹی نے فون کو سختی کے ساتھ کان سے لگایا اور لیلیٰ کے بولنے کا انتظار کیا۔ پہلے اسے لگا کہ وہ لائن کے دوسرے سرے پر سرسراہٹ سن سکتا تھا۔ پہلے تو مونٹی کو یوں لگا جیسے وہ رو رہی تھی۔لیکن وہ صرف سگریٹ سلگا رہی تھی۔

''نہیں۔'' لیلیٰ نے سانس خارج کی۔''میرا ایسا خیال نہیں، مونٹی۔''

مونٹی کے خوابوں میں صرف لیلیٰ تھی۔

لیلیٰ، لیلیٰ، لیلیٰ۔

آؤ، وہ خاموش دریا کے کنارے کھڑی تھی، جب مونٹی نے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

مونٹی پانی میں کھڑا تھا جس کا سرد بہاؤ اُس کی ٹانگوں سے لپٹ رہا تھا۔

لیلیٰ، اُس نے نرمی سے، محبت سے اشارہ کیا، چلو چلیں۔

لیکن لیلیٰ کی نگاہیں خالی اور اٹل تھیں جب وہ اس کے عقب میں جنگل میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔وہ کائی سے اٹے پتھروں سے پرے، دریا کنارے سے دُور ہٹ گئی۔

یوں جیسے دریا کا بہاؤ انہیں جدا کر رہا تھا۔مونٹی کو محسوس ہوا کہ لیلیٰ اُس سے پیچھے ہٹ رہی تھی۔ اُس نے اُس کے پیر زمین سے اٹھتے دیکھے اور اس کا جسم دھیرے سے پیچھے گر گیا، تاریک سایوں میں۔

لیلیٰ؟ مونٹی نے اپنی محبوبہ کو پکارا لیکن وہ اُسے کوئی جواب نہ دیتی۔

اس نے اس کی جانب قدم بڑھایا مگر خوف سے جم کر رہ گیا اور جب وہ متزلزل ہوا، اُس کا پاؤں پانی کے اوپر منڈلا رہا تھا، تب تاریکی میں سے ایک شکل نمودار ہوئی۔

سنی۔

لیلیٰ نے سنی کی جانب گرتے اور اُسے خود کو تھامنے کی اجازت دیتے ہوئے، اپنا سر اس کے چوڑے شانے پر رکھتے ہوئے، اپنا آپ اُس کے حوالے کر دیا۔

سنی، لیلیٰ نے زیرلب کہا، اُس کے ہونٹ سنی کے کان سے مَس ہو رہے تھے۔سنی، میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔

لیلیٰ

''تم جانتی ہو، تم کون ہو؟''

''کون؟''

''تم کوئی نہیں ہو۔'' اسامہ نے انتظار کیا کہ وہ سمجھ جائے۔ لیکن اُس نے اُس کی نگاہوں کو جھکتے دیکھا، اُس نے اُسے اپنے پیروں کو دیکھتے پایا، کچھ غلط سمجھتے ہوئے۔ یہ کہ لوگ ٹھیک کہتے تھے، یہ کہ اس پُررونق، پُرہجوم شہر میں اُس کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ یہ کہ اس کے ہونے سے کسی کی زندگیوں میں کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔

''تم کوئی نہیں ہو، میری شیرنی... تم ہر کوئی ہو۔''

''ہر کوئی؟''

ہاں، اس نے سر ہلایا۔ ''تم بات کو سمجھی ہو، لیلیٰ؟ تم وجود نہیں رکھتی ہو۔ پھر بھی تم، ساری دنیا کا لب لباب ہو۔''

لیلیٰ نے اسامہ کو بتایا کہ کیسے وہ کلفٹن کے بڑے سے گھر کے لانڈری روم میں چھپ جایا کرتی تھی۔ کیسے اُس کی ماں ایک طاقتور شخص کی بیوی کا مساج کیا کرتی تھی۔ اور کیسے بچپن میں اُس نے کچن کوارٹرز میں سیڑھیاں تلاش کی تھیں جو گھر کے مرکزی حصہ تک جاتی تھیں، جنہیں کوئی نہ دیکھ سکتا تھا کیوں کہ وہ ملازمین کے لیے ڈیزائن کی گئی تھیں تا کہ وہ خاندان کے لوگوں کو تنگ کیے بغیر رہائشی حصوں میں آ جا سکیں جو اتنے خوب صورت اور صاف ستھرے تھے۔ ان کے گھر سے ڈبل روٹی کی مہک آتی تھی، لیلیٰ نے الفاظ کے ساتھ بلند ہوتی ہوئی آواز میں اسامہ کو بتایا، گرم، تازہ بنی ہوئی، سلائس شدہ وائٹ بریڈ جیسی۔

اُن کے اُسے نوٹس کرنے سے قبل اُس نے ایک لمبا عرصہ انہیں چوری چھپے دیکھا تھا۔ اُن برسوں میں جب زنوبیا ہر دوسری اتوار کو چھٹی کرنے لگی تھی، لیلیٰ خوب صورت کلفٹن ہاؤس میں اتنا اکثر و بیشتر نہ گئی تھی جتنا وہ چاہتی تھی۔ اپنے آخری چکر میں وہ لانڈری روم کے دروازے کے پیچھے چھپ گئی، یوں جیسے وہ کبھی نہ گئی تھی۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ لیلیٰ چھت کے پنکھے سے لٹکتی کسی چھپکلی کی طرح وہیں تھی، انہیں شبہ تک نہ

ہوا تھا کہ وہاں کوئی مخلوق تھی، ان کی فضا میں سانس لیتی، ان کے رازوں کو سنتی، ان کی سی زندگی چاہنے والی مخلوق۔ لیکن جب خاندان... خوش قسمت خاندان... اتنے پیارے کہ وہ لیلیٰ کو ٹیلی ویژن کے تقدس کی حقیقی تجسیم لگتے تھے، کہ وہ اس کے پسندیدہ ڈراموں کی حقیقی دنیا میں آسائش واطمینان اور پُرامیدی کی ترجمانی کرتے تھے... تو جب اس خوش قسمت خاندان نے لیلیٰ کو لانڈری روم سے جھانکتے دیکھا، تو انہوں نے کسی باہمی رحم دلی یا مسحور ہونے سے اس کا خیر مقدم نہ کیا۔

بیٹا، جواب گول مٹول سا ٹین ایجر تھا جس کے اوپری ہونٹ پر بے پروائی سے ہلکا سا روواں آ رہا تھا، اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، یوں جیسے لیلیٰ کوئی چورنی تھی۔ اوہ میرے خدایا... اُس نے اپنی ویڈیو گیم پر ایک بٹن دباتے ہوئے کہا جس نے دوڑتی ہوئی گاڑی کی آواز کو تیز بجتی موسیقی سے بدل دیا۔ یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟

السلام علیکم، لیلیٰ نے یہ سوچ کر پورا دروازہ کھولتے ہوئے کہا کہ رحیم شاید اُسے اپنے گرم اور خوب صورت گھر میں اپنے ساتھ بیٹھنے کا کہے۔ وہ اپنا تعارف کروانا اور بالآخر اُسے اپنا نام بتانا چاہتی تھی۔ خود اُس کا نام تو وہ پہلے ہی جانتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ گاڑیوں والی یہ گیم اُس کی پسندیدہ تھی اور یہ کہ پچھلے کچھ مہینوں میں اُس نے اپنی ریموٹ ڈرائیونگ بہتر کر لی تھی۔ لیکن رحیم نے جواب بچہ نہیں تھا، اپنا ریموٹ اُس کی جانب لہرایا۔ جاؤ، دروازہ بند کرو۔

لیلیٰ جم کر رہ گئی، بے یقین کہ اُس کا کیا مطلب تھا۔ اندر آؤ اور دروازہ بند کرو؟ اس نے لڑکے پر نظریں جمائے بڑی جرأت سے اندر قدم رکھ دیا۔ لیکن وہ پہلے ہی اس کی جانب سے رخ موڑ چکا تھا۔ ریما! اس نے اپنی بڑی بہن کو پکارا، اس کی آنکھیں خالی الذہنی سے ٹی وی سے چپکی ہوئی تھیں۔ یہ غریب لڑکی پھر یہاں آگئی ہے۔ کیا تم اسے یہاں سے بھیج سکتی ہو؟

وہ جان چکے تھا کہ وہ ہمیشہ وہاں ہوتی تھی۔ لیلیٰ نے اسامہ کو بتایا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ جانتے نہ تھے، وہ جانتے تھے اور وہ اسے وہاں دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کی نامہربانی سے بڑھ کر، ان کے اکھڑ پن سے بڑھ کر، اس سرد مہر جانکاری نے اُسے تکلیف پہنچائی تھی۔

''میں جانا چاہتی ہوں۔'' لیلیٰ نے اپنی ہتھیلیوں کا نچلا حصہ اپنی آنکھوں سے مسلا، اس کا بدن یاد سے جل رہا تھا۔ ''میں یہاں سے چلی جانا چاہتی ہوں، میں اس زندگی میں مزید ایک دن بھی نہیں گزارنا چاہتی۔ میں اس میں سے کچھ بھی یاد نہیں کرنا چاہتی۔ کچھ بھی نہیں، ایک دن بھی نہیں۔'' اس نے الفاظ پر اپنی زبان کو گھسیٹا یوں جیسے ان پر زور دینے سے وہ کسی طور سچ ہو جائیں گے۔

لیلیٰ کو وہی بتانے کے لیے اتنے مہربان اسامہ نے ہمدردی سے سنا تھا، وہی جو اس نے اتنے مہینے پہلے کہا تھا۔ کسی بھی اور نام کے ساتھ انیتا روز اتنی ہی اداس، اتنی ہی تنہا تھی۔ اس نے خاموشی سے اندازہ قائم کیا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا: انیتا روز، مس جوزف۔ میری بات سنو۔ میں ہمیشہ یہاں نہیں رہوں گا۔

تم کب وہ بات سنو گی جو میں تمہیں سکھانے کی کوشش کرتا آیا ہوں؟

لیکن لیلیٰ نے لفظوں کو محسوس کیا، اس نے ان کے درمیان سفر کرتے انتباہ کو محسوس کیا؛ چاہے اسامہ نے اپنا سر جھٹکا اور اُسے بتایا کہ فرار حل نہ تھا۔

اُس یہاں آنے کے لیے بہت حوصلہ کرنا پڑا تھا، جو کچھ وہ کر چکی تھی اُس کے بعد اپنے کامریڈ کے پاس واپس لوٹنا۔ اس سب کے بعد جو کچھ ہو چکا تھا۔ فیروز واپس دبئی جانا چاہتا تھا اور اپنی بہن سے پوچھا تھا کہ آیا وہ بھی چل سکتی تھی۔ اُس کے کلائنٹس لیلیٰ سے واقعی ملنا چاہتے تھے، اُس نے کہا تھا کہ اس مرتبہ تو وہ اسے بزنس کلاس میں لے جائے گا۔ لیکن لیلیٰ نے اُسے فریب دیا، اُس کے امتحان تھے، اُس نے جھوٹ بولا، وہ نہیں جا سکتی تھی۔ مگر فیروز مصر تھا۔

''تم کہاں جاؤ گی؟''

''اس سے فرق نہیں پڑتا، کہیں بھی۔''

''کیوں۔''

''کیوں کہ میں غم زدہ ہوں... گھر کے لیے نہیں۔ کسی کے لیے نہیں۔ کسی انسان کے لیے نہیں۔ نئی دنیا کے وعدے کے لیے غم زدہ۔''

''ارے واہ، کوئی تو اب شاعر بن گیا ہے۔''

لیلیٰ نہیں ہنسی۔ اسامہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا دیکھ چکی تھی، اُسے کچھ علم نہ تھا کہ وہ کس حالات سے گزری تھی۔

''میں سنجیدہ ہوں، کامریڈ۔''

''میں بھی۔ کیا سٹائل ہے!''

''ایک ہزار کلومیٹر، پانچ سو، تین: وہ قدم ہیں۔ سنا آپ نے؟ میں جاؤں گی۔ مجھے پرواہ نہیں کہ کہاں۔ میں یہاں مزید نہیں رہ سکتی۔ میں اس طرح نہیں جی سکتی... ہمیشہ کنکھیوں سے دیکھتی ہوئی، بغیر کسی تحفظ کے، ہر شے کے لیے دوسروں پر انحصار کرتے ہوئے۔''

''انیتا، تم یہیں رہو...''

''لیلیٰ، مجھے لیلیٰ کہیں۔''

یہ نام اُسے بیزار کرتا تھا، لیکن وہ پھر بھی اس سے وابستہ تھی۔ یہ کوئی اور شخص تھی، یہ سب... سب کچھ جو کبھی ہوا تھا... کسی اور سے متعلق تھا، اُس سے نہیں۔

''لیلیٰ روز، انیتا یوسف، میڈم: یہیں رُکو اور لڑو۔ تمہارے لیے یہ انتخاب نہیں ہے کہ تم چلی جاؤ، یہاں تمہاری جنگ پہلے ہی شروع ہو چکی ہے۔ اب بہادر بنو، یہیں رہو اور باقی ہم سب کی طرح اسے مکمل ہوتے دیکھو۔''

لیلیٰ نے اپنا سر جھٹک دیا،نہیں۔مزید نہیں۔''میں سر کے بل چلوں گی۔''

اسامہ نے اس کی برہمی پر ہاتھ ہلا دیا، گرمیوں میں ڈینگی مچھروں کی طرح کچلتے ہوئے۔''ہم جیسے لوگ، شیرنی۔'' اُس نے اپنی انگلیوں کے نشانوں سے داغ دار اپنے گلاس سے چسکی لی۔''خواب توڑ دیتے ہیں۔'' لیلیٰ نے نوٹس کیا کہ اسامہ ان دنوں اُسے اس کے نئے نام سے گریز کرتے ہوئے زیادہ تر شیرنی کہنے لگا تھا۔ وہ اسے انیتا کے نام سے ہی پکارتا رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے اس نام پر جواب دینا بند کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ اب بھی اس نے اس کا نام لینا پسند نہ کیا۔ جب اُسے یہ استعمال کرنا ہوتا، تو یہ ہمیشہ ناپسندیدگی سے بوجھل ہوتا۔ لیلیٰ... مایوسی سے لدا ہوا۔ لیلیٰ... ہمیشہ کسی آہ کے آخر میں ادا کیا گیا۔ لیکن اب وہ جانتی تھی کہ وہ پہلی شیر نہ تھی، وہ سب سے خاص نہ تھی، وہ حتیٰ کہ اصلی شیر بھی نہ تھی، اور اس سکینڈ ہینڈ عرفیت کو سننا اُسے کچھ زخمی کر دیتا تھا۔

اسامہ نے گلاس کو دوبارہ ذرا جھکایا اور سارا انقرئی مائع پی گیا۔

''ہم خواب توڑ دیتے ہیں میری شیرنی، یا پھر ہم خوابوں کے ہاتھوں توڑے جاتے ہیں۔''

''میں چلی جاؤں گی۔'' لیلیٰ نے اصرار کیا۔''سمندر مجھے کچھ فاصلے تک لے جائے گا، بالضرور۔ یہ مجھے اس لیے نہیں لے جائے گا کہ یہ ایسا کرنا چاہتا ہے، محبت کے باعث بھی نہیں، یہ مجھے اس لیے لے جائے کیوں کہ اسے ایسا کرنا ہی ہوگا۔ میں اس کے پانیوں میں داخل ہوں گی اور غرق نہیں ہوں گی۔ میں کسی سمندری جڑی بوٹی کی طرح اس کے پانیوں سے گزروں گی، اس کی نمک سے معمور اور سورج سے جھلسی ہوئی جھاگ اور برہم موجوں پر بیزاری سے تیرتی ہوئی۔ ٹرک، لاریاں، ٹینکرز۔ کچھ فاصلہ میں طے کروں گی، کچھ کروایا جائے گا... کسی اچھی سی گاڑی میں نہیں۔ اُس قسم کے چمڑے والی گاڑی نہیں جس سے مردوں کے کولون، تمباکو یا مہنگے سگریٹوں کی خوشبو آتی ہے، بلکہ اس قسم کی جیسے یہاں ہمارے پاس ہیں: ٹوٹی سیٹوں والی، پسینے کی بُو والی، انجن سے لیک ہوتا آئل اور مائع اور برباد شدہ...''

''لیلیٰ۔'' اسامہ نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مداخلت کی۔''رک جاؤ۔ کلفٹن ہاؤس کی اُس فیملی جیسے لوگ، وہ پوری طرح سے خوف بھری زندگیاں گزارتے ہیں۔'' اُس نے وضاحت کی،''وہ اپنی کمزور ذات کے گرد قلعے تعمیر کر لیتے ہیں۔ کیا تم یہ دیکھ سکتی ہو؟ کیا تم دیکھ سکتی ہو کہ کیسے انہیں دہشت زدہ کر دوں گی؟''

''میں کیسے کسی کو دہشت زدہ کر سکتی ہوں؟''

''کیوں کہ تمہارے پاس، ان کے برعکس، کوئی اپنی ذات (شخصیت) نہیں۔ تم ایک ہی وقت میں سب کچھ اور کچھ بھی نہیں ہو۔ تم دنیا سے غیر مرئی، نادیدہ طور پر گزرتی ہو۔''

لیلیٰ کو یقین نہ تھا کہ یہ سچ تھا۔

''تو؟''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری کوئی قیمت نہیں... تمہارے پاس حفاظت کرنے یا کھونے کو کچھ نہیں۔''

''یہ خوف انگیز کیوں ہے؟''

''اوہ میری شیرنی، یہ حقیقت میں دہشت انگیز خصوصیت ہے۔''

مونٹی

Espresso میں درمیان میں حائل سمندروں کے فاصلے پر مونٹی اور لیلیٰ بیٹھے تھے۔ کافی شاپ والے آیاؤں یا ملازموں کو اپنی چمک دار میزوں پر بیٹھنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور مونٹی نے جب اپنے ارد گرد نظر دوڑائی تو اُسے اپنی ہی نقول نظر آئیں، بالوں پر جیل لگائے خوش لباس لڑکے ان کی میزوں کو سجائے سگریٹ اور سمارٹ فونز۔

''لیلیٰ!'' مونٹی نے پوچھا، ''سب ٹھیک ہے؟''

لیکن لیلیٰ نے کمرے کو نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ وہ اپنی سرخ نوٹ بک تھامے ہوئے تھی، اس کی انگلیاں اس کے صفحات کے درمیان تھیں۔ اُس کی آنکھیں متورم اور سرخ تھیں، یوں جیسے وہ روتی رہی ہو۔ حتیٰ کہ کافی شاپ کی بے نور روشنی میں بھی مونٹی سرخ سرورق کو چمکتے دیکھ سکتا تھا، ہر مرتبہ جب لیلیٰ اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتی تو روشنی کی ایک پھوار اٹھتی۔ اس نے پین اپنے ہونٹوں پر رکھ کر دبایا اور خاموشی سے نوٹ بک میں لکھنے لگی۔

جب دن میں کئی مرتبہ اُس نے لیلیٰ کو فون کیا تو اُس نے جواب نہ دیا۔ اُس نے کہا، اُس کے دادا بیمار تھے۔ وہ اُن کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ کیا وہ اکیلے ہیں؟ مونٹی نے پوچھا، ایک سوال جو صرف تشویش کے باعث تشکیل پایا تھا، لیکن لیلیٰ کو پھر بھی غصہ آ گیا۔ نہیں، اس نے تڑخ کر کہا۔ وہ اکیلے نہیں۔

''لیلیٰ؟''

کوئی جواب نہیں۔

''کیا تم پریشان ہو؟''

لیکن پھر لیلیٰ نے اپنی نوٹ بک سے نظر اٹھائی اور تھکن کے ساتھ اس کو جواب دیا۔ ''مونٹی۔'' اُس نے آہ بھری۔ ''کیا تمہیں ہر بات کا جواب چاہیے؟ ہر وقت؟''

جب وہ باتھ روم جانے کے لیے کھڑا ہوا، لیلیٰ کی کرسی کے عقب سے سکڑ کر گزرتے اُس نے اُس کے شانے پر سے دیکھا۔ لیلیٰ، شیرنی۔ بس یہی الفاظ تھے جو اُس کی خفیہ نوٹ بک کے پہلے صفحے پر

درج تھے، جنہیں وہ چوری چھپے دیکھ پایا۔ اس کے نیچے مٹی مٹی سی تحریر میں، اُس نے لکھا اور مٹا دیا تھا... اور مٹایا تھا اور مٹایا تھا، اگرچہ ان الفاظ کی بازگشت باقی تھی: میں ایک شیرنی ہوں۔

واپس آتے ہوئے مونٹی نے دیکھا کہ لیلیٰ نے اپنے پیر اخروٹ کی لکڑی کی میز پر رکھتے ہوئے، اپنی نوٹ بک کو اپنے بدن کے مزید قریب کھینچتے ہوئے اپنے گھٹنے اٹھا لیے تھے تاکہ چھوٹے سے کیفے میں کوئی دیکھ نہ پائے کہ وہ کیا لکھ رہی تھی۔ اُس نے اپنی برف زدہ Affogato لی، جس کے نچلے حصے میں چاکلیٹ ساس تھی اور اپنے ٹوٹے ہوئے سٹرا سے پینے لگا۔

مونٹی، لیلیٰ کو خود سے دُور ہوتے محسوس کر سکتا تھا، حتیٰ کہ سکول کے بعد بھی جب وہ اُسے سیڑھیوں کے نیچے تاریک جگہ لے جاتی، یا ان کے سکول کی راہداریوں میں اس کا ہاتھ تھام کر اسے بتاتی کہ اسے کیسے چھوئے، مونٹی کو قریب لا کر اُس کے کان میں آہستگی سے کچھ کہتے ہوئے، لیکن پھر خاموش ہوتے ہوئے، اس کی نگاہیں کہیں دور ہوتیں، خیالوں میں، جب مونٹی اپنا ہاتھ اس کی جینز تک لے جاتا، بالکل جیسے اس نے سکھایا تھا۔ لیلیٰ، وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتا، کیا تمھیں یہ پسند ہے؟ لیکن لیلیٰ جس کا بدن اُس کے لمس پر تناؤ میں آ جاتا تھا، خاموش اور بیگانہ رہتی۔ مونٹی اس سے آگے کبھی نہ بڑھ پایا کہ وہ لیلیٰ سے خائف اور جیسے اُس کے ہاتھوں نامرد تھا۔

اُس ہفتے بالآخر اُن کے تعلق کے چھ مہینے کی یاد میں مونٹی سکول میں پھول لایا تھا۔ اُس نے عطر سے معطر گل دستہ، خوشبو جس کی پتیوں پر چمک رہی تھی، لنچ کے وقت تک اپنے لاکر میں چھپائے رکھا۔ اس کے بعد کئی ہفتوں تک اُس کی سب کتابوں سے گلابوں کی بیزار کن سڑی ہوئی بُو آتی رہتی۔ یہ لیلیٰ اور اُسے خوش کرنے کی اُس کی قابلیت کی یاد دلاتے ہوئے مونٹی کی چیزوں سے چمٹ جاتی۔

اس صبح سکول آتے ہوئے بوٹ بیسن سے خریدے گئے پھول وہ دوپہر کو لاؤنج میں لایا لیکن اُسے ٹی وی یا کاؤنٹر کے سامنے لیلیٰ نہ ملی۔ اس نے نرس کے دفتر پر دستک دی، مگر لیلیٰ وہاں بھی نہ تھی۔ وہ سائیکولوجی روم کے عقب میں سیڑھیوں کے نیچے بھی نہ تھی، نہ ہی فٹ بال فیلڈ میں۔ گلاب گرمی سے مرجھا رہے تھے اور خالی پارکنگ لاٹ میں کھڑا مونٹی ان کی خوشبو سے خود کو تقریباً بیمار محسوس کر رہا تھا، جب اُسے ادراک ہوا کہ لائبریری میں تو اُس نے دیکھا ہی نہیں۔

اس نے چوبی دروازوں کو دھکیل کر کھولا جو اُس کے عقب میں چرچرائے۔ ساتویں گریڈ والے بغیر دوستوں والوں کا ایک گروپ، جو اپنی عدم مقبولیت کو چھپانے کے لیے بزنس سوسائٹی کی آڑ استعمال کرتے تھے، داخل ہوتے ساتھ ہی آرام کرسیوں پر بیٹھے فنانشل پیپرز پڑھ رہے تھے۔ مونٹی جانتا تھا کہ لیلیٰ کہاں ہوگی اور تیزی سے اردو سیکشن کی طرف بڑھا۔

جب وہ بوسیدہ ہائی سکول لائبریری کے آخری کمرے کے قریب ہوا، اُس کو کتابیں گرنے کی ہلکی سی آواز آئی۔ اور وہاں تھی لیلیٰ، دھاتی سٹینڈز سے کھینچ کر کتابیں نکالتی ہوئی، اُسے شیلفوں پر چڑھنے

کے لیے جو کوشش کرنی پڑ رہی تھی اُس پر بڑبڑاتی ہوئی، کتابوں کے پشتے کے نیچے اپنی انگلیاں ڈال کر انہیں باہر کھینچتی ہوئی لیلیٰ۔

''لیلیٰ ؟'' مونٹی کارپٹ بچھے فرش پر سرخ گلاب رکھنے کے لیے جھکا۔

اُس کے بال اس کے چہرے کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔ اُس نے اپنی براؤن چپل جھٹکے سے اتار دی تھی اور گہرے سانس بھرتی ہوئی لائبریری کے نیلے کارپٹ پر ننگے پیر کھڑی تھی۔ ''مجھے وہ نہیں مل رہی۔'' اُس نے فریاد کی، ''مجھے وہ کہیں بھی نہیں مل سکی۔'' اُس کی آنکھیں دیوانگی سے شیلفوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ آگے بڑھی اور کتابوں کا ایک اور سیٹ کھینچ کر فرش پر ڈال دیا۔ جب مونٹی نے اپنے پھولوں کو کہیں محفوظ ترین جگہ رکھنے کے لیے جنبش کی تو لیلیٰ مڑی اور اُسے دیکھا۔ اپنی چمکتی آنکھوں کے ساتھ جن سے غصے کی چنگاریاں نکل رہی تھیں، وہ مڑی اور انہیں ٹھوکر لگائی۔ پرفیوم شدہ پتیوں پر پیر رکھتے ہوئے اُن کے دھیمے رنگوں کو اپنی ایڑیوں کی جلد سے رگڑتے ہوئے انہیں اپنے پیروں سے ٹھوکر لگائی۔

''لیلیٰ، تم کیا کر رہی ہو!'' مونٹی چلایا مگر اُسی وقت خلیق سی لائبریرین مسز سیٹھی کمرے میں داخل ہوئیں۔ ''ڈیئر گرل۔'' وہ چہچہائیں۔ اُن کی نیلی آنکھیں نقصان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ''کیا معاملہ ہے؟''

''حبیب جالب۔'' لیلیٰ پھولی سانس کے ساتھ اپنا سر جھٹکتے ہوئے بڑبڑائی، اپنا سر اتنی سختی سے جھٹکتے ہوئے کہ کمرا گھومنے لگا اور وہ کچھ نہ دیکھ سکتی تھی۔ مسز سیٹھی نے لیلیٰ کو اپنی بانہوں میں تھام لیا اور اس کے بے ترتیب بکھرے بالوں کو سہلایا۔ لیلیٰ نے لائبریرین کی لان کی قمیص کا بازو تھام لیا۔ ''مجھے وہ مل نہیں رہے۔'' اس نے دہرایا، اس کی آواز کئی جگہوں سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ ''وہ جا چکے ہیں۔''

''ٹھہرو، ٹھہرو۔'' لائبریرین نے اُسے دلاسا دیا۔ ''وہ دُور نہیں ہو سکتے۔''

لیلیٰ آنسوؤں کی صورت ریزہ ریزہ ہوگئی اور مسز سیٹھی کچھ دیر اُسے نرمی سے بہلاتی رہیں۔ لیکن لیلیٰ سسکیاں بھر رہی تھی اور مسز سیٹھی جو عموماً اپنی کلائی میں سونے کی چوڑیوں میں ٹشو پیپر تہ کر کے رکھتی تھیں، وہ اس صبح کسی گری ہوئی چائے کو صاف کرتے ہوئے استعمال ہو چکا تھا۔ وہ لیلیٰ کی لائبریرین ڈیسک کی طرف رہنمائی کرنے کو مڑیں جو ان کے کندھے سے لگی تکلیف دہ انداز میں روئے چلی جا رہی تھی، جہاں ایک پرانے انٹرکام ٹیلی فون کے برابر میں ٹشو پیپر باکس رکھا تھا۔

مسز سیٹھی نے مونٹی کے کچلے گلابوں پر قدم رکھا۔ ''انہیں اٹھا لو، کیا اٹھا لو گے، ڈیئر؟'' انہوں نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

O

''ہم مزید پانچ کلومیٹر چل سکتے ہیں۔'' مونٹی نے کہا۔ اُس کی آواز میں تھکن تھی۔ ''صرف ایک گھنٹہ مزید۔'' صحرا کی سڑک تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، وہ کم از کم ایک گھنٹے سے اپنے آگے بغیر کسی

روشنی کے چل رہے تھے۔ ان کے پیروں تلے ریت سرسرائی، اُن کے آگے راہ کی خاموشی ہوا میں بوجھل پن سے معلق تھی۔ Tel Afar میں ان سے ملنے کوئی نہ آیا تھا، ان کی خبریں واپس کمانڈ سینٹر کونشر کرنے کوئی نہ پہنچا تھا۔ وہ فراموش کیے جا چکے تھے۔ اب بس یہ باقی تھا کہ وہ شہر پر حملے کے وقت میں نینوا پہنچ جائیں... اگر وہ اب بھی جاری تھا۔ مونٹی کچھ بھی منفی نہیں سوچنا چاہتا تھا، وہ نہیں سوچنا چاہتا تھا کہ آپریشن خطرے سے دوچار تھا، یہ کہ وہ لیلیٰ سے دوبارہ نہ مل پائے گا۔ وہ صرف واپس پلٹ جانے کے لیے اتنی دُور نہ آیا تھا۔

اُس کے پیر ڈانوں ڈول ہوئے اور وہ گرتے گرتے بچا۔ سنی نے توقف کیا اور مونٹی کی سانسوں کی پُرمشقت آواز سنی جس دوران اس نے اپنے ہاتھوں سے پتھروں کے ٹکڑے اور مٹی جھاڑتے ہوئے خود کو اٹھایا۔ اُس نے اس کی مدد کے لیے جنبش بھی نہ کی۔

''ہمیں چلتے رہنا چاہیے۔'' مونٹی نے اصرار کیا۔ فاصلے پر کوئی چیخ رہا تھا۔

''کیا تم وہ شور سن سکتے ہو؟'' سنی نے اپنا بیگ گرا دیا اور آواز کی سمت میں سر اٹھایا۔

''نہیں، نہیں، اسے اٹھالو۔'' مونٹی جھکا اور سنی کا بیگ اٹھالیا۔ انہیں حرکت کرتے رہنا تھا، وہ اس قدر، اتنے قریب تھے۔ ''یہ کچھ نہیں ہے... جانوروں کی لڑائی یا کچھ ہے۔ چلو چلتے رہیں۔''

''یوں سنائی دیتا ہے جیسے کوئی مر رہا ہو۔'' سنی بالکل ساکت کھڑا تھا اور اس نے اپنی بیلٹ سے خنجر نکال لیا۔

''ہم ابھی نہیں رک سکتے۔'' مونٹی کے بازو تقریباً سُن ہو چکے تھے، وہ مزید کچھ بھی نہ اٹھا سکتا تھا، حتیٰ کہ سنی کا آدھا خالی بیگ بھی نہیں۔ ''ہمیں حرکت کرتے رہنا ہوگا۔'' اُس نے اپنی آواز بلند کی اور یوں ظاہر کیا جیسے وہ شور سن نہیں سکتا تھا، اگرچہ بین کرنے کی وہ آواز مزید بے رحم اور شدید ہوگئی۔ اپنی خستگی میں وہ چیخوں کی تکلیف دہ لرزش محسوس کر سکتا تھا جو بلند تر اور قریب تر ہوتی گئیں۔

ملاقات کے مقام کو بھوکے اور اُلجھن زدہ چھوڑنے کے بعد انہوں نے کچھ خوراک لی تھی۔ مونٹی جاننا چاہتا تھا کہ کیا ہوا تھا... کیا ڈیم پر حملہ کیا جا چکا تھا؟ کیا وہ اب بھی ہمارا تھا؟ کیا عراقیوں نے اسے واپس لے لیا تھا؟ لیکن کوئی ہرکارہ نہ آیا، کسی نے پے فون پر کال نہیں کی۔ مونٹی اور سنی نے اپنے ہتھیار اور بیگ اپنے کاندھوں پر لادے اور بے آرامی اور تھکن کے بوجھ تلے چلنے لگے۔ ابوخالد انہیں کیوں کر بھول سکتا تھا؟ پورا نینوا آپریشن اُن کے مارچ پر انحصار کرتا تھا، کیا ایسا ہی نہیں تھا؟

''آؤ مزید پانچ کلومیٹر چل لیں اور پھر ہم رک کر کھانا کھا سکتے ہیں۔'' مونٹی نے رونے چلانے کے بیچ سنی سے کہا۔ شور، وہ اس کے جتنا قریب ہو رہے تھے، خشک اور دہشت زدہ سنائی دیا اور مونٹی نے سوچا کہ آیا یہاں صحرا میں کوئی بھیڑیے موجود تھے۔ ''میں نے ہمارے لیے اچار خریدا۔''

''سوری، کیا؟'' سنی نے اپنا چاقو اُس کے ہولسٹر میں واپس رکھتے ہوئے بھنویں اچکائیں۔

''تم نے ہمارے لیے اچار خریدا؟''

''ہاں۔''... شوخ گلابی شلجم اور لمبی سبز مرچیں۔ دکان والے آدمی نے جب مونٹی کے لباس کو نوٹس کیا تو نرم عربی روٹی کے رول اور اچار کی قیمت نہ لی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کون تھے، کھانا اُن کا تھا... دکان دار نے اپنا سر اور ہاتھ ہلائے۔ کوئی رقم نہیں، اُس نے کہا، کوئی قیمت نہیں اور اس نے اپنے خالی گولک کی طرف اشارہ کیا۔ برائے مہربانی جاؤ... کوئی رقم نہیں۔

''مجھے سیدھی بات کہنے دو۔'' سنی، مونٹی کا سامنا کرنے کو مڑا۔ ''جب ہم اس خشک، گرد آلود صحرا میں پیش قدمی کر رہے تھے، خوراک کے لیے ایک جگہ رکنے پر تم نے اگلے تین روز کے لیے کھانا خرید لیا... نہیں، بلکہ اچار... نمک اور سرکے میں بھیگا ہوا؟''

''ہاں، تو؟''

مونٹی کو فاصلے پر پستول چلنے کی آواز آئی۔

یہ جانوروں کی لڑائی نہیں تھی، یہ لوگ تھے۔ اور ان کے پاس ہتھیار تھے۔

''تو کیا ہوا؟''

اس نے دوبارہ وہ آواز سنی۔ ایک بار پھر شور۔ وہ اسے تصور نہیں کر رہا تھا۔ پستول کی طرح کوئی فائر ہوا اور پھر لمبی دہشت انگیز چیخ۔

سنی نے اپنا سر جھٹکا۔ ''یوں جیسے بعض اوقات تم سوچتے ہی نہیں۔ تم نے پہلے کبھی گروسری خریدی ہے؟'' تاریکی میں مونٹی کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرتے اس نے آنکھیں سکیڑیں۔ ''تم نے کبھی حقیقت میں خود کو کھلایا پلایا ہے، بگڑی ہوئی Shit؟''

''بہت ہو گئی!'' مونٹی اس کا بیگ پھینکتے ہوئے چیخا۔ ''بہت برداشت کر لی میں نے تمہاری بدتمیزی۔''

''میری کیا؟'' سنی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''تم نے سن لی ہے میری بات۔'' مونٹی چلّایا، ''مجھے پرواہ نہیں کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ تم بس سمجھتے ہو کہ تمہاری زندگی مشکل تھی، اس لیے تمہیں ہر وقت asshole ہونا ہے؟''

''تمہیں مشکل یا سختی کے بارے میں کیا معلوم ہے؟'' اندھیرے میں سنی کی آنکھیں چمکیں۔ ''تم ہر رات نیند میں روتے گزارتے ہو۔''

''میں کم سے کم سارا دن خود پر ترس نہیں کھاتا رہتا۔'' مونٹی قدم بڑھا کر سنی کے قریب ہوا، جو اپنی جگہ قدم جمائے کھڑا تھا۔

سنی کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ ''اوہ، ہاں؟ پھر لیلیٰ کون ہے؟''

مونٹی کو اپنے پیٹ میں بَل پڑتا محسوس ہوا۔ سنی نے اُس کا نام کیسے معلوم کیا؟ وہ اور کیا جانتا تھا؟

''میں بغیر رکے یہ آہ و زاری نہیں کرتا کیسے کوئی مجھے سمجھتا نہیں، اور یہ کہ میں کتنا براؤن ہوں،

اور یہ دنیا کس قدر ظالم ہے۔'' مونٹی نے گویا لڑائی کے لیے چیلنج کیا۔ ''مرد بنو۔'' یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے وہ خود پر حیران تھا، اُس کا دل بڑھتی ایڈرینالین کے باعث تیز دھڑک رہا تھا۔

اچانک سنی نے اپنا مکا مونٹی کے منہ پر دے مارا۔ مونٹی کو لگا کہ اُس کی آنکھوں کے بالکل درمیان جیسے کوئی فلیش بلب بجھ گیا ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ سمجھ پاتا کہ ہو کیا رہا تھا، سنی نے مونٹی کی کمر کو اپنے دونوں بازوؤں سے جھپٹ کر، اس کے سر کو ایک جانب دبا کر اپنا جسم زور سے اُسے دے مارا، یہاں تک کہ اس نے مونٹی کو زمین پر گرا لیا۔

مونٹی کا دل وحشت سے دھڑک رہا تھا لیکن اُسے پرواہ نہ تھی۔ وہ بس لیلیٰ، نینوا میں اُس کے پاس پہنچنے اور اس لمحے سے نجات پانے کے متعلق سوچ سکتا تھا۔ اس نے امید کی کہ سنی نے اس کی آنکھوں میں خوف نہ دیکھا ہو جب اُس نے اُسے لیلیٰ کا نام لیتے سنا تھا۔

سنی نے مونٹی کو پشت کے بل زمین پر گرا لیا اور اب اُس کے سینے پر چڑھا ہوا تھا تا کہ مونٹی حرکت نہ کر پائے۔ مونٹی اپنے ہاتھوں کو ایک انچ بھی موڑ نہ پایا تا کہ خود کو آزاد کروا لے یا اُسے گھونسہ دے مارے۔

''میں مرد ہوں۔'' سنی چیخا، اُس کے منہ کے گوشوں پر تھوک جمع ہو رہی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھا اور مونٹی کے چہرے پر جھکتے ہوئے اپنا گھٹنا اُس کی گردن پر جما دیا۔ ''میں نے اتنی مار اس لیے نہیں کھائی کہ کسی کتیا نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ میں ایک مرد ہوں۔'' اُس نے اپنا بازو اٹھایا اور اپنی کہنی کو سختی سے مونٹی کی ٹھوڑی کے نیچے جما دیا۔

''پلیز...'' خود کو سنی کی ضربوں سے بچانے کی خاطر اپنے سر کو حرکت دینے کے ناقابل مونٹی نے فریاد کی۔ لیکن پسینہ پسینہ ہوتے، مشتعل سنی نے دوبارہ اُسے ضرب لگائی، یہاں تک کہ انہیں دوبارہ شور سنائی دیا۔

کوئی پستول فائر کر رہا تھا۔

سامنے کہیں چمک سی دکھائی دی، اتنی دور کہ سنی سمجھ نہ پایا کہ کیا ہو رہا تھا، لیکن اتنی قریب ضرور کہ روشنی کا ہلکا سا سایہ ان پر پڑا۔ اُس نے توقف کیا اور اپنا گھٹنا سنی کی گردن سے ہٹا لیا۔

مونٹی کا سر چکرا رہا تھا، اسے سردی اور سراسیمگی محسوس ہوئی۔ وہ بس کتوں کے بھونکنے کی آواز سن سکتا تھا۔ ''بچے ہیں۔'' جتنی تیزی سے ہو سکتا تھا اٹھ کر بیٹھتے ہوئے وہ بڑبڑایا تا کہ سنی اُس پر دوبارہ حملہ نہ کر سکے۔ اس نے دھیرے سے اپنی گردن کو چھوا، اُسے سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ ''ہمیں حرکت کرتے رہنا ہو گا۔'' اُس کی ٹھوڑی زخمی تھی اور اس کے چہرے پر ہر جنبش سے ٹیس اٹھ رہی تھی... آنکھیں جھپکتے، تھوک نگلتے، بولتے۔ کھڑے ہوتے ہوئے اُس نے جھرجھری لی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ تکلیف کے باعث ڈھیر ہو جائے گا۔

''بچے رات کو صحرا میں کیا کر رہے ہیں؟'' سنی لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے پورے ارتکاز

کے ساتھ روشنی کی طرف بڑھنے لگا، یوں جیسے وہ ایک منٹ پہلے مونٹی کا گلا نہیں گھونٹ رہا تھا۔

''ٹھہرو۔'' مونٹی نے التجا کی۔ اس کا دل اس کی پسلیوں میں تیزی سے دھڑک رہا تھا اور اُس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ سنی نے اس لمحے اُسے جتنا بھی دہشت زدہ کیا تھا، وہ گولیوں کی اُس آواز کے قریب نہ جانا چاہتا تھا۔ وہ سنی کے پیچھے آہستہ آہستہ چلتا رہا، اُس کے قدم ناہموار اور بے یقین تھے۔ اُس کے چہرے پر خراشیں تھیں اور اس نے اپنی زبان اپنے منہ کے اندر دانت محسوس کرنے کو پھیری، یہ یقین دہانی حاصل کرنے کے لیے کہ وہ وہیں موجود تھے۔

''السلام علیکم۔'' جب وہ ان شکلوں کے قریب پہنچے تو سنی نے اونچی آواز میں کہا۔ وہ برادران تھے، مونٹی اب یہ دیکھ سکتا تھا۔ چار، ان کے کندھوں سے کلاشنکوفیں لٹکی ہوئی تھیں۔

برادران دائرے کی صورت میں کھڑے تھے اور جب وہ الگ ہوئے تو مونٹی نے دیکھا کہ ان میں ایک نے گردن کی گدی سے ایک آوارہ کتا پکڑ رکھا تھا۔ وہ اپنے چہروں پر نقاب پہنے ہوئے تھے، مونٹی ان کی صرف آنکھیں دیکھ سکتا تھا۔ ان کے قدموں میں صحرا کے فرش پر بہتے خون کے ساتھ تین مُردہ کتے پڑے تھے۔

''خوش آمدید، برادر۔'' پہلا آدمی اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے چلّایا اور انہیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے مخصوص لہجے میں بات کی مگر مونٹی بتا نہیں سکتا تھا کہ کس قسم کا۔ آدمی نے اپنا کنٹوپ منہ تک اٹھالیا۔ ''تم کہاں سے آرہے ہو؟''

''موصل۔'' مونٹی نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

''ماشا اللہ۔'' آدمی نے اس کے مضروب چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے سر ہلایا۔ ''تم ٹھیک ہو، برادر؟''

''تم کیا کررہے ہو؟'' سنی نے اپنی AK سختی سے تھامتے ہوئے مداخلت کی۔

پہلا آدمی ہنس دیا اور باقی بچے ہوئے کتے کو تھامے ریت پر اکڑوں بیٹھے برادر کی جانب اشارہ کیا۔ ''وہ لڑکا ہمیں دو امریکی فوجیوں کی لائیو لیک ویڈیو دکھا رہا تھا... تمہیں یہ دیکھنا ہوگی۔ ان کتے کے پلّوں کو چٹان سے پھینک دو۔''

کتا ریں ریں کرنے لگا، اس کی نظریں باری باری مونٹی اور سنی پر تھیں، یوں جیسے وہ اس کی مدد کرسکیں گے۔

بریڈ ہنس دیا۔ ''مزاحیہ۔ کتوں کے چند پلے، یہ دیکھتے ہوئے کہ کون سب سے دُور جا پڑے گا، سب سے تیزی سے گرے گا، سب سے اونچا روئے گا۔ لیکن ہمارے پاس کوئی چٹانیں نہیں اور گارڈ ڈیوٹی طویل ہے۔ جانتے ہو میرا کیا مطلب ہے؟''

''نہیں۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟'' سنی کا لہجہ تلخ اور معاندانہ تھا۔

تیسرا برادر اس سب کی اپنے فون پر ویڈیو بنا رہا تھا۔ مونٹی یہ خواہش کرتے ہوئے اُس سے پرے ہٹ گیا کہ اُس کے پاس بھی اپنا مضروب زخمی چہرہ چھپانے کے لیے کنٹوپ ہوتا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ماں اُسے سی این این کی کسی خبر میں جانوروں پر تشدد کرتے دیکھے۔

''کچھ نہیں یار۔'' بریڈ ہنسا۔''بس ذرا تفریح۔ ہم یہ دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ آیا ہمیں اُس دوسری ویڈیو سے زیادہ Hits مل سکتے ہیں۔ وائرل ہو سکتے ہیں، تم جانتے ہو؟''

چوتھا برادر اپنے ہاتھ میں پستول لیے وہیں کھڑا رہا۔

مونٹی نے سنی کا بازو چھوا،''چلو چلیں، سنی۔''

سنی نے اُسے پرے جھٹک دیا۔

''سنی، ہمیں طویل فاصلہ طے کرنا ہے۔ چلو چلیں۔''

لیکن سنی نے جنبش نہ کی۔''تم کتے کے ساتھ کیا کرو گے؟'' اُس نے بریڈ سے پوچھا۔

برادر نے کتے کے سر کو اوپر کی جانب جھٹکا دیا اور ننھا جانور تکلیف سے چلایا۔

''ہم انہیں گولی مارنے سے بیزار ہو چکے ہیں۔'' بریڈ اب بھی کتے کو تھامے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور سنی کی پشت پر دھپ لگائی،''اسے Fuck کرنا چاہتے ہو؟''

O

وہ مزید چالیس منٹ چلتے رہے، اُن کی ٹانگیں دُکھ رہی تھیں اور ان کے پیروں کے تلوے جل رہے تھے۔''آؤ چلتے رہیں۔'' مونٹی نے بے توجہی سے کسی منتر کی طرح دہرایا،''آؤ چلتے رہیں۔''

اپنے اور کتوں کو ہلاک کرتے اپنے کامریڈوں کے درمیان فاصلے کی خلیج حائل کرنے کے لیے وہ خاصا چلتے رہے۔ مونٹی اور سنی چلتے رہے، یہاں تک کہ صحرا پھر سے خاموش ہو گیا اور ٹھنڈی ہوتی ریت پر گھسٹ کر چلتے اُن کے بوٹوں کی آواز ہی اُن کا تعاقب کرنے کو باقی رہ گئی۔

میں ایک پاسبان ہوں۔ میں ایک مینارۂ نور ہوں۔ میں ایک پاسبان ہوں۔ میں ایک مینارۂ نور ہوں۔ مونٹی نے ان الفاظ کو خاموشی سے اپنے دماغ میں بار بار ادا کیا جس دوران وہ سرد و خنک صحرا میں پیش قدمی کرتا رہا مگر انہوں نے اُسے کوئی تسلی، کوئی دلاسہ نہ دیا۔

ہر شے کو پریشان کرتے، ہوا میں گھومتے ذرات کے مقابل اُس نے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا۔

سنی نے کچھ کیا کیوں نہیں تھا؟ وہ اُن آدمیوں سے لڑا کیوں نہیں؟ مونٹی نے اپنے منہ میں اپنی زبان پھیری۔ وہ اپنے چہرے پر لگنے والی ضربوں سے منہ میں خون کا ذائقہ ابھی تک محسوس کر سکتا تھا۔ کیا سنی اُن سے خوف زدہ تھا؟

جب وہ سنی سے آگے آہستہ آہستہ دوڑتا چلا جا رہا تھا، مونٹی اُس کی سانسوں کی ہلکی آواز سن سکتا تھا۔ کیا وہ رو رہا تھا؟

جب وہ رکے تو سنی نے آگ کا ایک چبوترہ تیار کیا۔ مونٹی نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور اُس تکلیف میں سانس لینے کی کوشش کی جو اُس کے جسم سے گزر رہی تھی۔ ''ہماری تحریک یہی کچھ ہے۔'' مونٹی نے اپنی تھکن زدہ انگلیاں ریت میں پھیرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ اُس نے کوشش کی کہ نہ سوچے کہ کتے کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ لڑکوں کے گرد خود کو ریت پر نقش کرتے ہوئے عریاں شعلوں کے ذریعے سائے رقصاں تھے۔

''نہیں۔'' سنی نے اپنے جوتے اتارے اور اپنا سر اپنے بیگ پر رکھ لیا۔ ''یہ عراق تھا، مگر اب یہ ہمارا ہے۔''

''عراق قائم رہے گا۔'' مونٹی نے نظر اٹھا کر بے بادل سیاہ رات کو دیکھا۔ شاید وہ پاسبانوں کی کسی فوج میں سے نہ تھا۔ وہ سُولی پر چڑھانے والے اور قاتل تھے اور اگرچہ وہ کسی طرح سمجھ نہ سکا کہ کیسے، کتے سے بدفعلی کرنے والے۔

''یہ ٹوٹ جائے گا۔'' سنی نے جواب دیا، ''یہ پہلے سے ٹوٹا ہوا ہے۔ تم دیکھتے نہیں؟ ہم قوم پرستی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، سرحدوں کے خلاف۔ رات گئے کسی جانور پر تشدد کرتے کوئی احمق اسے تبدیل نہیں کر سکتے جو ہم کر رہے ہیں، مونٹی۔ ہر فوج میں کمتر اخلاقی کردار کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہیلو؟ یاد ہے ابوغریب؟''

سنی نے بیگ میں اڑسنے سے پہلے اپنا فون چیک کیا اور پہلو کے بل لیٹ گیا۔ نصف شب کا وقت تھا۔ ''مایوس مت ہو۔'' وہ بڑبڑایا، اس کی توجہ بکھر رہی تھی۔ اُس نے Tel Afar کے بعد سے فون چارج نہ کیا تھا اور حتیٰ کہ اُس کا بیک اَپ بیٹری پیک بھی ختم ہو چکا تھا۔ وہ کسی سوکٹ (بجلی سے چارجنگ کی جگہ) کے قریب نہ پہنچا تھا اور سنجیدگی سے اپنی بیٹری بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ اپنی فیس بک پر سکرول کرنے، اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ کھول کر دیکھنے سے اپنی توجہ ہٹانے سے زیادہ کچھ نہ چاہتا تھا۔ اُس میں اور کچھ کرنے کی توانائی نہ تھی۔ وہ اُس دن کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا، اُن برادران کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا، نہ ہی عوز کے بارے میں۔ سنی سوچنا نہیں چاہتا تھا، ایک سکینڈ کے لیے بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا کہ یہاں آنا ایک غلطی تھی۔

وہ بس کچھ Snaps دیکھنا چاہتا تھا، اپنے فالوورز کو چیک کرنا چاہتا تھا، جو اَب اس سے کچھ توقع رکھتے تھے۔ وہ یہاں تھا، ایک مقدس جنگ لڑ رہا تھا۔ اسے اپنی کچھ پرائیویسی کی اجازت تھی۔

لیکن اپنی بقیہ صرف 30 فیصد بیٹری کے ساتھ، وہ بھی بس سو ہی سکتا تھا۔

''وہ بس ایک کتا تھا۔'' سنی نے اونچی آواز میں کہا، تقریباً خود کلامی میں۔

مونٹی نے سر ہلا دیا۔

وہ بس ایک کتا ہی تو تھا۔

لیلیٰ

تب، صبح سویرے، شہر پر معلق کراچی کا آسمان ایک نیلگوں سرمئی سلیٹ تھا۔ مسجدوں کے چمکتے سبز گنبدوں کو میناروں پر گھات لگائے اور صحنوں کے نلکوں کے نیچے پانی کے اُتھلے تالابوں میں اپنی چونچیں ڈبوتے ہوئے زاغوں کی بے مہری کے حملے کا سامنا تھا۔ لیلیٰ صدر کی ایک خالی گلی میں کھڑی تھی اور شٹر اٹھائے جانے کے شور کو سنتے ہوئے سڑک عبور کرنے کی منتظر تھی۔ وہ صبح منہ اندھیرے سے چل رہی تھی اور آسمان کو طلوعِ آفتاب کے سب رنگوں میں بدلتے دیکھا تھا۔

اپنا سر جھکائے، دیواروں سے اکھڑتے سیاسی پوسٹروں کے وال پیپروں سے نگاہیں موڑے ہوئے، پرندوں کی چہکار سنتے ہوئے، وہ خاموشی سے چلتی رہی۔ لیکن اتنی صبح سویرے صدر کے خستہ حال پتھروں میں گھری ہوئی لیلیٰ ٹریفک کا پاگلانہ شور وغل ہی سن سکتی تھی، بغیر Exhaust کے سکوٹر، رفتار کے بہاؤ کے خلاف شور مچاتے رکشہ، ہارن دیتی گاڑیاں، سائیکلوں کی گھنٹیاں، مسافروں کو بسوں پر چڑھنے کے لیے بلاتے کنڈکٹروں کا واویلا، جن کے پاس رکنے کا وقت نہ تھا۔

سینٹ پیٹرکس کے داخلے پر Sandstone کی محرابوں کے آگے جھکنے کے لیے رکتے ہوئے لیلیٰ کتھیڈرل میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنے گھٹنے سے سرد فرش کو چھوا اور مقدس شعائر کے سامنے جھک گئی۔ اپنی انگلیوں کو ستارے کی صورت موڑا، اپنی پیشانی سے اپنے دل تک، پھر اپنے بائیں سے دائیں کندھے کی طرف۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پادری کی آواز کی بازگشت کی جانب بڑھی جو اجتماع سے پہلے Decade of the rosary پڑھ رہا تھا۔

یہ یقین دہانی حاصل کرتے کہ وہ اکیلی تھی اور اُس سے پچھلی قطار میں اور کوئی نہ تھا، وہ نشست گاہ کے عقبی حصے میں بیٹھ گئی۔ صبح کی مناجات کے لیے وہاں صرف پانچ لوگ تھے۔ دو خواتین جن کی ساڑھیوں کے پلو ان کی کمر کے گرد لپٹے ہوئے تھے تاکہ ان کے پیٹ رَدوگزار کتھیڈرل میں گرم رہیں، سفید بالوں والی بیوی کے ہمراہ ایک بوڑھا شخص اور سادہ نیلی سکرٹ میں دعا میں گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی

ایک نوعمر لڑکی ۔لیلیٰ نے لمحے بھر کو اُسے دیکھا، اُس کی پشت ہل رہی تھی، یوں جیسے وہ اپنے شانوں کو اِدھر اُدھر جنبش دیتے اور سرد فرش پر پھیلے ہوئے اپنے پیروں کو دائیں بائیں آواز کے ساتھ حرکت دیتے کوئی خفیہ رقص کر رہی ہو۔گھومتے اور رقص کرتے وہ لڑکی مڑی اور لیلیٰ کو دیکھ کر مسکرائی ۔ یونیس ڈی سلوا۔

لیلیٰ نے اس امید میں جلدی سے نظریں پھیر لیں کہ یونیس نے اسے نہ دیکھا ہو۔اُس نے اپنی آنکھیں میچ لیں اور مناجات سننے لگی۔

''میں روح القدس پر یقین رکھتی ہوں۔'' اس نے دہرایا، اس کی آواز اجتماع کی ہلکی آواز میں ضم ہو رہی تھی۔ ''مقدس کیتھولک چرچ پر، سینٹس کے کمیونین پر، گناہ گاروں کی معافی پر...''

لیلیٰ نے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔اُسے پروٹسٹنٹ چرچ جانا چاہیے تھا، وہ بس اکیلی رہنا چاہتی تھی، ایسی جگہ جہاں اُسے کوئی نہ جانتا ہو، جہاں اُسے کوئی نہ دیکھتا ہو۔لیکن وہ یہاں آ گئی، اپنے بچپن کے چرچ میں۔ یہاں موجود ہونا اہم، لازمی محسوس ہوا، ایک اور مرتبہ مقدس پانی میں اپنے ہاتھ ڈالنا، پتھر جیسی سخت نشستوں پر بیٹھنا، ایک اور شمع روشن کرنا، مقدس مریمؑ کے مجسمے کے سامنے کھڑے ہونا اور افسردہ مناجات پڑھنا جو گمشدہ روحوں کی دل جوئی کرتی تھیں۔''میں جسم کے دوبارہ اٹھائے (زندہ کیے) جانے اور ابدی زندگی پر یقین رکھتی ہوں، آمین۔''

سسس، یونیس سسکاری، ہر حرف پر اپنے ہونٹوں کو یوں حرکت دیتے ہوئے جیسے سیٹی بجا رہی ہو۔اس نے اپنے ہونٹوں کو گول کیا اور پھیلا لیا، آگے جاری رہنے سے پہلے سانس بھرتے ہوئے، سس، سسس۔

چبوترے پر موجود پادری نے پڑھنا شروع کیا، ''ہمارے باپ۔'' لیلیٰ نے زیرِ لب اپنی پسندیدہ سطور دہراتے ہوئے یونیس کو مسکراتے اپنا ہاتھ ہوا میں لہراتے دیکھا۔

تم کیسی ہو؟ یونیس نے زبان کھولی۔

لیلیٰ جواب میں دانت نکالتے مسکرائی۔ بہت اچھی۔

ممی کہاں ہے؟

مصروف ہے۔لیلیٰ بغیر پیڈ کے Kneeler پر آرام سے بیٹھ گئی۔اُس نے سوچا نہیں تھا کہ صبح سویرے کے اجتماع کے لیے یہاں کوئی موجود ہوگا لیکن اُسے یونیس کی توقع رکھنی چاہیے تھی۔اس نے گہری سانس بھری جس دوران تسبیح کو پُرامید طور پر، متانت سے پڑھتے ہوئے پادری کی آواز اجتماع کی آواز میں ضم ہو گئی۔

سسس۔

اُس کی ماں نے کہا تھا کہ یونیس کچھ سست تھی، یہ کہ وہ بچپن میں تنہا چھوڑ دی گئی تھی، یہ کہ بات کرنے کو اُس کا کوئی خاندان نہ تھا، اُسے شفایاب کرنے کو کوئی محبت نہ تھی۔اسی لیے ہر کسی کو اس سے زیادہ

مہربانی، زیادہ خیر خواہی سے پیش آنا چاہیے تھا۔ اسی لیے وہ ہمیشہ چرچ میں ہوتی تھی، زنوبیا نے کہا، کیوں کہ یہ دنیا میں تنہا رہ جانے والوں کی پناہ گاہ تھی۔ یونیس گرجا گھر میں مناجات گاتی تھی، وہ دعا یا عبادت کے بعد چندے کی طشتری گھماتی تھی، شادیوں پر چاول بانٹتی اور بپتسمہ کے موقع پر چینی لگے بادام۔ فیروز اُسے یونس کہتا تھا، چرچ کی پالتو (دل پسند)۔

انیتا!!... یونیس دبی دبی ہنسی ہنسی۔

انی ی ی تا۔

عرصہ ہوا تھا کہ کسی نے اسے اس نام سے پکارا ہو۔ جب پادری اور اُس کا گروپ پوری فرض شناسی سے تسبیح پڑھ رہا تھا، اُن کی اداس آوازیں دہرائے جانے پر بے کیف ہو رہی تھیں، لیلیٰ کی پچھلی نشست پر کسی نے گھسٹ کر قدم رکھا، بیٹھنے سے پہلے اپنے شلوار قمیص کو تھپتھپاتے ہوئے یوں جیسے گرد جھاڑ رہا ہو۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا سر اپنی بھنچی ہوئی انگلیوں پر جھکا دیا، ایسا کرنے سے پہلے تیزی سے چیک کرتے کہ کہیں یونیس اُسے دیکھ تو نہ رہی تھی۔ باقی سب سے بلند آواز میں تسبیح پڑھتے ہوئے یونیس کا رخ چبوترے کی جانب تھا۔

لیلیٰ نے سانس خارج کی اور اپنے لوگوں کی خواہشوں کو دہرایا۔ ''ہمارے گناہ معاف فرما دیں، ہمیں جہنم کی آگ سے بچا لیں اور ہماری روحوں کی جنت کی جانب رہنمائی فرمائیں، خصوصاً اُن کی جنہیں آپ کی رحم کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔''

''بہن۔'' پچھلی نشست سے سفر کرتی ایک آواز آئی۔ جب اُس آدمی نے اپنے گھٹنے سخت چوبی بنچ پر رکھتے ہوئے لیلیٰ کے پوز کی نقل کی، اس کی حرکت کے ساتھ شلوار قمیص سرسرائی۔

لیلیٰ نے اپنا سر اٹھایا اور سیدھا اپنے سامنے دیکھا، پادری جو Decade of Veneration اور دعا پڑھ رہا تھا۔

''کیا تمھیں کوئی مسئلہ ہے؟'' اُس نے آدمی کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''نہیں، بہن۔'' اُس نے نرم لہجے میں کہا جس کی لیلیٰ کو توقع نہ تھی۔ اُس نے سوچا کہ آیا وہ نوجوان تھا... اُسی کا ہم عمر۔ وہ کھنکھارا اور احتیاط سے ناپ تول کر ہچکچاتے ہوئے بولا، ''کیا تمھیں یقین ہے کہ یہاں اندر آنا ٹھیک ہے؟''

''یہ بات کرنے کی محفوظ ترین جگہ ہے، یہاں ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔'' لیلیٰ نے جواب دیا۔

''کچھ لوگوں نے شکایت کی بہن، انہوں نے کہا کہ یہ حرام تھا۔'' آدمی تھوڑا سا پُرسکون ہو گیا۔ ''لیکن کمانڈر نے کہا کہ تم فطری جنگجو ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ زمین میں کیسے چھپنا ہے، اس سے پہلے کہ کوئی تمہیں دیکھے، کیسے حملہ کرنا ہے۔''

آدمی نے ان دونوں کے درمیان خلا میں اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور لیلیٰ کے چوبی بینچ پر ایک

لفافہ رکھ دیا۔

''تم اربیل کے ذریعے پرواز کرو گی۔'' اُس نے سرگوشی کی۔ ''ہمارے لوگ تمہیں ملیں گے اور آگے تمہیں بہ حفاظت لے جائیں گے۔''

لیلیٰ نے سر ہلا دیا۔

''یہ ریٹرن ٹکٹ ہے... تمہیں امیگریشن میں کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ ایف آئی اے میں ہمارا آدمی تمہاری نگرانی کرے گا۔ وہ یقین دہانی حاصل کرے گا کہ تم نکل جاؤ۔ اگر تمہیں کوئی مسئلہ ہو تو تم لفافے پر درج نمبر پر فون کر لینا۔''

لیلیٰ نے یوں جیسے احترام میں اپنا سر جھکایا، پھر اسے ایک مرتبہ پھر اٹھا لیا۔ آدمی نے بات جاری رکھی۔ ''ہم نے بینک سٹیٹمنٹ اور ایک ہزار ڈالر شامل کر دیئے ہیں، کسی صورت اگر ضرورت پڑی، بہن۔''

''مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' لیلیٰ نے نرمی سے کہا۔ یونیس چبوترے کا سامنا کرتے ہوئے مڑی اور لیلیٰ کو دیکھ کر زبان نکالی۔ ایک مناجات تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ لیلیٰ نے اُسے نظر انداز کر دیا۔ یونیس نے منہ میں ہوا بھر کر پھلاتے ہوئے زبان نکالے رکھی۔

لمحے بھر کو خاموشی رہی۔ لیلیٰ نے امید کی کہ آدمی نے یونیس کو نہیں دیکھا تھا۔

''الحمدللہ۔'' اُس نے یوں جسے متاثر ہو کر بالآخر کہا، اُس کی حرکت سے شلوار قمیص کی سرسراہٹ کی آواز آئی۔ وہ کھڑا ہو رہا تھا۔ لیلیٰ اُسے اپنے اوپر منڈلاتے محسوس کر سکتی تھی۔ وہ ایک لمحہ کو رکا۔ لیلیٰ اُسے دیکھ نہ پائی۔ اُسے کچھ اندازہ نہ تھا کہ پیغام رساں نوعمر تھا یہ عمر رسیدہ، خوب صورت یا نہیں، اُس کے بال مونڈے ہوئے بالکل چھوٹے چھوٹے تھے یا شانوں تک لمبے تھے۔ اُس نے قیاس کرنے کی کوشش کی کہ وہ کیا دیکھ رہا تھا۔

لیلیٰ نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ ''کچھ اور؟''

اُس نے ایک لمحے انتظار کیا۔

''بھائی؟'' اُس نے سرگوشی کی مگر آدمی پہلے ہی جا چکا تھا۔

سنی

سنی پھلوں کی چھوٹی سی دکان کے سامنے ٹوٹی گزرگاہ پر بیٹھتا ہے جس دوران وہ اپنے فون کے چارج ہونے کا منتظر ہے۔ سگریٹوں کے مڑے تڑے خالی ڈبے، جن پر عربی زبان میں صحت سے متعلق تنبیہ درج ہے، گلی میں بکھرے پڑے ہیں۔ سڑک پر واحد تجارت سبزی اور پھل فروشی ہے، کچھ تو پیداوار کی صرف چند دھاتی پلیٹیں لیے بیٹھے ہیں... دو پیاز اور چند آلو... جبکہ دوسرے زیادہ افراط کے ساتھ ہیں۔ وہ آدمی جس کی دکان سے سنی مستفید ہو رہا ہے، کیلے اور تربوز کے چھلکوں سے بھری بالٹی لیے اپنی دکان سے باہر آتا اور انہیں لاپرواہی سے ایک طرف گٹر میں پھینک دیتا ہے۔

مونٹی تنگ گلی میں سنی سے فاصلہ رکھتے ہوئے ٹہلتا ہے۔ وہ اپنی گردن اکڑاتا ہے، اپنے دانتوں کے درمیان سے تکلیف سے سانس بھرتے ہوئے جبکہ اس کے ناخن اس کی سرخ اور ناہموار جلد کو وہاں سے چھیلتے ہیں، جہاں اُسے چیونٹیوں کے ڈھیر نے کاٹا تھا۔

تم غدار ہو، عوزی۔ سنی ایک خالی ای میل میں ٹائپ کرتا ہے۔ تم فریبی ہو، ہمارے لوگوں، ہمارے خون کے لیے ایک زخم ہو۔ اگر میں یہاں مرگیا، تو یہ (ذمہ) تم پر ہوگا۔ وہ اسے اپنے کزن کے پرانے ای میل ایڈریس اور نئے نیوز لیٹر والے ایڈریس پر بھی بھیج دیتا ہے۔

سنی اپنی فیس بک کھولتا ہے، اسے یہاں جھانکے کچھ عرصہ ہو گیا تھا۔ وہ خوب صورت دکھائی دیتی ہوئی ریٹا کی تصویر اَپ لوڈ کرتا ہے، اسے دعا دو #thuglife#ritadiaries #automatova۔ دو نوعمر سے لڑکے سائیکل چلا رہے ہیں، وہ مونٹی اور سنی کے قریب سائیکل کو آہستہ کرتے اور انہیں شوق سے دیکھتے ہیں۔ ان کی آنکھیں سرخ ہیں، اور اگرچہ وہ بچے ہیں، ان کے متعلق کوئی آسیبی، وحشت زدہ سی بات ہے۔

''کیا تم، یا کوئی جس سے تمہیں محبت ہے، غدار ہے؟

مرتد کیا ہے، تم پوچھتے ہو؟ ایک غدار، پیٹھ میں چھرا گھونپنے والا۔ ایک یہودا۔ ایک بروٹس۔ کوئی شخص جس نے اپنے خاندان اور اپنے مذہب کی طرف پشت پھیر لی۔ کوئی شخص جو دوسروں کے لیے قابل قبول بننے کی خاطر کوئی گستاخی کرے گا۔ جو اپنے جابروں کے سامنے قبولیت پانے کے لیے کچھ بھی کرے گا۔

ایک شخص جو اپنے لوگوں اور میراث کو دھوکا دیتا ہے۔غدار ہر جگہ ہیں۔ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں وہ پہنچ نہ پائیں اور ایسا کوئی نقصان نہیں جو وہ کر نہ پائیں... کسی سرطان کی طرح ہمیں اندر سے کھاتے ہوئے۔اندر سے، سنا تم نے؟ ہڈیوں کے گودے کی طرح گہرے، جسم میں کسی وائرس کی طرح لپٹ کر بیٹھے، کسی زہر کی طرح۔

کوکونٹس، ہوگو باس سوٹس میں مغرب زدہ برادران آدمی کے لیے چھکڑا چلاتے، موزوں لگتے ہیں... ''سابق مسلمان''، ''مسلمان مصلحین''... مانوس لگتا ہے؟... وہ تمہارا اپنا خون، اپنا خاندان ہیں۔

وہ دس نشانیاں کیا ہیں کہ کوئی جس سے تمہیں محبت ہے، غدار ہے؟

1۔وہ اپنی طرف داری بدلتا ہے... بائیں سے دائیں... سفید سے سیاہ۔

2۔وہ اپنے تمام تر ماضی کو بکواس قرار دے دیتا ہے۔

3۔وہ اپنے مذہب، عقیدے اور ہر اُس نظریے کی توہین کرتا ہے جو کبھی اُس کا دعویٰ تھا کہ ان کی خاطر جان دے دے گا۔

تمہیں مزید سات نشانیوں کی ضرورت نہیں۔غدار قبیح ہیں۔سو تم کیا کرو گے، اگر تمہارا کوئی شناسا غدار ہو؟

ریٹا سے پوچھو۔''

اتنا بہت کچھ ہے جو سنی کہنا چاہتا ہے لیکن اب اُسے محتاط ہونا ہوگا۔اگر وہاں موجود برادران کو عوز کے بارے علم ہو گیا... اس سے پہلے کہ سنی ان پر ثابت کر پاتا کہ اس کا حوصلہ کتنا جوان ہے، اس کی وفاداری کتنی مضبوط ہے، وہ مرنے کے لیے کتنا تیار ہے... وہ خیال کریں گے کہ وہ غدار ہے، بالکل اپنے کزن کی طرح۔لیکن سنی کو وہاں موجود کسی بھی برادر سے زیادہ معلوم ہے کہ چھپ کر خاموش کیسے رہنا ہے، تمام تکلیفیں جو وہ محسوس کرتا ہے، اُسے جمع کر کے رکھنے کی، اسے زیرزمین لے جانے یا گہرائی میں پوشیدہ رکھنے کی اُسے حقیقی مشق ہے۔

وہ اپنے ٹوئٹر اکاؤنٹ کو دیکھتا ہے، ایک پلیٹ فارم جو اُس نے اپنی زیادہ ٹھوس، سیاسی پوسٹوں کے اظہار کے لیے استعمال کرنا شروع کیا ہے:

''میں خاردار تار کا ایک ٹکڑا ہوں، ہڈیوں تک خاردار تار میں لپٹا، میرے بھائی۔''

لیکن وہاں اسے کوئی فالو نہیں کرتا، حقیقی طور پر کوئی بھی اُس گہرائی کو نہیں سمجھتا جو سنی محسوس کرتا ہے۔

کوئی دغابازی... حتیٰ کہ عوز بھی... اُسے اپنی ڈھال یا آڑ ہٹانے پر مائل نہیں کر سکتی۔اسے محتاط رہنا ہوگا، وہ یہاں اپنا ابھی آغاز کر رہا ہے۔

''میری حتمی منزل کوئی ویران عراقی گاؤں نہیں۔ہرگز نہیں۔میں مقدس سرزمین تک پہنچنے والا

ہوں، میں سیدھا جنت کی طرف پرواز کر رہا ہوں۔''
کسی پوسٹ کو آپ وائرل کیسے بناتے ہیں؟ ہیش ٹیگز۔ لیکن انہیں سوچنا وقت طلب ہے۔ خصوصاً سنی کی منفرد صورتِ حال میں۔

#revenge #retaliate #remove

#fuckreformingradicals #pussy #apostate #bitchceo

#askrita #hova #swag

سنی تربوز کی اُس سٹیل کی پلیٹ پر جھکتا ہے جو پھل فروش نے کاٹا ہے۔ وہ تربوز کا سب سے بڑا ٹکڑا تلاش کرتا ہے، اُسے اپنی گود میں ابتری سے رکھ کر کھاتا ہے اور بیجوں کو سامنے سڑک کی جانب تھوک دیتا ہے۔

ٹوئٹر پر کوئی ری ٹویٹ نہیں، کوئی لائک نہیں، لیکن فیس بک پر اُسے پہلے ہی ریپلائی مل رہے ہیں۔ وہ ان کا جائزہ لیتا ہے لیکن لوگ لگتا ہے سمجھ نہیں پائے کہ اُس نے کیا کہا۔

کیا کوئی ملحد، مرتد ہوتا ہے؟

سر، آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ کو اپنے خاندان پر غصہ ہے؟ خاندان خدا کی رحمت ہوتا ہے۔

میری گرل فرینڈ میرے بہترین دوست کے ساتھ مل کر مجھ سے بے وفائی کر رہی تھی۔ دونوں غدار ہیں۔ #fml

عوز GQ اور سی این این اور حتیٰ کہ بزفیڈ (Buzzfeed) پر بھی ہے، (2017ء کے دس پُرکشش باغی) جہاں حقیقت میں لاکھوں لوگ اس کی بکواس سے متفق ہو رہے ہیں اور سنی کو سولفظی فیس بک پوسٹ پر ایک شاباش بھی نہیں مل پا رہی؟

میٹھے تربوز کے چپکتے ٹکڑے اپنی انگلیوں سے کھاتے ہوئے وہ جم کر بیٹھ جاتا ہے۔

''کل؟'' وہ اپنے کارگوٹراؤزر سے ہاتھ صاف کرتے اپنے فون سے نظریں ہٹاتے ہوئے پوچھتا ہے۔

''ہاں۔'' مونٹی اعصاب زدہ ہے۔ سنی اُسے دیکھتا ہے، محکم و پیوستہ زخم۔ ذہنی اختلال کا شکار۔ ہر جانب گھومتی، ہر طرف نشانیاں دیکھتی نظریں۔

تو یوں ہے پھر۔ کل وہ نینوا پہنچ جائیں گے اور مونٹی سے اُس کی جان چھوٹ جائے گی، شکر خدایا۔ سنی دوبارہ اپنی پوسٹ چیک کرتا ہے۔ وہی بکواس، کوئی اس کی بات نہیں سمجھا۔

''تم طالبان کتے کہیں جا کر مر کیوں نہیں جاتے؟''

اُسے بکواس سننا پڑ رہی ہے، دق کیا جا رہا ہے جبکہ عوز گردن تک داد و تحسین میں ڈوبا ہوا ہے۔

سنی آنکھیں بند کرتا اور گہری سانس لیتا ہے۔ وہ ابھی کچھ توڑ پھوڑ سکتا تھا۔ اُسے ان

کتوں والے برادران کو مار گرانا چاہیے تھا۔ ان کے جبڑے توڑ دینے چاہیے تھے، اور ان کے ہتھیار لے کر ان ہی کو گولیاں مار دینی چاہیے تھیں۔ اُسے کرنا چاہیے تھا ایسا، وہ جانتا ہے۔ وہ اسے محسوس کرتا ہے۔

وہ کوشش کرتے ہوئے کہ اس بارے میں نہ سوچے، اپنی آنکھیں جھپکتا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں بند رکھتا اور ہر شے کو دروازوں سے کہیں پیچھے دھکیل دیتا ہے۔ تمام دکھ، تمام تر تکلیف۔ وہ اس کے بارے میں نہیں سوچتا، آلوش کے بارے، اپالو کیفے کے بارے میں نہیں سوچتا۔ سنی ان چیزوں کے بارے میں نہیں سوچتا، جو رونما نہیں ہوئیں۔

وہ پا کے بارے میں نہیں سوچتا... دنیا میں اپنے ہی خاندان کے ہاتھوں تنہا چھوڑے جانے پر نہیں سوچتا، اس واحد شخص کی جانب سے جس سے اُسے حقیقت میں محبت تھی۔ سنی پلکیں جھپک کر اس سب کو پرے ہٹاتا ہے۔ یہ اُس کی طاقت ہے، اس کی حقیقی طاقت۔ وہ فرٹمین میں کار میں عوز کے بارے میں سوچتا ہے، وہ صبح جب وہ روانہ ہوا تھا۔ سنی نے اپنے کزن کو نہیں بتایا کہ گزشتہ شب وہ اُس کے گھر کے باہر کھڑا رہا تھا، نہ ہی اُسے بعد میں Kofi's جانے کا بتایا تھا یا جب نایا کے ساتھ اس سب بکواس کے بعد وہ کہاں گیا تھا۔ آلوش کے پاس سے طلوعِ آفتاب کے بعد گھر جانے کا نہیں بتایا تھا، صرف اس لیے کہ اپنا بیگ اٹھائے اور اپنا ڈیبٹ کارڈ کچن کاؤنٹر پر چھوڑ دے، پا کو اُس کا واحد الوداع۔

''تم تنگ آ گئے ہو اس دنیا سے؟'' عوز نے اُسے سٹیشن پر چھوڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

اور سنی نے سر ہلا دیا۔ ایسا ہی تھا۔ وہ اس سب سے اکتا چکا تھا۔

''تم تنگ آ گئے ہو لڑکیوں سے؟'' سنی نے سر ہلایا۔ ''تم تنگ آ گئے ہو ڈرمز اور اُس بوسیدہ کلب سے؟''

اور اگرچہ عوز نے اس کا نام نہیں لیا... سنی نے اُسے آلوش کے بارے کبھی کچھ نہ بتایا تھا، اُسے کچھ نہ بتایا تھا... اُسے تکلیف ہوئی، جیسے عوز نے سٹیل کا Plank اس کی ہڈیوں تک گھسا دیا ہو۔ آلوش بوسیدہ نہیں تھا۔ وہ ایسا نہ تھا۔ وہ خوب صورت اور خالص تھا۔

''برادران وہاں مرنے جاتے ہیں۔'' عوز نے کہا، سب جھوٹ۔

سنی مُردہ نہیں ہے۔ وہ کہیں نہیں جا رہا۔

وہ اپنی مٹھیوں کو بھینچتا اور کھولتا ہے۔ وہ آہستہ سے سانس بھرتا ہے۔ وہ سانس خارج کرتا ہے۔ وہ مٹھیاں بند کرتا اور کھولتا ہے۔ ''کیا ہونے والا ہے جب ہم وہاں پہنچ جائیں گے؟'' سنی کھڑا ہوتا اور انگڑائی لیتا ہے۔ اُسے حرکت کرنا ہو گی۔

مونٹی پوچھے جانے پر حیران دکھائی دیتا ہے۔ ''مجھے نہیں معلوم...''

سنی ریٹا کو جھلاتے ہوئے سینے تک لاتا ہے اور ہوا میں پورا راؤنڈ چلا دیتا ہے۔ پھل فروش دہشت زدہ ہو کر فرش پر گر جاتا ہے۔ سنی کو پرواہ نہیں۔ سائیکل والے لڑکے اب پیدل ہیں اور وہ گلی کے

کونے سے نکل کر چیختے اور سیٹیاں بجاتے ہوئے دوڑ جاتے ہیں۔ ان کے پتلے سنیکرز کنکریٹ پر بجتے ہیں۔ وہ مخبر رہے ہوں گے۔ کس کے؟ سنی اندازہ لگانے کا آغاز بھی نہیں کر پاتا۔

''میں بس یہاں سے شروعات کر رہا ہوں!'' سنی آسمان کی طرف منہ کرتے چلاتا ہے۔''میں لوگوں کو اپنا نام بتاؤں گا۔ وہ مجھ سے خوف زدہ ہوں گے۔ بہتر ہو کہ وہ چھپ جائیں، بہتر ہو کہ وہ خدا سے التجا کریں کہ انہیں میرے فائر سے بچا لے۔''

عوز جلد ہی سنی کے بارے میں پڑھے گا۔ میرے بارے میں، بیٹا۔

''آٹومیٹو! اکلاشنکوفا!'' سنی چلاتا ہے، اس کے کان فائر کے برسٹ سے بج رہے ہیں، جبکہ مونٹی دکان کے برابر میں خوف سے دبک جاتا ہے۔

میں یہاں اپنا نام بنانے والا ہوں۔ سنی کا دل اس کے سینے میں زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ میں کوئی مشہور آدمی بنوں گا، بالکل جیسے پاپا چاہتے تھے۔ مونٹی اپنے بیگ کی جانب رینگتا ہے، اُس کے اور سنی کے درمیان جگہ کو کلاشنکوف کا شور بھر رہا ہے۔ سنی گہرے سانس بھرتے ہوئے کھڑا مونٹی کو دیکھ رہا ہے۔ یہ اس قدر اعصابی تناؤ کا کیوں شکار ہے؟ اُسے لگتا ہے کہ وہ ظاہر نہیں۔ مونٹی کا خیال ہے کہ وہ اس بکواس کو گہرائی میں چھپائے ہوئے ہے۔ لیکن کوئی آدمی اس کی آنکھوں میں دہشت دیکھ سکتا ہے۔ جب مونٹی اپنا بیگ اٹھاتا اور اپنے ٹراؤزر سے گرد جھاڑتا ہے تو سنی اس کی پیروی کرتا ہے۔ میں تمہیں دیکھتا ہوں، میرے بھائی۔ میں پہچانتا ہوں۔

پھل فروش اچانک کہیں سے چھلانگ لگا کر نکلتا ہے اور اپنے شٹر نیچے گرانے سے پہلے سنی کی جانب اس کا چارجر اچھال دیتا ہے۔

لڑکے دوبارہ پتلی ہائی وے پر چلنے لگتے ہیں۔

''تم خوف زدہ ہو؟'' سنی کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے مونٹی سے پوچھتا ہے۔ مونٹی خاموشی سے چلتا رہتا ہے، اس کی پیشانی پر بل ہیں اور اُس کے شانے تنے ہوئے ہیں۔ وہ دھیرے سے سر ہلاتا ہے۔ سنی خوف زدہ نہیں، وہ بس اُس وقت سے پہلے مرنا نہیں چاہتا کہ جب وہ کچھ کر لے جو اُسے کرنا ہے۔ نوعمری میں اُسے Tupac Shakur کی وہ سطور بہت پسند تھیں، اس سے قبل کہ اُس نے خدا میں تسلی و دلاسا دریافت کر لیا، اناللہ وانا الیہ راجعون: ''میں بہتر ہونا چاہتا ہوں۔ تم پھلو پھولو۔ ہم سب پھلیں پھولیں۔ ہم نشوونما پانے کے لیے بنے ہیں۔ تم یا تو ارتقا پذیر ہوتے ہو یا پھر غائب ہو جاتے ہو۔'' سنی غائب نہیں ہوگا۔ وہ اس شے کی گہرائی میں اتر رہا ہے، خود کو اس میں کھو رہا ہے۔

چلتے ہوئے وہ عوز کو سبق سکھانے کے بارے میں سوچتا ہے... جس نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی، جس نے اپنی زندگی میں کسی کے لیے حقیقت میں کچھ نہیں کیا... یہ سکھانے کے بارے کہ کسی شے میں یقین رکھنے سے کیا مراد ہے۔ کچھ عظیم الشان مقصد کو واپس حاصل کرنا، اپنے لوگوں کو کسی سچائی کے لیے

بحال کرنا۔

سنی اپنی مٹھیوں کی پشت سے اپنی آنکھیں مسلتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ آیا کبھی عوز کو بھی اس کا خیال آتا ہوگا۔

وہ اپنا فون نکال کر ای میل چیک کرتا ہے۔لیکن وہاں کچھ نہیں ہے۔

اگر وہ یہاں مر جائے تو عوز کو ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے کبھی سنی کی پرواہ کی ہی نہ ہو۔

لمحے بھر کو سنی حیران ہوتا ہے کہ کیا یہ سب حقیقت ہی ہے۔

''میں فکرمند نہیں ہوں۔'' وہ مونٹی کی طرف دیکھ کر کہتا ہے۔ اُس کا چہرہ اضطراب سے زرد ہے۔''ہم تلوار کے ساتھ جیتے ہیں، ہم تلوار کے ساتھ مرتے ہیں۔''

مونٹی کندھے اچکاتا ہے۔''میں نے پہلے کبھی ایسا کچھ نہیں کیا۔''

لیکن سنی اس کی آنکھوں میں کچھ دیکھتا ہے۔

وہ ایک مختلف قسم کا خوف دیکھتا ہے، ایک بالکل اور طرح کا، اس قسم کا جو کوئی بھاری راز کو اٹھانے سے آتا ہے۔ سنی اس تاثر کو جانتا ہے۔ ہر کوئی جسے وہ جانتا ہے، یہ تاثر رکھتا ہے... عوز کے چہرے پر یہ تاثر بری طرح تھا، پا کے چہرے پر بھی، ہر وقت اُس کا دکھاوا کرتے رہنے کا تاثر جو وہ اصل میں نہیں تھے۔ حتیٰ کہ سنی کے پاس بھی یہی تاثر ہے۔ بھلا کس شخص کے ایک دو راز نہیں ہوتے؟

لیکن پھر بھی۔ مونٹی؟

وہ کیا چھپا رہا ہے؟

مونٹی

کچھ دیر بعد سب کچھ ایک سا دکھائی دینے لگا۔ سیاہ ریت، کمزور سی جھاڑیاں، پرندوں کی نیچی پرواز، بھیڑوں کو چراتے ہوئے کندھے جھکائے تنہا چرواہے۔

مونٹی کے ہاتھ اس کی جیبوں میں تھے اور آہستہ آہستہ چل رہا تھا، اس کا بدن دہشت واندیشے کے بوجھ تلے تھا۔ لمحے بھر کو اس نے تمنا کی کہ وہ یہاں اپنی ماں کے ساتھ ہوتا، جیسے وہ ہلال پارک میں کبھی کبھار ٹہلتے اور باتیں کرتے تھے، جاگرز پہنے آنٹیوں اور کانوں سے موبائل فون لگائے انکلوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے، کلومیٹر لمبے ٹریک کا چکر لگاتے۔ وہ مغرب کے بعد جاتے تھے ہمیشہ جب سورج بادلوں کے پیچھے ڈوب رہا ہوتا اور کوے تاریک ہوتے آسمان پر غوطے لگا رہے ہوتے تھے۔ زہرہ کی (باطنی) تبدیلی کے بعد مونٹی اُس کا واحد حقیقی دوست تھا۔ مونٹی کو کسی سے بات کرنے، حقیقت میں بات کرنے کی کمی محسوس ہوئی۔

گھر سے نکلنے کے بعد سے اُس نے خود کو اپنے والدین کے بارے میں زیادہ سوچنے کی اجازت نہ دی تھی۔ صرف اُس کی ماں ہی نے اُس کے یہاں آنے کی حمایت کی تھی۔ اکبر احمد نے اپنے بیٹے کو ملازموں کے سامنے تھپڑ مار کر اور اپنا تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے ذاتی توہین کے طور پر لیا تھا۔ تم اس خاندان کی بربادی ہو، اکبر احمد چیخے تھے، اُن کی ارغوانی ٹائی اُن کی گردن کے گرد تنگ ہو رہی تھی، ان کے چہرے کا رنگ اشتعال سے سرخ تھا... یہ الفاظ تھے جو مونٹی نے کوشش کی کہ اپنے ساتھ لے کر نہ چلے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ہمیشہ کی طرح، اس کا باپ اپنے بزنس کے بارے فکرمند تھا اور یہ کہ کیسے حالات ہوں گے۔

وہ مونٹی سے لاتعلقی کا اعلان نہیں کرنا چاہتا تھا، حقیقت میں نہیں۔ وقت کے ساتھ اُس کی ماں انہیں ٹھنڈا کر دیتی۔ زہرہ کو اپنے بیٹے کا خدا کی راہ میں کام کرنے کا خیال پسند آیا تھا۔ اگرچہ وہ یہ نہ دیکھ پائی کہ مونٹی یہاں اس لیے نہیں آنا چاہتا تھا۔ زہرہ اپنے بیٹے سے جس قدر بھی قریب تھی، وہ اسے بالکل نہ جانتی تھی۔

اُس نے کوشش کی کہ ماضی کے بارے میں نہ سوچے، وہ جانتا تھا کہ اگر وہ لیلیٰ سے دوبارہ مل پاتا، اپنی زندگی بھر کی محبت سے، اُسے توجہ مرکوز کرنا تھی۔

مونٹی نے سنی کو دیکھا، اُس کی آنکھیں جوش وخروش سے روشن تھیں۔ وہ آٹھ شاید نو مہینے پہلے موصل آیا تھا۔ مونٹی نے اپنے دماغ میں حساب کتاب کیا۔ یہ تقریباً وہی وقت تھا جب لیلیٰ آئی تھی۔

''تم کچھ خون کے لیے تیار ہو؟'' سنی نے مونٹی کی طرف دیکھنے کو چہرہ اٹھاتے ہوئے اس کے خیالوں میں مداخلت کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھیں سکڑی ہوئیں اور تاریک تھیں۔

''نہیں۔'' مونٹی نے اپنے ہاتھ اپنی جیبوں میں مزید گاڑتے ہوئے تیوری چڑھائی۔ اکثر و بیشتر وہ سنی میں کسی ظلم کی چمک دیکھتا تھا، کچھ سخت پن۔

شاید یہ سب اُس انداز کے باعث تھا جب وہ پریشانی میں اپنے جبڑے بھینچتا تھا یا جب اُسے محسوس ہوتا کہ آپ اُسے دبا رہے تھے تو اس کا چہرہ جس انداز میں بگڑتا تھا۔ سنی کو پڑھنا مشکل تھا، وہ اتنے بہت سے نقاب پہنتا تھا۔ ہر مرتبہ جب مونٹی یہ خیال کرتا کہ وہ سب نقاب دیکھ چکا تھا، اُس کی آنکھوں کے سامنے پھسل کر ایک نیا نقاب آجاتا۔ مونٹی نے اب سنی کو دیکھنے کے لیے دھوپ سے اپنی آنکھیں بچانے کی خاطر اپنا بازو اٹھایا، اطمینان سے چلتا ہوا، سکون کا ایک آئینہ۔ ''کیا تم؟''

سنی نے اپنا رخ مونٹی کی طرف کیا اور مسکرایا۔ ''بے بی، تم یہاں اور کیا کرنے آئے ہو، اگر کسی کافر کی جان لینے نہیں؟''

''میں یہاں جینے کے لیے آیا ہوں۔'' مونٹی نے اپنا ہاتھ نیچے گراتے ہوئے کہا۔ میں یہاں ایک لڑکی کی تلاش میں آیا ہوں، اس لڑکی کے ساتھ رہنے جس سے مجھے محبت ہے، لیلیٰ کے ساتھ رہنے کے لیے۔ لیکن اُس نے یہ سب کہا نہیں۔

''میں یہاں کسی خوب صورت شے کا حصہ بننے آیا ہوں۔''

سنی

''لاذقیہ میں تم غروبِ آفتاب کے وقت بحیرۂ روم کے ساتھ ساتھ سفر کر سکتے ہو۔'' آلوش نے اپنی بات کی درمیان میں اپنے سگریٹ کا دھواں چھوڑا۔ ''تم چوبی کشتیوں میں پانی پر تیرتے ہو جن کے بادبان نقابوں کی طرح پھڑ پھڑاتے رہتے ہیں۔''

اُس کی لمبی پلکیں اتنی سیاہ تھیں کہ لگتا تھا جیسے اس نے اپنی آنکھوں پر پنسل استعمال کی ہو۔

''وہ پرانی کشتیاں ہیں جو رومنز ہمارے پانیوں پر نقل و حرکت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ تکونے بادبان والی Lateens، بادبان کو ہم یہی کہتے ہیں، وہ ہوا کے مقابل پانی کی سطح کو چھوتے ہوئے تیرتی ہیں۔''

اس کی کچھ سمجھ نہیں آئی: سنی دنیا کے متعلق کچھ جانتا تھا، اس میں سے کچھ بھی وضاحت نہ کر سکتا تھا کہ وہ کیا محسوس کرتا تھا؛ تاریخ اور وقت کے سمندروں کے پار کوئی علم ترجمانی نہ کر سکتا تھا؛ زیرِ زمین رہ کر گزاری زندگی سے جو کچھ مشاہدات اُس نے سیکھے تھے، ریڈار سے پرے، غیر مرئی اور نادیدہ۔

جب وہ اپالو کے چھوٹے سے سٹیج پر ہوتے تو ان کے جسم ایک دوسرے کی طرف کشش کیوں کرتے تھے؟ جب وہ ایک دوسرے کو ڈرم دیتے اور علی کی سخت انگلیاں اُس کی نرم اور ابھی تک سالم انگلیوں سے مس ہوتیں تو سنی جو تحریک محسوس کرتا تھا، اس بارے میں کس کو بتا سکتا تھا؟

جب تہ خانہ مخفی فلاسک سے اپنے چائے کے کپوں میں وہسکی انڈیلتے لوگوں سے بھر جاتا اور موسیقی اتنی بلند آہنگ ہوتی کہ دیواریں بج رہی ہوتیں، آلوش سنی کو اس کی گردن کی گدی کو اپنی ہتھیلی سے تھام کر اپنی جانب کھینچتا اور اس کے کان میں بات کرتا۔ اس کی سانس میں ہمیشہ نیند کی بُو ہوتی، کچھ باسی، کچھ تیز۔ سنی کیسے وضاحت کر سکتا تھا کہ ان لمحوں میں وہ ڈی جے کو کیوں چھونا چاہتا تھا، اس کے سخت کھردرے ہاتھوں کو تھامنا، آلوش کے سیاہ گھنگھرالے بالوں میں اپنی نرم انگلیاں پھیرنا، اُس کے بھرے بھرے ہونٹوں کے گوشوں سے گولڈ لیف تمباکو کو پونچھنا چاہتا تھا؟

جب سنی اُسے دیکھتا تو اسے محسوس ہوتا کہ علی کا جسم یوں حرکت کرتا تھا جیسے خود اس کا ہو۔ اس

کے شانے کی ہر جنبش، اس کی ہر مسکراہٹ... سنی نے وہ سب محسوس کیا۔

آلوش سے ان بادبانوں کا سن کر جو سمندر کو سہلاتے تھے، سنی نے ان راتوں کا سوچا جب وہ اپنے تاریک بیڈروم میں لیٹا چھت سے باتیں کرتا تھا۔ ''اگر کسی طور تم میرے ہو سکتے۔'' اُس نے اپنے سرد انگلش ہاؤس کی اینٹوں اور سیمنٹ کو سرگوشی میں نظم سنائی۔ ''تو دنیا میں کیا ممکن نہ ہوتا؟'' سنی نے خود سے وعدہ کیا کہ کسی روز وہ جان لے گا کہ ان بھاری کھردرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی حدت میں تھامنا کیسا محسوس ہوگا۔ سنی نے بلائنڈز پر گرد اور نظرانداز کی باریک تہ سے وعدہ کیا کہ وہ آلوش کی سانس، نیند کی باس کو اپنے پھیپھڑوں میں اتارتے ہوئے ان ہونٹوں کو بوسہ دے گا۔ سنی نے میلے زرد پردوں سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی آنکھیں بند نہیں کرے گا۔ وہ انہیں کھلی رکھے گا اور آلوش کی ابر آلود آنکھوں پر پلکوں کو شمار کرے گا۔

سنی نے اب یاد کرنے کی کوشش کی کہ آیا وہ سب حقیقت تھا۔

اگر آلوش کی پلکیں واقعی اتنی سیاہ تھیں، اگر اُس نے اس سے واقعی مقدس پانیوں کی بات کی تھی، آیا اُس نے کہا تھا کہ کسی روز سنی کو دمشق کو دیکھنا چاہیے، آیا اُس نے واقعی کہا تھا کہ سنی کو چل کر اُس کا گھر دیکھنا چاہیے۔

''تمہیں وہ اچھا لگے گا۔'' آلوش نے کہا... کیا اُس نے یہ کہا؟... اپنا کانسی کا دلتہ (کافی کا برتن) چولہے پر رکھتے ہوئے یہاں تک کہ کافی ابلنے لگی، پھر اسے ایک دو تین بار جھٹکتے ہوئے کہ اٹھتی جھاگ کافی پر ایک موٹی تہ بنا لے۔

وہ تقریباً صبح کاذب کا وقت تھا اور سنی اسے اپنی بانہوں میں لیے، اس کے بدن کی حدت میں، اس کے عریاں دل کے گرد بانہیں ڈالے، آلوش کے عقب میں کھڑا تھا۔

آلوش نے شعلہ بجھایا اور اپنا سر سنی سے ٹیک لیا جس نے اسے نہیں بتایا تھا... بتا نہ سکا تھا... کہ چار گھنٹے بعد وہ جہاز میں سوار ہوگا۔

''ایک روز...'' سنی نے الائچی کی خوشبو میں سانس بھرتے ہوئے کہا جو آلوش کی جلد کو مہکائے ہوئے تھی۔ ''تم مجھے وہ دکھاؤ گے۔''

ایک روز، آلوش نے دہرایا۔

الفاظ اس کے ہونٹوں پر امید کے ساتھ معلق تھے، یوں جیسے ہر لفظ سے اُس کی یہی مراد تھی۔

ایک روز۔

مونٹی

نشانیاں تھیں۔ مونٹی کو بس یہ معلوم نہ تھا کہ انہیں کیسے پڑھنا تھا۔

انہیں سکول سے ہفتہ بھر چھٹی تھی، مڈٹرم بریک۔ ''کیا تم کافی پینے چلنا چاہو گی؟'' مونٹی نے لیلیٰ کو میسج کیا مگر اُس نے جواب نہ دیا۔ گھنٹوں بعد اُسے صرف ایک لفظی جواب ملا: نہیں۔

''کیا تم فلم دیکھنا چاہو گی؟'' اُس نے دو روز بعد میسج کیا۔ نیو پلیکس میں کیرامل پاپ کارن؟ مگر پھر سے، ایک لفظ، جیسے وہ اس کے پیغامات پڑھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کر رہی تھی: نہیں۔

چھٹیوں کے پانچویں روز، مونٹی نے گولڈ کارڈ آزمایا۔ ''کیا تم ساحل سمندر جانا چاہو گی؟'' اسے لیلیٰ کے ٹائپ کرنے کے گرے ببلو دکھائی دیئے۔ وہ ایک منٹ اسے پر جوش کرتے ہوئے اس کے سامنے ڈگمگاتے ابھرتے رہے، اور ایک بار پھر: نہیں۔

مونٹی ساری چھٹیاں اُسے فون کرتا رہا، اسے بہ مشکل کوئی جواب ملا۔ اُس کے آئی میسجز اُس تک پہنچ رہے تھے اور اُس کے واٹس ایپ پیغامات پڑھے جا رہے تھے۔ لیکن چاہے اُس نے جتنی دیر بھی انتظار کیا، لیلیٰ نے کبھی جواب نہ دیا۔

جب اس نے فیس ٹائم پر رابطے کی کوشش کی ہمیشہ آڈیو تا کہ اُن کی گفتگو لیلیٰ کے بھائی کے کانوں میں پڑے بغیر وہ اس سے بات کر سکے، وہ اس کی کالز کاٹ دیتی۔ لیکن مونٹی کو یہ خیال نہ آیا کہ وجہ وہ تھا۔ اسے کبھی یہ بات نہ سوجھی کہ خود اُسی میں کچھ خرابی تھی۔

اس نے تصور کیا کہ یہ شہر تھا... بجلی کا جانا، انٹرنیٹ کی خرابی، ہوسکتا ہے اس کی ماں کی وجہ سے مشکل پیش آ رہی ہو۔ یوں چھٹیوں کے ختم ہونے سے ایک رات پہلے، جب بالآخر لیلیٰ نے اسے نصف شب کو جگاتے ہوئے فون کیا، مونٹی کے تمام دفاع کمزور پڑ چکے تھے۔

''کیا تم نے میری کمی محسوس کی؟'' لیلیٰ نے اس لہجے میں بات کی جسے وہ تب استعمال کرتی جب دیر ہو چکی ہوتی اور وہ اسے چاہتی تھی۔

''ہاں۔'' مونٹی نے اونگھتے ہوئے بستر پر سیدھے ہو کر بیٹھتے کہا۔ ''بہت۔''

''تم نے میرے متعلق کس چیز کی کمی محسوس کی؟'' لیلیٰ کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔ مونٹی پس منظر میں شور سن سکتا تھا... لوگ اور کسی قسم کا شور، جیسے ٹی وی اونچی آواز میں چل رہا ہو۔ لیلیٰ آواز سے کچھ من موجی سی محسوس ہوئی، ہوسکتا ہے کہ کچھ ہیجان زدہ، بتانا مشکل تھا۔

''میں نے تمہاری پوری کی پوری کمی محسوس کی۔'' مونٹی نے اپنے تکیوں سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا، ''مجھے تمہارا چہرہ تمہارے بال، تمہارے ہاتھ یاد آئے۔ یہ کیسا شور ہے، لیلیٰ؟''

''اور کیا؟''

''کیا تم کہیں باہر ہو؟''

''کہتے جاؤ۔'' لیلیٰ نے فون کو اپنے چہرے سے اس قدر قریب کر لیا کہ مونٹی اُس کی پھولتی سانسوں تک کو سن سکتا تھا۔

''میں نے تمہارے لمس کی کمی محسوس کی۔''

''تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں کہاں چھوؤں؟''

''ہر جگہ...''

''نہیں۔'' لیلیٰ نے اپنے شوخ ہوتے لہجے میں کہا، ''مجھے بتاؤ کہ کہاں۔''

''میری گردن۔'' مونٹی نے سرگوشی کی۔ لیلیٰ کی تمام تر بے باکی کے باوجود، مونٹی اُس کے ساتھ آخری حد تک نہ جا سکا تھا۔ ہیجان میں آنے سے پہلے ہی وہ رک جاتے تھے۔ وہ اس کا احترام کرتا تھا، اُس نے کہا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ لیلیٰ ایسا کچھ کرے، ابھی نہیں۔ لیکن سچ یہ تھا کہ وہ اسے بے چین کر دیتی تھی۔ ''میری گردن، جب تم مجھے بوسہ دیتی ہو۔''

''اور کہاں؟''

''میری کمر۔'' وہ اس کی آواز میں اچانک در آنے والی جھلاہٹ کو محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے لیلیٰ کے بارے میں سوچا، کسی مووی یا پارٹی میں سے چوری چھپے نکلتی ہوئی لیلیٰ تاکہ اس سے فون پر بات کر سکے اور مسکرا دیا۔ لیکن پھر اُس نے اپنے فون پر وقت دیکھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے۔ اس وقت کوئی سینما نہ کھلے تھے۔ کوئی بھی جنہیں وہ جانتے تھے، اس وقت پارٹی نہ کر رہے ہوتے، سکول سے پہلے اتوار کے روز تو نہیں... نہ اُس وقت۔

''لیلیٰ تم کہاں ہو؟''

''مجھے بتاؤ مونٹی۔'' لیلیٰ نے بے صبری سے دہرایا۔ ''مجھے کچھ حقیقت میں بتاؤ۔''

''مجھے تم سے محبت ہے، لیلیٰ۔'' مونٹی نے اچانک بیدار ہوتے، اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اُس نے دوبارہ وقت دیکھا، وہ اس وقت کہاں تھی؟ مونٹی نے پس منظر کے شور کو سننے پر زور دیتے ہوئے احتیاط سے کان لگائے، وہ کوئی پارٹی نہ تھی، وہ ٹی وی بھی نہ تھا۔ وہ کوئی اناؤنسمنٹ سسٹم تھا، ریڈیو کی طرح۔ آواز

آئی اور پھر خاموشی چھا گئی، آواز آئی اور پھر خاموشی۔

''یہ اچھی بات نہیں، مونٹی۔'' لیلیٰ نے جواب دیا۔ اس کا موڈ یکا یک برہم ہو گیا۔

وہ اس وقت اس سے بحث کرنا یا اُس کی کسی بارودی سرنگ پر پیر رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ ''تمہارا کیا مطلب ہے؟ میرے پاس یہی سب ہے۔''

''میرا وہی مطلب ہے جو میں نے کہا، مونٹی... یہ کافی نہیں۔ میں شیرنی ہوں، سنا تم نے مجھے، مونٹی؟ میں ایک درندہ ہوں، مجھے کچھ اصلی دو۔''

اس سے پہلے کہ وہ جواب دے پاتا، اس سے پہلے کہ وہ سوچ پاتا کہ کیا کہے... وہ کس بارے میں بات کر رہی تھی...؟ لیلیٰ دوبارہ شور کی جانب بڑھ گئی۔ اس نے اناؤنسمنٹ سسٹم کو دوبارہ زندہ ہوتے سنا، ایک ابھرتی اور اسی تیزی سے ختم ہوتی ہوئی آواز۔ کیا وہ ائیر پورٹ پر تھی؟

''میں جا رہی ہوں، مونٹی۔''

اُس نے بس یہی کہا۔

''میں اب جا رہی ہوں، خیال رکھنا۔''

اُس نے اپنے فون کو دیکھا، وہ کتنا چاہتا تھا کہ اُسے دیکھے، اُس نے کیمرا آن کرنے کے لیے بٹن تلاش کیا، مگر جب اس نے فون اونچا کیا تو لیلیٰ جا چکی تھی۔

مونٹی نے اُسے کال کرنے کی کوشش کی؛ اُس نے میسج کیا اور کال کی لیکن رابطہ نہ ہو سکا۔ اگلے روز سکول جاتے ہوئے جب تانو ٹریفک میں سے راستہ نکال رہا تھا، اس نے کار میں اس کا فون نمبر ڈائل کیا۔ نمبر جو لیلیٰ نے اُسے دیا تھا تو ایک خودکار پیغام نے بتایا کہ اس نمبر سے رابطہ ممکن نہ تھا۔

اُس نے ناشتہ نہیں کیا تھا، اُن کی لڑائی کے بعد وہ بہ مشکل ہی سو پایا تھا۔ سکرین کی بورڈ کو اس نے ٹٹولا اور لیلیٰ کو بے تکے پن سے ایک ای میل لکھنے کی کوشش میں، اس کی انگلیاں غلط حروف پر منڈلائیں۔

Laiyal...Llaay...

''آہستہ چلو۔'' موٹر بائیکس اور رکشوں کے درمیان سے گزرتے تانو پر وہ بڑبڑایا، ''میں دیکھ نہیں پا رہا۔''

Lyala where r u. (لیلیٰ، تم کہاں ہو۔)

جب مونٹی سکول پہنچا تو لیلیٰ وہاں نہیں تھی۔ وہ جا چکی تھی۔ ''تمہیں نہیں معلوم؟'' جب وہ لنچ کے لیے لاؤنج میں بیٹھے تو کاشف نے اُس سے پوچھا۔ ''اس کا نام اب مزید درج نہیں۔''

''اندراج نہیں؟'' مونٹی نے الفاظ دہرائے جس دوران کاشف اور شاویز نے ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھا۔

''اسے نکال دیا گیا تھا۔'' شاویز نے آہستگی سے کہا جو مونٹی کی حالات سے متعلق لاعلمی پر حیران تھا۔ ''ہر کوئی اس بارے میں بات کر رہا ہے۔ اُس نے تمہیں نہیں بتایا؟'' لیکن کاشف نے اُسے گھور کر دیکھا اور شاویز چپ ہو گیا۔

لیلیٰ سکول چھوڑ چکی تھی، مگر سب بس اسی بات پر متفق تھے۔ اس کی ماں نے اسے سکول سے اٹھالیا۔ وہ مری میں لڑکیوں کے کانونٹ میں جا رہی تھی۔ وہ اپنی کسی خالہ کے ساتھ رہنے کے لیے لاہور چلی گئی تھی۔ وہ شادی شدہ تھی۔ وہ حاملہ تھی۔ وہ مغرور تھی۔ وہ جیل میں تھی۔ وہ ملک چھوڑ کر جا چکی تھی۔ وہ سب افواہیں امریکن سکول میں گردش میں تھیں۔ لیکن کوئی بھی مونٹی کو نہ بتا تا کہ کیوں... پہلی بات تو یہ کہ لیلیٰ چھوڑ کر گئی ہی کیوں تھی؟

لنچ کے دوران مونٹی کو ایک ایک کے پاس جاتے دیکھ کر شاویز اُسے ایک طرف لے گیا جب وہ اُن سے پوچھ رہا تھا کہ انہوں نے آخری بار لیلیٰ کو کب دیکھا تھا۔

''یار، اُسے سکول سے نکالا گیا ہے۔'' شاویز نے صبر سے وضاحت کی، ''تم کیا کر رہے ہو؟''

لیکن یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ''کچھ ہے جو تم مجھے نہیں بتا رہے۔'' مونٹی نے اپنا سر جھٹکا۔ ''اُسے سکول سے کیوں نکالا جائے گا؟'' شاویز نے اپنے ہاتھ اٹھا لیے۔ ''پیغام بر کو گولی مت مارو، بھائی۔''

مونٹی کے دل میں تکلیف ہوئی۔ لیلیٰ کیا کر بیٹھی تھی؟

جیسے ہی سکول ختم ہوا، وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا اور تانو کو گلشن چلنے کا حکم دیا۔ ''صاحب۔'' تانو نے مونٹی سے آنکھیں چراتے ہوئے حجت کی۔ ''میرا نہیں خیال کہ ہمیں جانا چاہیے۔'' مونٹی نے اصرار کیا، گلشن، ابھی۔ لیکن گلشن میں کہاں، مونٹی نہیں جانتا تھا۔ وہ لیلیٰ کو اس کے گھر تک چھوڑنے کبھی نہ گیا تھا، وہ ہمیشہ اُسے سکول چھوڑ کر سو روپے تھما تا تا کہ وہ واپسی کے لیے رکشہ لے لے۔ گندی، تنگ گلیاں اس کے لیے اجنبی تھیں، اور جگہ کے لیے ایک دوسرے پر ہجوم کرتے ہوئے ہر گلی اپارٹمنٹ عمارتوں سے بھری پڑی تھی جو بے ترتیبی سے آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھیں۔ اُسے خیال ہوا تھا کہ گلشن اس کے علاقے جیسا ہوگا، صاف ستھرے بنگلو جہاں ہر گھر کے باہر نام کی تختی لگی ہوگی۔ مونٹی پہلے کبھی کراچی میں اتنی دور نہ آیا تھا۔ اس نے اپنی نظریں سڑک پر رکھیں، محتاط کہ ان آدمیوں کی آنکھوں میں نہ جھانکے جو کھڑکیوں کو اپنی چکنی انگلیوں سے داغ دار کرتے ہوئے اس کی سلور Audi میں جھانکنے کو جھکے تھے۔

دھلے کپڑوں سے بھری تمام بالکنیوں والی اور پنجروں کی طرح دھاتی جنگلوں میں ڈھکی ہوئی تمام عمارتیں، سب اسے ایک جیسی لگیں۔ اسے ان لڑکوں کا خیال آیا جو آنکھوں کے گرد نارنجی دائرے والی مینا پکڑ کر ٹریفک لائٹس پر بیچتے تھے۔ آپ رحم کھا کر جال میں پھنسے تین چار پرندے خرید لیتے، صرف اس لیے کہ گھر لا کر انہیں کھلے آسمان تلے آزاد کر دیں، لیکن پرندے قید میں تربیت یافتہ تھے اور وہ واپس لڑکوں کے پاس پہنچ جاتے جو انہیں کبھی بھی آزاد نہ ہونا سکھا کر، پکڑتے اور دوبارہ فروخت کر دیتے تھے۔

مونٹی اُس مینا کی طرح محسوس کرتے ہوئے واپس کلفٹن پہنچ گیا، اس تکلیف میں غرق جس سے نمٹنے کے لیے اُس کے پاس کوئی طریق کار نہ تھا۔

اُس نے یہ جاننے کی کوشش کرتے لیلیٰ کو روز فون کیا کہ آیا وہ افواہیں درست تھیں۔ کیا واقعی اس کی شادی ہوگئی تھی یا وہ ایئر سٹیورڈیس بن گئی تھیں؟ کیا منشیات کے سلسلے میں اُسے گرفتار کرلیا گیا تھا؟ دوسرے کسی بھی سکول میں جن سے وہ واقف تھا، اُس کا کوئی ریکارڈ نہ تھا... نہ گرامر میں، نہ بے ویو، نہ ہی لائسیم میں۔ اس نے اَپ ڈیٹ کے لیے فیس بُک چیک کیا، مگر اس کا اکاؤنٹ بند ہو چکا تھا۔ اس نے سکول میں لڑکیوں سے پوچھنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے لیلیٰ سے متعلق کسی معاملے میں ملوث ہونے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

''اگلی مرتبہ، ایسی واضح شامت کا انتخاب کرنا، مونٹی۔'' ساریہ نے آواز کسی جبکہ باقی سب دبی دبی ہنسی ہنسے۔ لیکن وہ سب بس حاسد تھیں۔ کسی نے ان کی ویسے پرواہ نہ کی تھی جیسے وہ لیلیٰ سے محبت کرتا تھا۔

وہ کوئی غیر ملکی تھا جس کے ساتھ وہ بھاگ گئی تھی، لوگوں نے کہا۔ وہ غیر ملکی تھا اور سفید فام، یا انڈین، یا عمر رسیدہ، اور قطعی طور پر وہ شادی شدہ تھی یا حاملہ۔ اس کے بھائی نے بڑی رقم کا مطالبہ کیا تھا، جیسا کہ لاکھوں میں... روپے، ظاہر ہے: کسی دوسرے ہفتے یہ گپ تھی۔ مونٹی کو فیروز کے عرب گاہکوں سے متعلق لیلیٰ کی کہانیاں یاد آئیں، کیسے وہ انہیں انٹرٹین کرتا تھا اور ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا تھا۔ کیا اُس نے اپنی بہن کے ساتھ بھی یہی کیا تھا؟ کیا فیروز نے رقم کے بدلے اُس کی شادی کر دی تھی؟

اپنی مایوسی کی انتہا پر، مونٹی نے حتیٰ کہ فیروز کو فون کرنے کا بھی سوچا۔ لیکن جیسے ہی اُسے یہ خیال آیا، وہ جان گیا کہ افواہیں غالباً سچ تھیں۔

''مونٹی۔'' ہر وقت لیلیٰ سے متعلق باتوں پر برافروختہ ہو کر شاویز نے اُسے شانوں سے تھاما۔ ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں: وہ شادی شدہ نہیں۔''

کاشف جو عموماً اس ساری الجھن سے پرے رہنا پسند کرتا تھا، اس نے یہ نشان دہی کی کہ کسی کو بھی شادی کرنے پر سکول سے کبھی نہیں نکالا جاتا تھا۔ لیکن اُن کے سکول میں کبھی کسی کی شادی ہوئی بھی تو نہیں تھی، مونٹی نے جواب میں کہا۔ وہ لیلیٰ کو اتنا نہیں جانتے تھے جتنا کہ وہ۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کرنے کے قابل تھی۔

اُسے لیلیٰ کا بھاگی ہوئی دلہن کے طور پر تصور کرنا تکلیف دیتا تھا لیکن یہ اُس خاموشی سے کم تکلیف دہ تھا جس میں وہ اُسے چھوڑ گئی تھی۔ مونٹی کو لیلیٰ کے غائب ہونے کی وجہ درکار تھی... کوئی بھی وجہ، کچھ بھی، جب تک کہ وہ وجہ وہ خود نہیں تھا۔ وہ اپنا فون بند نہیں کر سکتی تھی، اس سے قطع تعلقی اور سکول چھوڑ دینا محض اس لیے کہ وہ اکتا گئی تھی۔ اگر اس کی وجہ کچھ ڈرامائی تھی تو ٹھیک تھا، کم سے کم وجہ مونٹی نہیں تھا۔

''تمہیں ہوش ہے؟'' شاویز نے بے چینی سے اپنے بازو پر خارش کرتے کہا، ''کس قسم کی لڑکی صرف اس لیے سکول چھوڑ دیتی ہے کہ وہ اپنے ''بوائے فرینڈ'' سے اکتا چکی ہے؟''

کاشف نے اتفاق کیا۔ ''مونٹی، یہ کچھ واقعی... چل مارو یار۔''

مونٹی کو اچھا نہیں لگا جس طرح شاویز نے ''بوائے فرینڈ'' کہا تھا: اس کا کیا مطلب تھا بھلا؟ اسے اچھا نہیں لگا کہ وہ اس موضوع کو ختم کرنے کے کتنے مشتاق تھے، یوں جیسے وہ کچھ چھپا رہے تھے۔ اُس نے نوٹس کیا کہ جب وہ لاؤنج میں قدم رکھتا تو کیسے لوگ بات کرنا بند کر دیتے تھے، اور کیسے وہ مسکراتے اور بات کرنے سے اجتناب کرتے جب وہ پوچھتا کہ آیا انہیں لیلیٰ کی کوئی خبر ملی تھی۔

کچھ برا ہوا تھا، اس کی علامات تھیں۔

بس کالز تھیں، وہ شور جو اُس نے اتوار کی شب سنا تھا۔ وہ کال جب اُس نے اُس سے کچھ حقیقی، کچھ سچائی کا پوچھا تھا اور مونٹی کسی بچے کی طرح سمجھ نہ پایا تھا کہ ان کے متعلق کچھ غلط کچھ جھوٹا تھا۔

اس کی تمام کتابوں اور خاکستری لاکر کی ساری دیواروں سے اب بھی عطر اور باسی سڑے ہوئے گلابوں کی خوشبو آتی تھی۔

لاؤنج میں ارشاد کا اصرار تھا کہ مونٹی لیلیٰ کا بل ادا کرے جس میں ان Snickers اور کوک اور چلی چپس کا اندراج تھا جو لیلیٰ نے بہار کی چھٹیوں سے پہلے خریدے تھے۔ اُس کا لاکر ایک نئے طالب علم کے حوالے کر دیا گیا تھا جسے مونٹی پہچانتا نہ تھا۔ پھر ایک سہ پہر جب گھنٹی بجی اور وہ لائبریری سے باہر نکلا تو اُسے پارکنگ لاٹ میں فیروز دکھائی دیا۔

لیلیٰ کے بھائی نے چمکتی ہوئی چست لیدر جیکٹ اور بوٹ پہنے ہوئے تھے جو اس کے چلنے کے دوران کنکریٹ پر آواز دیتے تھے۔ اس نے سکول کا چکر لگایا۔ فیروز گیٹ سے ذرا پہلے رکا، ایک کالی ٹویوٹا کرولا میں بیٹھا، انجن سٹارٹ کیا اور جلدی سے سکول سے نکل گیا۔ وہ نئے ماڈل کی کرولا تھی۔ اس سرمئی ڈبے سے کم سے کم پانچ گنا مہنگی جو فیروز چلایا کرتا تھا۔ سکول میں اُس نرس کے ذریعے باتیں اڑنے لگیں جو سب جانتی تھیں، یہ کہ وہ لیلیٰ کے پاسپورٹ کے بارے میں کچھ کرنے سکول آیا تھا۔ اگرچہ اس کی کوئی تک سمجھ نہیں آتی تھی۔ امریکن سکول کراچی کے پاس لیلیٰ کا پاسپورٹ کیوں ہوتا؟

میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اس کا کوئی بوائے فرینڈ ہے، مونٹی نے کاشف اور شاویز سے کہا جب وہ لاؤنج میں پول کھیل رہا تھا۔ میں شرط لگا سکتا ہوں وہ پہلے سے کسی کے ساتھ ہے۔

شادی بے حد دُور دراز خیال تھا، مونٹی کو اس بات تک پہنچنے میں ایک وقت لگا تھا۔ لیکن وہ صرف اس لیے سکول کیوں چھوڑ گئی کہ اس کا کوئی نیا بوائے فرینڈ تھا؟

اُس کے دوستوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کچھ نہ بولے۔

مونٹی نے پول Cue پر نیلا چاک رگڑا اور یوں ظاہر کیا جیسے اُسے پرواہ نہ تھی، جیسے وہ بہت سی

لڑکیوں سے مل چکا تھا۔ جیسے اُس نے لیلیٰ کی خاطر کبھی سسکیاں نہ بھری تھیں اور سینکڑوں میسجز اور ای میلز میں اُس سے واپس لوٹنے کے لیے التجا نہ کی تھی۔

''اُسے بھول جاؤ بس۔'' شاویز نے مونٹی کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا، ''چھٹیوں کے بعد سے بہت کچھ ہو چکا ہے۔''

''ہاں۔'' مونٹی نے جواب دیا۔ ''سب ٹھیک ہے، مجھے پرواہ نہیں۔'' اس کے پھیپھڑوں کی گہرائی میں اٹھتی تکلیف، اس قدر بوجھل، کہ اُسے اس کو اپنے اندر ہی رکھنے کی خاطر جھوٹ کی ضرورت تھی۔

''ہاں یار، میرے لیے بھی بہت کچھ ہو چکا ہے، تم جانتے ہو؟''

''میں جانتا ہوں یار۔'' شاویز نے سر ہلایا لیکن مزید یہ کہے بغیر رہ نہ سکا، ''اور وہ خود سے نہیں گئی، مونٹی۔ اسے سکول سے نکالا گیا تھا۔''

سہ پہروں کو، مونٹی اپنے کمرے میں بیٹھا روتا رہتا۔ سکول کے بعد وہ گھر آیا اور اپنا دروازہ لاک کر لیا۔ اُس نے اے سی آن کیا اور تمام بتیاں بجھا دیں۔ اس نے اپنے آئی پوڈ کو بلند آواز میں Shuffle پر لگا دیا اور چادروں تلے لیٹ کر رونے لگا۔ وہ ڈرنک کرنے لگا، جتنی وہ کر سکتا تھا، اتنی کہ ہر رات اپنے ہوش کھو دیتا۔ یہ واحد آرام تھا جو وہ حاصل کرتا، لیلیٰ کے دکھ اور اُس کی گمشدگی سے واحد سکون۔

وہ کچھ کھا نہیں پاتا تھا، سو نہیں پاتا تھا، اپنے ٹھیک ٹھاک ہونے کا دکھاوا نہ کر پاتا تھا۔ ایک مرتبہ سکول کی گھنٹی بجتی اور وہ اس گھر کو واپسی پر مجبور ہوتا جو کبھی بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی۔

کچھ غلط تھا، اس کی بس کوئی وضاحت نہ ہو سکتی تھی۔ مونٹی اسے پوری طرح محسوس کر سکتا تھا۔

لیلیٰ

مجھے اپنے سکول کے لیے پاسپورٹ چاہیے، لیلیٰ نے فیروز کو کئی ہفتے پہلے بتایا تھا۔ وہ پاسپورٹ اسے دینا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کے نئے نام لیلیٰ یوسف سے دستاویزات کا انتظام فیروز کے پولیس میں شناسا کے ذریعے ہوا تھا۔ فیروز نے مردم شماری کے ریکارڈ میں زنوبیا کا خاندانی نام مٹانے کے لیے اُسے رقم دی تھی اور پھر تمام صحیح مہروں، ہالوگرام اور بائیومیٹرک ڈیٹا کے ساتھ پورے خاندان کے نام شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور ڈرائیونگ لائسنس کے اجرا کے لیے اضافی رقم دی تھی۔ جب پاسپورٹ کے لیے تصویر اتروانے کی خاطر فیروز، لیلیٰ کو لے کر آیا تو اس کا پولیس والا شناسا انہیں دفتر کے باہر ہی ملا اور چوری چھپے اندر لے گیا۔ فیروز نے اصرار کیا کہ تصویر میں لیلیٰ اپنے بال ڈھانپ لے، انہیں دوپٹے کے نیچے اڑس لے۔ اس طرح یہ بہتر دکھائی دے گا، اُس نے کہا۔ زیادہ قابلِ یقین۔

''یوسف؟'' زنوبیا کے چہرے پر ناپسندیدگی سے لکیریں نمودار ہو گئیں جب اُس کے بیٹے نے جیسے وہ اب بھی ایذرا کہتی تھی، اس کا نیا کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ اسے تھمایا۔ ''یہ یوسف کون ہے؟''

''یہ بس نام ہے ماں۔'' فیروز نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''آپ کی مدد کے لیے۔''

''یہ میری مدد کیسے کرے گا؟ خدا کے سامنے جھوٹ بولنے سے مجھے کیا مدد ملے گی؟'' زنوبیا چلائی۔ اُسے یہ جعلی شناختی کارڈ نہیں چاہیے تھا، اُس نے کہا اور پاسپورٹ تو اُسے بالکل نہیں چاہیے تھا... وہ بھلا اُس کا کیا کرے گی؟

شاید وہ کسی روز کلکتہ میں ہولی مدرز ہاؤس جانا چاہے یا Lourdes۔ فیروز نے تردد کے ساتھ پیشکش کی۔ لیکن زنوبیا نے اُس کے مشوروں کو غصے سے رد کر دیا۔ ''تم چاہتے ہو کہ میں مسلمان کے طور پر Lourdes جاؤں؟''

اُس نے زنوبیا کا پاسپورٹ اس لیے بنوایا تھا کہ کسی روز کسی صورت اگر انہیں فرار ہونا پڑے، فیروز نے بعد میں لیلیٰ کو سکول لے جاتے ہوئے اُس سے شکایت کی۔ (سکول جو اُس نے تلاش کیا، انتظام کیا اور وہاں فیس ادائیگی کے لیے قرضے اٹھائے تھے، اس نے لیلیٰ کو یاد دلایا)۔ ''بے وقوف

عورت، وہ دیکھتی نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ کیا اسے کچھ سمجھ نہیں آتی؟''

لیلیٰ سمجھ گئی۔ وہ دکھائی دیئے جانے اور نہ دکھائی دیئے جانے کے برسوں میں سیکھ گئی تھی کہ تحفظ کے لیے سائنز کیسے پڑھنا تھے۔ فیروز بہت سی رقم خرچ کر رہا تھا... اُن کے گلشن کے فلیٹ کے لیے ائیرکنڈیشنر پر، ڈھاکا سویٹس سے زنوبیا کے لیے مٹھائی خریدنے پر، حتیٰ کہ اُس نے محض ذرا تبدیلی کی خاطر زنوبیا کے گھر پر مساج کی خاطر بھی کسی کو ادائیگی کی۔ اُس نے کہا تھا کہ اس سے زنوبیا کے آتھرائٹس میں مدد ملے گی۔

اُس نے اپنے کلائنٹس سے کتنی رقم لی تھی؟ ایک بہتر زندگی کی خاطر چھلانگ بھرنے کے لیے فیروز نے کبھی قیمت کی پرواہ نہ کی۔ لیکن لیلیٰ نے کبھی تصور نہ کیا تھا کہ وہ لیلیٰ کو قربان کرنے پر آمادہ ہوگا۔ اس کے بھائی نے اُس کی خاموشی سے چھپ کر رہنے کی تربیت کی تھی، اسامہ نے لڑنے کے لیے اُس کی رہنمائی کی تھی۔ ان دونوں کے درمیان کہیں ایک مقام تھا جہاں لیلیٰ اپنا وجود قائم رکھتی۔

''مجھے سکول کے لیے اپنا پاسپورٹ چاہیے۔'' لیلیٰ نے اصرار کیا۔ ''گریجویشن ریکارڈ کے لیے انہیں یہ چاہیے۔'' اور اگرچہ فیروز اسے دینے میں متذبذب تھا... ان امریکنوں کے پاس خاص ٹیکنالوجی تھی، کیا ہوا گر وہ جان لیں کہ کچھ جعلی تھا؟... مگر اس نے لیلیٰ کی ٹیوشن فیس میں ہزاروں ڈالرز اس لیے نہیں دیئے تھے کہ وہ گریجویشن نہ کر سکے۔

ایک چھوٹے سے بیگ میں اس نے ڈھیلا سا حجاب پہنے لڑکی کی تصویر والا پاسپورٹ، لمبی سیاہ چادر اور دوپٹہ، جو وہ ویڈیوز میں پہنتی تھی، اپنا فون... جسے لے جانے سے پہلے مونٹی کا سم کارڈ پھینکنا ہوگا... کچھ کاجل اور بینسن اینڈ ہیجز سگریٹوں کے گولڈ کارٹن کو پیک کیا۔

تاریکی میں گلشن والے فلیٹ سے دبے قدموں باہر نکلتے لیلیٰ اپنی ماں کے کمرے کے باہر ذرا کی ذرا رکی اور وقت کے ہاتھوں شکن آلود اور پھٹی ہوئی حضرت عیسیٰؑ کی چھوٹی سی چمک دار تصویر، جن کا دل پوری دنیا کے لیے درد رکھتا تھا، دروازے کی چوکھٹ کے ساتھ یوں رکھ دی کہ وہ صبح عجلت میں اٹھتے قدموں سے اَن چھوئی اور محفوظ رہے۔

وہ تصویر اُس نے برسوں پہلے زنوبیا کی دیوار سے اتاری تھی جب وہ مچھر کالونی کے چھوٹے سے سرمئی گھر سے نکلے تھے۔ لیکن اب وہ اسے اپنے ساتھ نہ لے جاسکتی تھی۔ لیلیٰ نے ایک اور مختلف زندگی کو یاد کرتے اسے لمحے بھر کو اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھا۔

صبح کی اوّلین گھڑیوں میں لیلیٰ اپنی گود میں اپنی سرخ نوٹ بک اٹھائے رکشہ میں بیٹھ گئی جس کے صفحے اس نے مٹا دیئے تھے اور گزرتے برسوں میں اس نے اس کی شکل کو بگاڑتے ہوئے اضافی کاغذوں کے دستے اس میں سٹیپل کیے تھے۔

رکشہ والا خانے دار سیاہ وسفید فلسطینی رومال اپنے منہ پر باندھے ہوئے تھا، کسی ڈاکو کی طرح،

اُس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ اس نے اپنے آٹو رکشہ کے پیڈل ننگے پیروں اپنے پنجوں سے دبائے... مہندی رنگے ناخنوں والے پیر... پتلے دھاتی ایکسلریٹر کی شکل میں انہیں موڑتے ہوئے۔ ٹریفک لائٹ پر وہ لیلیٰ کو دیکھنے کے لیے اپنی سیٹ پر سے مڑا، لمحے بھر کو اس کا جائزہ لیا، اپنا رومال اپنے ہونٹوں سے ہٹانے سے پہلے وہ اپنے دانتوں پر اپنی زبان پھیرتے ہوئے مسکرایا، ''اکیلی ہیں؟''

لیلیٰ نے اُسے نظر انداز کر دیا۔ اس نے کہر آلود سڑک پر اس نشانی کی تلاش میں کہ اُس کا بھائی اس کا پیچھا کر رہا تھا، فیروز کی نئی گاڑی کی تلاش میں سڑک کا جائزہ لیا۔ اُسے اب مزید معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کچھ کرنے کے قابل تھا۔

دو گھنٹوں میں وہ جا چکی ہوگی۔ اگر فیروز نے توجہ دی تو کچھ ہی عرصے بعد وہ تمام ویڈیوز تلاش کر لے گا... وہ ویڈیوز جو لیلیٰ نے بنائی تھیں... لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

''کہاں جا رہی ہیں؟''

''حج۔'' لیلیٰ نے رکشہ کے کھلے دروازے سے ''روانگی'' کی جانب ڈھلان چڑھتی بیجارو کی قطار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ رینجرز کی ایک چیک پوائنٹ نے ٹریفک روک دی، مسلح کمانڈوز نے دھماکا خیز مواد چیک کرنے کی خاطر گاڑیوں کا گھیراؤ کر لیا۔ آگے جناح انٹرنیشنل کی روشنیاں رات کے آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ کی طرح چمکیں۔

ڈرائیور نے اپنی کمر سیدھی کر لی اور اس کی تھکن زدہ سنولائے چہرے پر سے مسکراہٹ تیزی سے غائب ہوگئی۔ اس نے اپنا رومال پھر ناک تک اٹھالیا اور اسے درست کرتے ہوئے کلچ کو اپنے پیر سے دبایا۔ ماشاءاللہ، اس نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ ماشاءاللہ۔

مونٹی

ایک ہفتے بعد امریکن سکول نے یہ پوچھنے کی خاطر احمد ہاؤس فون کیا کہ مونٹی اپنی کلاسز کیوں نہیں لے رہا تھا۔ ایگلائز نے فون اٹھایا اور بتایا کہ میڈم مصروف تھیں (وہ روزے کا دن تھا)، لیکن یہ کہ مونٹی سرآرام کر رہے تھے اور ٹھیک نہیں تھے۔ وہ اپنے تاریک کمرے میں دن بھر اکیلا رہا، یہاں تک کہ اس کی ماں دروازے پر آئی۔

''مجھے باہر جانا ہے۔'' زہرہ نے اپنے کندھے پر بیگ درست کیا۔ مونٹی نے اپنے لیدر صوفہ پر سے سر اٹھایا، جب وہ آہستگی سے اٹھا تو کپڑا اس کے چہرے پر سے ہٹا۔ اس کی ماں وہاں پانچ منٹ سے کھڑی تھی یا پندرہ منٹ سے؟

اُسے اپنا سر بجتا ہوا محسوس ہوا اور چمڑے کے اُس کشن کے باعث اپنا رخسار دُکھتا محسوس ہوا جس پر وہ اُس جن اور برانڈی کے نشے میں سو گیا تھا جو اُسے اپنے باپ کی سٹڈی میں مل پائی تھی۔ اکبر احمد اپنا ذخیرہ تالے چابی میں رکھتے تھے، کچھ اس لیے کہ ان کی بیوی بوتلوں کو ٹوائلٹ میں بہا نہ دے۔ لیکن مونٹی کو علم تھا کہ چابی کہاں رکھی جاتی تھی، ''مائی فیوڈل لارڈ'' کی Pirated جلد کے نیچے، واحد کتاب جو اس کے باپ نے پچھلے بیس برس میں پڑھنے کا دعویٰ کیا تھا، اگرچہ اس کا عمدہ پشتہ اس کے خلاف اشارہ دیتا تھا۔

''کیا پاپا آپ کو لے جا سکتے ہیں؟'' مونٹی کو امید تھی کہ وہ الفاظ کو جلدی جلدی اور بگاڑ کر ادا نہیں کر رہا تھا۔ جس قدر ہو سکا، اُس نے سوچ سمجھ کر اور آہستگی سے الفاظ ادا کیے، اس کی زبان کسی قالین جیسی محسوس ہوئی۔ اس کا دل تکلیف میں تھا۔ اس نے کم سے کم دو روز سے کچھ نہ کھایا تھا۔

زہرہ نے روشنی جلا دی۔ ''میں گاڑی میں ہوں۔'' اُس نے مضبوط لہجے میں کہا، ''صاف شرٹ پہن لو۔''

مونٹی باتھ روم میں گیا، تھوڑی سی منٹ ٹوتھ پیسٹ نگلی اور بے آرام محسوس کرتے ہوئے شلوار قمیص پہن لی۔ اس کے پاس عید کی تقریبات اور جنازوں کے لیے مخصوص ایک شلوار قمیص تھی۔ قمیص کو اس قدر کلف لگی تھی کہ پہنتے ہوئے یوں لگا جیسے وہ پھٹ رہی ہو۔ مونٹی نے جلدی سے اپنا منہ دھویا اور اپنے

کلف زدہ کالر گیلے کیے تاکہ وہ کچھ بیٹھ جائیں اس نے Paco Rabanne کا XS سپرے کیا... بغل میں، اپنے چہرے پر، بالوں پر... تاکہ اس کے بے دھلے، بے نہائے بدن کی بُو چھپ سکے۔ اُس یاد نہ آیا کہ آخری مرتبہ وہ کب نہایا تھا۔

شیشے کی بوتل نیچے رکھتے اُسے یاد آیا کہ لیلیٰ کو کولون کس قدر پسند تھا، جب وہ پہلی بار مل بیٹھے تھے تو کیسے اُس نے بوتلوں میں سے ایک کو دو انگلیوں میں تھاما تھا۔ اسے خیال ہوا کہ یہ اُسے یاد کرنے کی خاطر تھا مگر وہ اسے سکول لگا کر آئی۔ ''مجھے خوشبو پسند ہے۔'' اس نے سادگی سے کہا تھا،'' مجھے سوٹ کرتی ہے،نہیں؟''

مونٹی نے صافی اٹھائی اور اپنی گردن رگڑ کر کولون صاف کیا اور اپنے بالوں سے الکوحل صاف کرتے ہوئے اپنا سر نلکے کے نیچے رکھ دیا، اس کا چہرہ ٹھنڈے سرامک سنک میں رکھا تھا۔

وہ Audi میں بیٹھا اور ریڈیو آن کر دیا۔ جب اُس نے گیٹ سے ریورس کرتے گاڑی نکالی، چوکیدار نے سلام کے لیے اپنا ہاتھ بلند کیا، زہرہ نے میوزک بند کر دیا۔

''میں عبداللہ شاہ غازی جانا چاہتی ہوں۔'' اُس نے کہا۔ مونٹی نے ایک سکینڈ کو اپنی ماں کو دیکھا، یقین دہانی حاصل کرتے کہ اُس نے صحیح سنا تھا۔

''مزار؟''

زہرہ احمد نے اپنے بال حجاب کے اندر اڑستے ہوئے سر ہلا دیا۔

''آپ کے گرو لوگوں کو صوفی مزاروں پر جانے سے منع نہیں کرتے؟''

اُسے محسوس ہوا کہ گرو کہ لفظ پر اس کی ماں کو غصہ آیا تھا۔ اپنی تیسری انگلی میں وہ اب چمکتے ہیروں کی انگوٹھی کی بجائے سادہ میرون پتھر والی انگوٹھی پہنے ہوئے تھی جسے نیر صاحب کی جماعت کی دعا حاصل تھی۔ ہیرے کی انگوٹھی کی فروخت کی رقم سے دس حفاظ کو قرآنی تعلیمات میں تربیت میں مدد ملتی۔ زہرہ نے انگوٹھی کو اپنی پتلی سی انگلی میں گھمایا جب اس کا بیٹا سمندر کے سامنے مزار کی جانب ڈرائیو کر رہا تھا۔

مونٹی نے گاڑی کو نئے اوور پاس (پُل) کے قریب پارک کیا جو بزرگ کے مزار کے گرد بنایا گیا تھا اور گاڑی کو ڈبل لاک کیا۔ وہ خاموشی سے اپنی ماں کے عقب میں چلتا رہا جب اُس نے اپنا سادہ سا کالا شولڈر بیگ سکیورٹی چیک کے لیے کھولا، دھاتی ڈی ٹیکٹر سے گزری اور ان مردوں، عورتوں اور بچوں کی بھیڑ میں شامل ہوگئی جو عبداللہ شاہ غازی کے مزار کی تنگ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے، جہاں بلند ٹیلے پر وہ مقدس بزرگ، کراچی کے سرپرست ومحافظ، مدفون تھے۔

زہرہ سیڑھیوں میں ایک جگہ رکی اور غازی کے شاگردوں اور پیروکاروں کی چھوٹی چھوٹی قبروں پر فاتحہ پڑھی، کہیں سرخ دھاگا باندھنے ٹھہری، کہیں تالا لگانے کے لیے، چادروں کو چھونے کے لیے اپنی انگلیوں کو حرکت دیتی اور پھر اپنی پیشانی سے مس کرنے کے لیے ذرا پیچھے ہٹتی۔ ایک تنہا کوا

مزاروں کے کناروں کے ساتھ ساتھ پھدک کر آگے آیا۔ اس نے ان میٹھے باداموں پر چونچ ماری جو زائرین نے درگاہ کی برگزیدہ ہستیوں کو پیش کیے تھے۔

''ممی۔'' مونٹی سر کو چکراتا محسوس کرتے ہوئے پرندے سے کھسک کر پرے ہوا۔ ''میں گاڑی میں آپ کا انتظار کروں گا۔'' لیکن اس سے پہلے کہ وہ رخصت ہو پاتا، اُس کی ماں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

''وہ ایک جنگجو تھے۔'' اپنے بیٹے کی کلف شدہ قمیص اور بغیر سلجھے بالوں کو دیکھتے ہوئے وہ آہستگی سے بولی، مایوسی اور کولون کی خوشبو جو اس کا پیچھا کرتی تھی، گلاب کی ان پتیوں کی خوشبو میں ضم ہوتی ہوئی جو عبداللہ شاہ غازی کے مزار کے مرحومین کو پیش کی جاتی تھیں۔ ''وہ ہندو بادشاہوں کے خلاف سندھ کو فتح کرنے عربوں کے ساتھ آئے تھے۔''

سیڑھیوں پر رک کے مونٹی کو بے چینی محسوس ہوئی جہاں سینکڑوں دبلے پتلے، کالے جسم بزرگ کی قبر تک پہنچنے کی کوشش میں اُسے دھکے دے رہے تھے۔ وہ جو بچوں کے رونے اور چیخوں کا آرکسٹرا محسوس ہوا، جہاں سکیورٹی گارڈ ہنگامے کے عین بیچ میں کھڑا اپنی لاٹھی ہوا میں بلند کرتے ہوئے لوگوں کو دھکیل رہا تھا۔ ''ہٹ جاؤ!'' وہ بغیر قمیص والے ملنگ پر چیخا جو فرش پر لیٹ گیا تھا، اُس کے بالوں کی گرد آلود جٹائیں اُس کے گرد پھیلی ہوئی تھیں۔ ملنگ کی شلوار اس کے گھٹنوں تک اٹھی ہوئی تھی اور اُس کی بغیر بالوں کی پنڈلیاں اور پیروں کی میل کچیل سے بھرے گندے اور کالے ناخن دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کراہتے ہوئے کسی سانپ کی طرح فرش پر بل کھانے لگا، اس کے لمبے الجھے ہوئے بال اُس کے جسم کے ساتھ ردھم میں حرکت کر رہے تھے۔

''وہ بے مقصد اِدھر اُدھر گھومنے والے نہ تھے، مونٹی۔ وہ ایک سپاہی تھے۔ اپنے سفر کے آغاز سے پہلے وہ جو کچھ بھی تھے مصطفیٰ، وہ ایک سپاہی تھے۔''

زہرہ احمد نے اپنے ہاتھ میں دبایا اپنے بیٹے کا ہاتھ تھامے رکھا۔

''وہ اسلام کی خاطر لڑے، خود اپنی ذات سے کسی عظیم تر مقصد کے لیے۔ تم یہ دیکھتے ہو؟''

کسی خاندان کو گزرنے کے لیے راہ دیتے ایک طرف ہوتے ہوئے مونٹی نے بنا بولے سر ہلا دیا۔ لیکن زہرہ ہجوم کے باعث ہلی تک نہ تھی۔ اُسے نے اپنے بیٹے کا ہاتھ تھامے اپنے پیر جمائے رکھے۔

''تم جانتے ہو کہ اصولوں کی خاطر کھڑے ہونے سے کیا مراد ہے، مونٹی؟ تم نے دیکھا کہ لڑنے سے ایک شخص کو کس قدر احترام ملتا ہے؟''

سیڑھیوں کے جنگلے سے، چھت سے، ان باقی ماندہ درختوں سے جو اوور پاس بنانے والوں کے ہاتھوں کاٹے نہیں گئے تھے، بتیاں لٹک رہی تھیں۔ آسمان کے تاریک ہونے پر وہ سب روشن ہوگئیں۔ فاصلے پر ہارمونیم ٹیون کرنے کی آواز سنی جا سکتی تھی۔ وہ جمعرات کا روز تھا اور جلد ہی شام کی قوالی کا آغاز ہو جاتا۔ سبز بتیوں کی ایک لڑی روشن ہوگئی، پھر ایک اور، پھر ایک اور، یہاں تک کہ مزار اندر سے

ان سستی فلوری لائٹس سے روشن ہو گیا اور کسی زمانے میں اس خوب صورت مزار کے باہر سکوٹروں اور گاڑیوں کی ہزاروں سرخ بریک لائٹس اس کا طواف کر رہی تھیں۔ سیڑھیوں کے ساتھ ساتھ مٹھائی کی تلاش میں بھوکے کالے کووں کے درمیان، تیل کے لیمپ شام کی سمندری ہوا کے خلاف جد وجہد کرتے ہوئے شدت سے جل رہے تھے۔

''مونٹی؟''

مونٹی نے اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنی ماں کو اپنا ہاتھ تھامنے دیتے ہوئے گہری سانسیں لیں۔ اسے کئی ہفتوں میں پہلی بار اپنا آپ کم تنہا محسوس ہوا۔

''جی۔'' مونٹی نے اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے اور اُس شام اپنی ماں کو حقیقت میں پہلی بار سنتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اس کا ہاتھ اتنی سختی سے تھامے ہوئے تھی کہ اس کے ناخن اس کی جلد میں گڑنے لگے تھے۔ وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا، وہ بری طرح سے وہ چاہتا تھا جو اس کی ماں حاصل کر چکی تھی: مضبوطی، بے خوفی، ارتکاز۔ وہ اب ساری سہ پہر اندھیرے میں نہ سوتی تھی۔ اب مونٹی تھا جو پردے گرائے اپنے کمرے میں پسپا ہو گیا تھا اور دنیا سے چھپ گیا تھا۔ وہ بہتر ہونا چاہتا تھا، اُسے بس یہ معلوم نہ تھا کہ کیسے۔ اُس نے اپنی ماں کا ہاتھ دبایا۔''جی، میں یہ دیکھتا ہوں۔''

O

اُسی شام دیر گئے شاویز اور کاشف آئے۔ ''مونٹی یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' کاشف نے کہا، ''تمہیں اس ناخوش مزاجی سے نکلنا ہوگا۔''

کاشف کے بات کرنے کے دوران شاویز اپنا لیپ ٹاپ اٹھائے بے چینی سے منتظر تھا۔

''وہ بس ایک لڑکی تھی۔'' کاشف نے خفا محسوس ہوتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''جو کچھ بھی۔'' مونٹی نے پہلی مرتبہ لیپ ٹاپ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔''میں بس اکیلا رہنا چاہتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم یہ دیکھنا چاہو گے۔'' کاشف نے شاویز کو ایپل ٹی وی لگانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا،''میرا خیال ہے کہ اب وقت ہے کہ تم جان لو۔''

ویڈیو جو شاویز نے لگائی، وہ ایک grainy اناڑی فلم تھی۔ مونٹی اپنے بیڈروم کی دیوار پر لگے فلیٹ سکرین ٹی وی کے سامنے سیاہ چمڑے کے کاؤچ پر بیٹھ گیا اور اپنی آنکھیں سکیڑ لیں۔''یہ کیا ہے؟'' اس نے اجسام کو سمجھنے، یہ جاننے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا کہ پس منظر میں کون سا میوزک تھا۔

کیمرا فلٹر پر سبز چمک تھی، جس سے لڑکی کی بھوری جلد پھیکی دکھائی دے رہی تھی۔ مونٹی آدمی کو ٹھیک سے دیکھ نہ پایا، صرف اتنا ہی دیکھ سکا کہ وہ عمر میں بڑا تھا، اس کا نچلا دھڑ بھاری اور بالوں بھرا تھا۔ وہ لڑکی کی لمبی ٹانگوں کو بوسہ دے رہا تھا، اس کے بازو تھامے ہوئے تھا۔ پس منظر میں ایرک کلیپٹن بج رہا

تھا... وہی موسیقی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' مونٹی نے دوبارہ پوچھا، ''میں بمشکل ہی کچھ دیکھ سکتا ہوں۔''

''ذرا ٹھہرو۔'' شاویز نے ٹی وی سے نظریں ہٹائے بغیر کہا، ''دیکھو۔''

لڑکی ہنسی، اس کے بال اس کے چہرے پر گر رہے تھے۔ اُس نے جعلی فلرٹ بھری آواز میں آہ بھری، اُس کے ہاتھ آدمی کی گردن اور سر پر حرکت میں تھے، اسے اپنی جانب کھینچ رہے تھے۔

آدمی نے کچھ ناقابل فہم کہا اور اپنا سر لڑکی کے پیٹ پر جھکا لیا۔ اس کی ڈاڑھی تھی، وہ ضرور چالیس کے پیٹے میں ہوگا۔ اُس کی کلائی میں سونے کا بریسلٹ تھا جو بار بار جھمک رہا تھا، جب بھی اس کے گرنے کا خدشہ ہوتا، وہ اسے اپنے بازو پر اوپر چڑھا لیتا۔

کاشف نے کہا، ایسے بڈھے کے ساتھ سیکس ٹیپ بنانا، ناقابل قبول تھا۔ ٹھیک ہے، اب ہر کوئی فلمیں بناتا تھا مگر ذرا ڈھنگ کی، کچھ سیکسی تو بناؤ۔

''یہ کون ہے؟'' مونٹی نے پوچھا، ''تمہارے پاس یہ فلم کیوں ہے؟ کیا یہ لوکل ہے؟''

کاشف نے اپنے جوتوں پر توجہ مرکوز کیے ہوئے اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں۔

شاویز، مونٹی کی طرف مڑا۔ ''وہ کتیا ہے، یار۔'' وہ آگے بڑھا اور مونٹی کا گھٹنا چھوا۔ ''تمہیں اس کا پیچھا چھوڑنا ہوگا۔''

مونٹی نے تیوری چڑھائی، وہ سمجھ نہیں پایا۔ اُسے کس کو چھوڑنا ہوگا؟ اور تبھی تھا کہ جب اُس نے دیکھا۔ لڑکی نے بستر پر پھیلتے ہوئے پیچھے کی طرف حرکت کی تھی۔ وہ اس کا عریاں جسم دیکھ سکتا تھا، ٹانگیں، پیٹ، کولہے کی ابھری ہڈی، اُس کے پیروں کے ناخنوں پر وہ سیاہ نیل پالش۔

لیلیٰ۔

لیلیٰ

آگ نے اُس کی جلد کو ہلکی سی سرخ چمک سے روشن کر دیا اور جب ہوا لکڑی کے ٹوٹے ہوئے شہتیروں سے ٹکرائی تو صنوبر کے ہولے سے چٹخنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی اور اپنے جسم کو شعلوں کے قریب کرتے ہوئے اپنے پیر ایک ایک انچ کر کے قریب لے جاتے ہوئے اپنی ٹانگیں پھیلا لیں، یہاں تک کہ اُسے حرارت خود تک پہنچتی محسوس ہوئی۔ اُس نے لمحے بھر کو آنکھیں بند کیں اور نینوا کی صحرائی رات کے دَم توڑتے گیت کو سنا، ایک خرخراتا سا، توانائی سے محروم احتراز۔

کہیں کوئی جانور چیخا۔ وہاں بھیڑیے تھے، لڑکوں میں سے ایک نے اُسے بتایا تھا، ہلکے بالوں والے چھوٹے بھیڑیے، کتوں جیسے۔ وہ چلاتے نہیں، منڈھے سر والے لڑکے نے لیلیٰ کو بتایا جس سے اُس نے پوچھا تھا۔ اور وہ اکیلے رہتے ہیں، جتھوں کی صورت حرکت نہیں کرتے۔ جنگلی جانوروں میں سے یہاں کوئی بھی بڑا جانور نہیں، بس خاموش، کتوں جیسے بھیڑیے۔ لڑکے کی جلد پر چیرے تھے اور اس کی روئیں سے ڈھکی، عجلت میں شیو کی گئی کھوپڑی پر خون کے جمے کھرنڈ تھے۔

جتھے کی طاقت بھیڑیا ہے، لیلیٰ کپلنگ کی سطر یاد کرتے اُسے بتانا چاہتی تھی۔ بھیڑیا جو جنگل کے قانون کا پابند رہتا ہے، وہی پھلے پھولے گا۔ جو بھیڑیا قانون توڑتا ہے، اُسے مرنا ہوگا۔ لیکن وہ سمجھ نہیں پائے گا۔ جب تم کسی بھیڑیے سے لڑتے ہو تو تمہیں اُس سے تنہا اور کہیں دُور لڑنا ہوگا۔

وہ مجھے شیرنی کہتے ہیں، کسی اور زندگی میں وہ اس نوعمر سپاہی کو بتاتی۔ میں وہ درندہ ہوں جو کسی قانون کا پابند نہیں رہتا اور اُس کا کسی جنگل سے کوئی تعلق نہیں، نہ ہی قریب اور نہ ہی دُور۔

اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے لیلیٰ نے اپنا خشک ہاتھ اپنی نوٹ بک پر پھیرا اور کاغذ کو اپنی ہتھیلی سے برابر کرتے ہوئے اسے نرمی سے کھولا۔ تاریکی میں دیکھنے کے لیے آنکھوں پر زور ڈالتے ہوئے، اُس نے ان سطور کا سراغ لگایا جنہیں وہ خود کو ادھار دی گئی پنسل کی نوک سے ترجمہ کرتی رہی تھی۔ یہاں کوئی قلم نہ رکھتا تھا، کوئی کاغذ پر نہ لکھتا تھا، کوئی در پردہ سیکھے گئے ذخیرۂ الفاظ کی فہرست کو یاد نہ رکھتا تھا، کوئی شاعری نہ پڑھتا تھا۔

یتکلمون الحق، هم اولئک من رأو الحقیقة۔

اُس نے سرگوشی میں عربی الفاظ ادا کرتے ہوئے لکھا۔

کسی دوسرے صفحے پر اُس نے ایک اور ترجمہ لکھا۔

فقط من رأی الحق، یروون الحق۔

اُسے مزید یقین نہ تھا کہ درست الفاظ کیا تھے۔

بجھتے انگاروں کی چمک میں لیلیٰ نے سانس باہر خارج کی اور عربی رسم الخط میں خمیدہ حروف پر بار بار انگلی پھیری، محتاط کہ اپنے بچے ہوئے صفحات کو زیادہ زور سے نہ دبائے۔ اُس کے پیر الاؤ کی تپش سے جلنے لگے۔ اس نے ان الفاظ کی خود کلامی کرتے ہوئے اپنی ٹانگیں سمیٹ لیں، انہیں اپنے جسم کے ساتھ بھینچ لیا۔ وہ یہاں بالکل تنہا تھی۔ پہلے کی طرح، ہمیشہ کی طرح، اس کے پاس کوئی نہ تھا۔

یتکلمون الحق، هم اولئک من رأو الحقیقة

فقط من رأی الحق، یروون الحق

حق وہی کہتے ہیں، جو حق آگاہ ہیں۔

حصہ چہارم

دودھ اور شہد کی سرزمین

2017ء

سنی

نینوا، 2017ء

''بسم اللہ۔'' سنی جھک کر مٹھی بھر ریت کو بوسہ دیتا ہے۔ ''ہم کامیاب رہے۔''

وہ اچھل کر کھڑا ہوتا اور خوشی سے دیوانہ ہو کر مونٹی کو اپنی بانہوں میں بھر کر گلے لگاتا ہے۔ کرلیا اور ٹھیک طرح سے بھی کیا۔ ''اور کچھ نہیں ہوا... ہم نے خوب صورتی سے بغیر کسی نقصان کے کرلیا۔''

مونٹی اپنی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بناتا ہے۔ ''میں صرف گدھ ہی دیکھ سکتا ہوں۔'' وہ کہتا ہے، ''کم بلند دائرے میں اڑتے اور جھپٹتے لاغر گدھ۔'' بادلوں کے مرغولوں کو دیکھتے ہوئے جو آسمان پر پھیلے ہوئے ہیں، وہ آنکھیں سکیڑتا اور اپنا سر اِدھر اُدھر گھماتا ہے۔

سنی زور سے مونٹی کی پیشانی کو چومتا ہے۔ ''میں تم سے چھٹکارا پانے کے لیے انتظار نہیں کرسکتا۔'' وہ ہنستا ہے۔

لیکن جیسے وہ مونٹی کو ہچکچاتے ہوئے محسوس کرتا ہے، حتیٰ کہ جب اُس کی کلاشنکوف اُس کی پسلیوں میں چبھتی ہے۔ حتیٰ کہ ہنسی اور لطیفوں اور لڑکوں سے چند میٹر پرے ہونے کے باوجود، ان کے مشن کے اختتام سے کچھ ہی دوری پر اُسے بدلے میں کوئی محبت نہیں ملتی۔ مونٹی ایک ٹرانس کے عالم میں آسمان کی طرف سر موڑے کھڑا ہے۔

سنی آہستہ سے اپنا سر ہلاتا ہے۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ کیسا ہے... کوئی احساسِ تشکر نہیں، اس سارے راستے میری حفاظت کرنے پر کوئی شکریہ نہیں، کتے کے قاتلوں کو بدفعلی نہ کرنے دینے پر کوئی شکریہ نہیں، نہ کوئی ''میں تمہارے بغیر یہ سب نہیں کرسکتا تھا۔'' '' اور نیا کیا ہے؟

لیکن تبھی وہ فاصلے پر تحریک کا سرخ پرچم دیکھتا ہے۔ سنی صحرا کی ریت پر اپنا بیگ گرا دیتا ہے اور ریٹا کو اپنی بانہوں میں لیتے ہوئے آگے بھاگ جاتا ہے۔

''اهلاً۔'' سیم مڑے ہوئے صفحوں کی کتاب کے اوراق پلٹاتے ہوئے ایک مسلح گاڑی کے کھلے پچھلے حصے میں بیٹھتا تھا۔ اھلاً، ان الفاظ میں سے ایک جو سنی نے اپالو میں سیکھے تھے۔اھلاً، خوش آمدید۔قہوہ، کافی اس قسم کی جو گاڑھی اور بلبلے اڑاتی سیاہ ہوتی ہے، چاہے چھوٹے سے کپ میں انڈیلی جائے، اس کی جھاگ منتشر نہیں ہوتی۔ اللہ اللہ، آلوش کیسے محبت اور وجد کے عالم میں خدا کا نام گاتا تھا۔

سنی پلکیں جھپک کر آنسوؤں پر قابو پاتا ہے۔سنی پلکیں جھپکتا ہے۔

سیم کتاب کو پرے رکھتا اور سنی کی پشت پر دھپ لگاتے ہوئے پک اَپ ٹرک سے چھلانگ لگا کر اترتا ہے۔''خدا نے تمہیں بحفاظت پہنچا دیا۔'' وہ سنی کی گردن کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہتا ہے۔ وہ سنی کو نہیں دیکھ سکتا، ابھی نہیں، وہ حقیقت میں اُسے نہیں دیکھ سکتا مگر وہ اُس کی اہمیت سے واقف ہے۔سنی، سیم کی آواز میں ایک نیا احترام سن سکتا ہے۔

''کیا ہو رہا ہے، بے بی؟'' سنی ٹویوٹا کے فرش پر پڑے ہتھیار کو دیکھنے کے لیے قدم پیچھے ہٹاتا ہے۔

''9K38 Igla۔'' سیم سٹیل کو تھپتھپاتا ہے۔''ہمیں مشکل ہو رہی ہے۔کیسا رہا یہ؟'' وہ اپنی بھنویں اچکاتے ہوئے مونٹی کی طرف اشارہ کرتا ہے جس دوران وہ فاصلے پر مونٹی کو اُن کے بیگ گھسیٹتے دیکھتا ہے۔

''خوب تھا۔'' اپنے پیروں کے چھالوں، گرمی دانوں جو اس کی بغلوں کو سرخ کر رہے تھے، پانی کی کمی، اپنے فضلے میں موجود طفیلی کیڑوں، سنی ان کی کوئی شکایت نہیں کرتا۔

وہ سمجھ جاتا ہے... سیم اور برادران کو دیکھ کر... کہ انہوں نے یہاں کیا کیا ہے، انہوں نے جو کامیابی حاصل کی ہے، اس کا پھیلاؤ۔عوز اور اس کی بے وفائی کے درد کے باوجود سنی ارضِ موعود تک پہنچ گیا تھا، وہ دنیا کے آخری سرے تک چلا آیا تھا، اس نے عوز کو خود سے گرد کی طرح جھاڑ دیا۔اور پپا، اُس کے پپا، جنہوں نے اپنے بیٹے کو ای میل لکھنے کی تب تک زحمت بھی نہ کی جب تک کہ اُن کا شان دار بھانجا عوز خبروں میں نہ آ گیا۔پپا جن کا عدم اعتماد سنی کو سب سے زیادہ تکلیف دیتا ہے۔

وہ اپنی آنکھیں بند کرتا ہے اور سامنے ہیں وہ۔ جیسے کبھی کچھ نہیں ہوا۔ براؤن گیبرڈین سوٹ میں ملبوس پپا، سنی کو برتھ ڈے کیک کے لیے گود میں اٹھاتے ہوئے، اس کے کانوں کے پیچھے ان کے ہونٹ، موم بتیوں کو پھونک مارنے میں اُس کی مدد کرتے، بھینچے ہونٹ۔سنی آنکھ مارتے ہوئے، بالکل جیسے پپا نے اُسے سکھایا تھا، ایک آنکھ بند، اور اس کی مسکراہٹ سورج کی روشنی جیسی ہے، فوٹو گرافر کے کاغذ کو جلاتی ہوئی۔کیا وہ سب خواب تھا؟

سنی کو اب پرواہ نہیں، اسے ان میں سے کسی کی پرواہ نہیں... نہ عوز کی، نہ پپا کی۔اس کا اب کوئی خاندان نہیں۔

''کوئی لڑائی نہیں؟''

''نہیں، ہم بالکل کلیئر ہیں؟''

''ماشااللہ۔'' سیم کچھ برادران کو اشارے سے ان کی طرف بلاتے ہوئے سر ہلاتا ہے۔

''اسی لیے مجھے جہاد پسند ہے... آپ ارادہ کرتے ہیں اور اللہ راستہ صاف کر دیتا ہے۔'' وہ اپنی جیب سے پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی تھیلی نکالتا ہے، اسی قسم کی جو ایک برادر نے ابو خالد کو دی تھا۔ سنی خاموشی سے سیم کو دیکھتا ہے۔ اس نے خیال کیا کہ سیم کو برادران میں اپنی برتری یا تقدم کے باعث تکلیف دور کرنے کی خاطر یہ سامان دیا گیا تھا، بالکل کمانڈر کی طرح، جبکہ باقی سب کے پاس اسے برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ تکلیف برداشت کرو۔ جدوجہد کرو، Survive کرو۔

''بڑا دن ہے آج۔'' سیم تھیلی سے چٹکی بھر افیون نکالتے ہوئے اپنا سر ہلاتا ہے اور اسے اپنی زبان پر رکھ لیتا ہے۔ وہ سنی کو پیشکش نہیں کرتا، جیسا کہ وہ پچھلے ہفتہ سے اس لعنتی صحرا کو پیدل عبور کر کے نہیں آیا، جیسے کہ وہ وہاں ہے ہی نہیں۔ ''بڑا دن۔''

سنی کندھے اچکاتا ہے۔ ''ہاں۔''

اس سب کے آخر میں سنی اس میں کامیاب رہا۔ وہ یہاں ہے۔ وہ صحرا میں پیدل چلا، ایک سے دوسری زندگی میں پہنچ گیا، صرف خدا ہی اُس کی روح کے بوجھ کو دیکھنے کے قابل تھا۔

وہ یہاں ہے۔ اور راستہ کے اختتام کا مطلب کچھ نہیں۔ وہ اب جو کر چکا ہے، سیم اُسے کسی روز چرا نہیں سکتا۔ اُس نے سب کچھ سے دستبرداری اختیار کر لی۔ آلوش... سب کچھ۔ سنی نے سب کچھ ترک کر دیا اور پھر بھی کوئی اسے دیکھ نہیں پاتا۔ نادیدہ۔

کبھی کوئی نہیں جان پائے گا کہ سنی جمیل نے تکلیف اٹھائی، کوئی بھی گمشدہ شان وشوکت نہ دیکھ پائے گا، وہ تشدد و تکلیف جو سنی جمیل نے برداشت کیں، کوئی اہم قابل ذکر شخص بننے کے لیے اس نے کیسے جدوجہد کی۔ کوئی کبھی نہیں جان پائے گا کہ وہ یہاں تھا۔

سنی پلکیں جھپک کر آنسوؤں پر قابو پاتا ہے۔

وہ ان سب آنسوؤں پر قابو پاتا ہے۔

مونٹی

''تم مجھے سارے سامان کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیتے ہو؟'' تھکاوٹ زدہ، اپنے بازوؤں پر دو بیگز کا بوجھ کھینچتے مونٹی چیخا۔ جو طاقت بچ کھچ رہی تھی، اُس سے ریت کو لات مارتے ہوئے، اُس نے سنی کا بیگ صحرا کے فرش پر لا پھینکا۔

''اسے نیچا رکھو، بے وقوف۔'' سنی پھنکارا۔

مونٹی نے ہتھیلی کو پیشانی پر رکھتے ہوئے آسمان کو دیکھا۔ دھوپ کی سفید کرنوں نے اس کی انگلیوں کے درمیان سے جھانکتے ہوئے اُس کو چندھیا دیا۔ لیکن وہ پھر بھی انہیں دیکھ سکتا تھا، دس، یا شاید پندرہ گدھ، نیلے آسمان پر منڈلا رہے تھے۔ پچھلے پانچ کلومیٹر سے جتنی بار بھی مونٹی نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تھی، اسے اپنا پیچھا کرتے ہوئے، نچلی پرواز کرتے گدھ دکھائی دیئے تھے۔

ابو خالد کا پیچھا کرتے پارک شدہ گاڑیوں کے پاس سے بھاگتے مردوں کا ہنگامہ تھا۔ تبھی مونٹی نے سپاہیوں کی تعداد پر توجہ دی... اس سے دگنی تعداد میں جتنے موصل کیمپ میں تھے۔ اتنے بہت سے، سو سے زائد باریش نوجوان، ان کے کمروں سے لٹکی مشین گنز، کمانڈر کی توجہ حاصل کرنے کی خاطر ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے۔ لیکن ابو خالد فون کان سے لگائے سن رہا تھا۔ کمانڈر نے اس کا اور سنی کا واپسی پر خیر مقدم نہ کیا تھا لیکن وہ فوری طور پر معلومات حاصل کرنا چاہے گا۔

مونٹی، ابو خالد کو تیزی اور غصے سے بات کرتے دیکھ سکتا ہے، یوں جیسے وہ چلا رہا ہو۔ برادران احترام سے اُس سے دور کھڑے اور منتظر ہیں لیکن ان کے جوش و خروش کو چھپانا ناممکن ہے۔ دور فاصلے پر تیز رفتار ہائی لیکسز کے قافلے کے پیچھے فضا میں گرد و غبار کے بھنور بن رہے ہیں۔

کمانڈر اپنی کنپٹی کو مسلتا ہے۔ وہ گاڑیوں سے زیادہ قریب کسی شے پر توجہ مرکوز کر رہا ہے۔ وہ اپنا فون والا ہاتھ نیچے کرتا اور سارے تماشے کے عین بیچ میں کھڑے سیاہ چادر میں ملبوس قد آور دبلے پتلے شخص کی طرف تیزی سے بڑھتا ہے۔ صحرائی چیونٹیوں کی طرح کھڑے سینکڑوں برادران سے آگے، سامنے دیکھتے ہوئے مونٹی اپنی سانس روک لیتا ہے۔

''کیا؟'' سنی کا سر دائیں بائیں گھومتا ہے۔ ''سب کیا دیکھ رہے ہیں؟''

''اُسے۔'' مونٹی دھیرے سے کہتا ہے۔

وہاں ہے وہ... لیلیٰ۔

مردوں سے بھرے صحرا میں اکیلی عورت۔

صحرا میں تیز رفتاری سے چلتے ہوئے سافٹ سکن Humvees اور ہائی لیکسز کے قافلے کو نینوا کی سمت سے آتے دیکھتی ہوئی، اپنی ٹھوڑی اٹھائے، وہ کسی مُردے کی طرح ساکت تھی۔ گاڑیاں سیدھی لیلیٰ کی سمت آ رہی تھیں مگر اُس نے جنبش نہ کی۔

قافلے کے آگے والی ہائی لیکس اُسے چھونے سے ذرا ہی پہلے بریک لگاتی ہے۔

ابو خالد گاڑیوں کے خیر مقدم کے لیے آدمیوں کے ہجوم میں لیلیٰ کے قریب سے ہو کر آہستہ سے لنگڑاتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ کمانڈر ہائی لیکس کے دروازے پر اپنا مکا مارتا ہے اور گاڑی کے کھلے پچھلے حصے سے گندے اور ڈرے ہوئے آدمیوں کی قطار اترتی ہے، کچھ جینز ٹی شرٹ میں اور دوسرے لمبے جلابیے میں۔ گرد و غبار ہوا میں اٹھتا ہے اور اگرچہ وہ اس میں سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے، لمحے بھر کو مونٹی ریت کے ہر طرف چکراتے نازک ذرات سے خود کو اندھا محسوس کرتا ہے۔

اس نے اُسے پالیا۔ وہاں ہے وہ، اُس کی لیلیٰ۔

خوشی اور سکون سے مونٹی ہلکا پھلکا ہو گیا ہے، خالص اور مکمل خوشی کے ساتھ۔

صحرا میں کھڑے ہوئے وہ اس رات کو یاد کرتا ہے جب اس نے گھر چھوڑا تھا، رات جب اُس نے اُس عورت کی خاطر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا جس سے اُسے محبت تھی، یوں جیسے یہ کل ہی کی بات تھی۔ کوئی وقت نہ گزرا تھا، اُس کی تلاش کی چاہ کو، اس کے خفیہ سفر کو، کوئی دہشت مجروح نہیں کر سکتی۔

مونٹی اپنے گھر کے عقب میں تاریک رہائشی لین میں ٹہلتا رہا تھا۔ وہ تنگ فٹ پاتھ پر نارنجی سٹریٹ لیمپ کی ہلکی سی روشنی کے نیچے اپنا Tumi بیگ کھول کر چیک کرنے کے لیے رکا کہ اُس کے پاس سب کچھ تھا۔ وہ گزشتہ رات سے سویا نہیں تھا، تب سے نہیں جب سے اُس نے فیصلہ کیا تھا۔ صبح کا وقت اُس نے سامان خریدتے صدر میں گزارا تھا۔ صرف ایک گھنٹہ پہلے اپنا ٹکٹ آن لائن بک کروانے کی کوشش کی تھی لیکن اسے Kayak سے ریزرو نہ کروا سکا تھا۔ Expedia ویب سائٹ کام نہ کر رہی تھی اور اسے اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہوئے ان کے ایک انڈین کسٹمر سروس ایجنٹ کے ساتھ آدھا گھنٹہ گزارنا پڑا تھا۔

موصل، اُس نے بے صبری سے زور دے کر کہا، مجھے موصل کی فلائٹ بک کروانا ہے۔ لیلیٰ کی آخری دو ویڈیوز وہیں بنائی گئی تھیں۔ اگر مونٹی جلدی کرتا تو وہ اسے پکڑ سکتا تھا۔ اس نے خود کو خواب دیکھنے دیا، اگر وہ تبھی، عین اُسی وقت روانہ ہو جاتا، فوری طور پر، تو صبح تک وہ لیلیٰ کے ساتھ ہو سکتا تھا۔

مونٹی اس یاد پر مسکرا دیا۔

وہ اپنے بیڈ پر کندھے اور کان کے درمیان فون لگائے بیٹھ گیا تھا جس دوران اُس نے اپنے کمپیوٹر پر ایک کے بعد ایک براؤزر کھولا:

Layal+Mosul+Date

Mosul+Ummah Movement+Contact

Karachi Mosul flight time

Layla+location+YouTube

Layla+training+Jihad

کہاں؟ کسٹمر سروس ایجنٹ پوچھتا رہا، آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟

موصل، مونٹی نے دہرایا، موصل عراق۔ اس نے سوچا کہ اُس کا نام کسی قسم کے ڈیٹا بیس پر اَپ لوڈ کیا جا سکتا تھا... بالکل جیسے لیلیٰ کے عراق میں لڑنے کے لیے فرار ہونے کے بعد اُس کا کیا گیا ہوگا... اور اس خیال نے اُس کو حوصلہ دیا۔

مونٹی کم سے کم دس منٹ سے تنگ فٹ پاتھ پر ٹہلتے ہوئے، پوری کوشش کرتے کہ وہ نظروں میں نہ آئے، اپنے گھر کے عقب میں سٹریٹ پر تھا۔ اس نے اپنی جیکٹ کا کالر کھڑا کر لیا اور اپنی نیوی بیس بال کیپ کو اپنی پیشانی پر جھکا لیا، جس دوران وہ Careem کا منتظر تھا جسے اُس نے آئی فون پر بک کروایا تھا۔

اُس کا دل سینے میں بے طرح دھڑک رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے میں اس کی فلائٹ تھی۔ اگر پاپا نے اپنے ٹیکسٹ میسج چیک نہ کیے تو انہیں تب تک کریڈٹ کارڈ نوٹیفیکیشن نہ ملے گا کہ جب تک کہ اتنی دیر ہو جائے کہ وہ ادائیگی کو منسوخ کر سکیں۔ تب تک مونٹی پہلے ہی ٹرکش ایئر لائنز کی سیٹ پر ہوگا۔ 5A کھڑکی کے ساتھ، نیچے روشنیوں کے شہر کراچی کو آخری بار دیکھتا ہوا۔

تیز روشنیوں والی ایک سفید کرولا سڑک پر مڑی۔ گاڑی آہستہ سے چلتے ہوئے مونٹی کے سامنے آ رکی اور ڈرائیور نے اپنی کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا۔ ''مسٹر اکبر؟'' ڈرائیور نے بے یقینی سے پوچھا۔ اس کے بال گھنے سیاہ تھے جو جیل لگا کر پیچھے کی جانب بنائے گئے تھے اور وہ اپنے کان سے کسی ایئر رنگ کی طرح سیاہ دھاگا لٹکائے ہوئے تھا۔ ''اکبر احمد، سر؟''

''جی۔'' مونٹی نے سر ہلایا۔ اس نے دروازہ کھول کر پچھلی نشست پر بیٹھتے ہوئے اپنا Tumi بیگ اندر اچھال دیا۔ اُس نے جہاز کا ٹکٹ بھی اپنے باپ کے نام پر بک کروایا تھا، آخری لمحے کا فیصلہ اور ڈیٹا بیس پر مندرج ہونے کی خاطر ایک ہوش مندانہ انداز۔ جناح انٹرنیشنل پر کوئی بھی چیک نہ کرتا اور بلاشبہ جب پاپا کو علم ہوتا تو یہ بات انہیں مزید اشتعال دلاتی۔ لیکن مونٹی کو پرواہ نہیں تھی۔ اگر وہ دنیا کے پار صحرا میں لیلیٰ کو تلاش کرنے والا تھا تو اسے راستے میں کچھ طلسم کی ضرورت تھی۔

وہ اپنی سیٹ پر دبک کر بیٹھا اور تیزی سے کھڑکی سے منظر کو چیک کیا۔ مونٹی نے سوچا تھا کہ شاید اُس کی ماں نے اس کا نہ ہونا نوٹس کیا ہو اور تانو کو اس کی تلاش میں بھیجا ہو لیکن لیکن کوئی کبھی نہ آیا۔

مونٹی نے خود کو چھپاتے ہوئے بیس بال کیپ آگے کھینچی۔ اُس کا چہرہ وہاں دُکھ رہا تھا جہاں پاپا نے تھپڑ مارا تھا اور اس نے اپنے رخسار کو دھیرے سے چھوا۔

''سر؟'' کار ڈرائیور جس نے بٹنوں والی شرٹ پہن رکھی تھی، مونٹی کو دیکھتے ہوئے اپنی سیٹ پر سے مڑا۔ خجل مونٹی نے اپنا ہاتھ نیچے کیا اور لمحے بھر کو ہندو ڈرائیور کا چہرہ کھوجتے ہوئے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ وہ کم وبیش ایک ہی عمر کے تھے مگر وہ لڑکا جب مونٹی نے اُسے دیکھا تو اُس نے اپنی نگاہ جھکالی اور پیچھے ہو گیا۔ اپنے کان میں ڈالے گئے سیاہ دھاگے کے ساتھ وہ نازک سی راکھی باندھے ہوئے تھا جس کے سرخ دھاگے اس کی دبلی کلائی سے لٹک رہے تھے۔ اس کی گردن کی گدی پر ترشول کا ہلکا نیلا ٹیٹو تھا، وہ رنگ اس کی جلد پر پھیکا پڑ چکا تھا۔

اسے پسینہ آ رہا تھا۔ اُس نے مونٹی کے گاڑی میں بیٹھنے پر ہی اے سی چلایا ہوگا۔

ڈرائیور نے مونٹی کی نظروں کو محسوس کیا اور بے آرامی سے اپنی شرٹ کا کالر کھینچا۔

مونٹی نے ایک بار پھر اپنا فون چیک کیا۔ وہ وقت پر فلائٹ لے لے گا۔ ترشول اچھی نشانی تھی، جو ہونے والا تھا اُس کا نیک شگون۔ ترشول، سمندر کی علامت جس سے لیلیٰ کو محبت تھی۔ ترشول، جنگجو کا ہتھیار جو مونٹی بننے جا رہا تھا۔ مونٹی نے اپنی آنکھیں بند کیں اور یاد کیے وہ پہلے الفاظ جو لیلیٰ نے اُس سے کہے تھے: تم دنیا کے بارے میں کیا جانتے ہو؟

کچھ بھی نہیں، اُس نے جواب دیا تھا۔

آدھی رات کو مونٹی نے زنگ آلود سائیکل پر بوڑھے چوکیدار کی مانوس سیٹی سنی۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کریم ڈرائیور کو دیکھ کر مسکرایا۔ یہ دوسرا اچھا شگون تھا۔ اسے اب تیسرے کی ضرورت تھی۔

''ائیر پورٹ۔'' اُس نے ڈرائیور کو پورے اعتماد سے حکم دیا، ''چلو چلیں۔''

سب کچھ... مونٹی کے پاس ماضی کی جو بھی یاد ہے... اس لمحے سے رنگی ہوئی ہے، صحرا کی روشنی میں، گرمی کے بوجھل پن میں اور امید جو وہ تمام راستے ساتھ رکھے رہا، اب لیلیٰ کے ساتھ، یہاں، اُس کے سامنے جنگجوؤں کے ہجوم میں ہاتھ سے پھسل رہی ہے۔

ابو خالد اپنی AK47 اٹھاتا اور زمین کی طرف گولی چلاتا ہے۔

مونٹی کو ایک بار پھر اپنے دل میں وہی مانوس درد محسوس ہوتا ہے، ہچکولے کھاتا درد جو ہر مرتبہ سانس بھرنے پر بجتا ہے۔ وہ لیلیٰ کو تلاش کرتا ہے مگر اُسے ٹھیک سے دیکھ نہیں پاتا۔ اس سب کرب کے باوجود جس سے وہ اس کی وجہ سے گزرا... پہلے اس کی محبت میں جو اُس نے بغیر کسی قابلیت کے دی اور پھر

اس کی بے رحمی سے جب اُس نے وہ محبت واپس لے لی... مونٹی کو کوئی غصہ نہیں۔ وہ اسے معاف کرنے کے سوا کیا کر سکتا ہے؟

جب برادران اپنا جشن ختم کرتے ہیں اور گرد دوبارہ زمین پر بیٹھ جاتی ہے تو مونٹی، لیلیٰ کو کمانڈر کے برابر میں کھڑے اُن برادران کو دیکھ کر شاہانہ انداز میں مسکراتے پاتا ہے جو اس کے سامنے سے گزر رہے ہیں۔ نوجوانوں میں سے کسی نے بھی براہِ راست اس سے اظہارِ تشکر نہیں کیا، وہ سب شرمیلے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ برادران اپنی نگاہ احتراماً زمین پر جھکانے سے پہلے اس کی سمت میں سر ہلاتے ہیں۔

کیا وہ اُسے دیکھ چکی ہے؟

مونٹی حرکت کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ چیختا ہوا تیز شور آسمان کو ہلا دیتا ہے۔ گدھ گاڑیوں کے قافلے کے گرد چکر لگاتے ہیں، ان کے پر پوری طرح کھلے ہیں، ان کی گردنیں برادران کو دیکھتے ہوئے نیچے کی طرف جھکی ہیں۔

آگے کوئی چیخ رہا ہے۔

مونٹی کی نگاہ دوبارہ آدمیوں پر پڑتی ہے جب ابو خالد اپنی کلاشنکوف کا بٹ قیدیوں میں سے ایک کی گردن پر مارتا ہے جو زنجیر میں بندھے قیدیوں کے گروہ سے فرار ہونے کی خاطر ہائی لیکس کے پاس سے بھاگ کر گزرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہتھیار زوردار آواز چٹاخ یا دھماکے کے ساتھ آدمی کے جسم سے ٹکراتا ہے اور قیدی اپنے گھٹنوں کے بل پر گرنے سے پہلے اس ضرب سے لڑکھڑاتا ہے جو اپنے کپڑوں پر کاٹن کی پتلی جیکٹ پہنے ہوئے ہے اور جس کا سر درمیان سے گنجا ہو رہا ہے۔

مونٹی اس شور پر چونک اٹھتا ہے، مگر اپنی نظریں نہیں ہٹاتا۔ لیلیٰ اپنی بالکل سیدھی کمر کے ساتھ دائرے کے آگے کھڑی اس تشدد کو دیکھ رہی ہے۔ گدھ جمع شدہ آدمیوں پر طرف جھپٹتے ہوئے اس ہنگامے سے ہمسری کر رہے ہیں۔

پرندوں کی چیخیں لمبی اور کرب زدہ ہیں۔

گدھوں کی تعداد بڑھ چکی ہے اور اگرچہ مونٹی یقین سے نہیں بتا سکتا، یوں لگتا ہے جیسے وہ برادران کو چھوڑ کر گزرتے، جنگجوؤں کے گروہ پر جھپٹ کر آتے ہوئے نیچی پرواز کر رہے ہوں۔ کچھ تو آدمیوں کے درمیان صحرا کی گرم ریت پر اچھلتے ہوئے، زمین کو گوشت کی بُو کی تلاش میں سونگھتے ہوئے دبے پاؤں چل رہے ہیں۔

مونٹی جہاں کھڑا ہے، وہاں سے بتا نہیں سکتا مگر یوٹیوب ویڈیوز کے برعکس یہاں ایسا لگتا ہے کہ لیلیٰ میک اَپ کیے ہوئے ہے۔ اس کے تل کے اوپر اُس کے ہونٹ پھیکے گلابی ہیں اور اس کی پلکیں آگے تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کیا وہ آئی لائنر لگائے ہوئے ہے؟

اپنے کندھے پر ایک بڑا سا کیمرا اٹھائے برادر، جس کی آنکھیں ویو فائنڈر سے چپکی ہوئی ہیں،

منظر کو فلم بند کرنے کی خاطر آہستہ سے دائرے میں گھومتے ہوئے الٹے قدموں چلتا ہے۔ مونٹی آڑ کے لیے سنی قریب جاتے ہوئے اپنا چہرہ چھپائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ابو خالد آدمیوں سے کچھ کہتا ہے جسے مونٹی سن نہیں پاتا اور گنجا قیدی اپنے ہاتھ کر اپنے سر کے پیچھے باندھ لیتا ہے۔ سیم دوسرے قیدیوں کے قریب جاتا اور ان کے ہاتھ باندھ دیتا ہے۔

''یہ کون ہیں؟'' سنی سرگوشی کرتا ہے، اگرچہ ان کے آس پاس کوئی نہیں جو اُن کی بات سن لے۔

مونٹی اپنا سر جھٹکتا ہے۔ ''مجھے معلوم نہیں۔''

آسمان پر پرندوں کی ترتیب سکڑتی اور پھیلتی ہے۔ گدھوں کا گروہ اپنے لپکتے ہوئے اور پھیلے ہوئے پروں کے انداز میں، صحرا کی صبح کی تیز نیلگوں روشنی میں چکراتے اور رقص کرتے ہیں۔

ابو خالد آدمیوں پر عربی زبان میں کچھ چلاتا ہے، سارے وقت میں اس نے اپنی کلاشنکوف قیدی پر تانی ہوئی تھی۔ ایک ایک کر کے قیدی آگے کی طرف جھکتے، اپنے منہ کھولتے اور اپنے آگے موجود شخص کی قمیص پر کاٹتے ہیں۔

ایرڈو اونچی آواز میں ہنستا ہے۔ تمام نئے لڑکے اپنے فونز کے کیمروں پر ویڈیو بنا رہے ہیں۔

''یا شباب۔'' ہوا میں اپنے ہاتھ چلاتے، برادران کو اکٹھے ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے سیم پکارتا ہے۔ مونٹی کو پیچھے چھوڑ کر سنی بھاگ کر آگے بڑھ جاتا ہے جیسے کسی کتے کو گھر بلایا جا رہا ہو۔

مونٹی اپنے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتا اور اپنا حلیہ ذرا درست کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ لیلیٰ اُسے ہجوم میں شامل ایک چہرے کے طور پر دیکھے۔ وہ چاہتا ہے کہ اُسے لیلیٰ کے پاس لے جایا جائے، وہ چاہتا ہے کہ وہ اُسے دیکھ لے کہ وہ کیا بن چکا ہے... ہراول دستے کا رکن، قبیلے کا صفِ اوّل کا محافظ، ایک پاسبان۔

ہوسکتا ہے کہ ابو خالد، مونٹی کو ہر کسی کے سامنے ایک ایسے سپاہی کے طور پر پیش کرے جس نے اس مشن کو محفوظ بنانے کی خاطر صحرا میں پیش قدمی کی تھی۔

ہوسکتا ہے کہ ابو خالد پہلے ہی اس کے متعلق بات کر چکا ہو؟

ہوسکتا ہے کہ کمانڈر سب برادران کے سامنے سنی اور مونٹی کے تعریف کرتے ہوئے ان کے مشن کے بارے کچھ بات کرے اور لیلیٰ اشاروں کو نہ سمجھتے ہوئے، نہ سمجھتے ہوئے کہ ان آدمیوں میں کون مصطفیٰ تھا جو شیر ثابت ہوا، مونٹی کی جانب مڑے۔

اور پھر لیلیٰ اُسے دیکھے گی اور وہ جان لے گی کہ وہ مصطفیٰ تھا، اُس کا مرد، جو پیروکاروں کی اس بھیڑ کے درمیان ایک رہنما تھا اور اُس کی آنکھیں فخر سے پھیل جائیں گی۔ مونٹی اس کے چہرے پر حیرت کا عالم دیکھے گا، لیکن وہ بغیر آنکھیں جھپکے، بغیر مسکرائے، سیدھا مستحکم کھڑا ہوگا، اُس سپاہی کی طرح جو کہ وہ تھا۔

ابوخالد اُسے گلے سے لگالے گا۔ مصطفیٰ نے پیدل صحرا عبور کیا ہے۔ کمانڈر کہے گا، اس نے ہمارے دشمنوں کو ہمارے راستہ سے صاف کیا ہے۔

ہم نے اس کی قربانی کے بل بوتے نینوا حاصل کیا ہے۔

ہم لڑے کیوں کہ ہمارے پاسبان مصطفیٰ نے ہماری راہ ہموار کی ہے۔

مونٹی، سنی کو دیکھ کر مسکراتا ہے جو تربوز کے بیج منہ سے تھوک رہا ہے۔ لیلیٰ دیکھ لے گی کہ وہ ایک جنگجو ہے۔ وہ بالآخر سمجھ جائے گی کہ مونٹی کس قسم کا مرد ہے۔

اُس نے سوچا کہ اگر برادران اس سے خطاب کا کہتے ہیں تو وہ کیا کہے گا۔ وہ اپنی انگلیاں بالوں میں پھیرتا اور اپنے سینے پر سے گرد جھاڑتا ہے۔ آہستگی سے، یوں جیسے اُس کی ہتھیلی کوئی چپٹا برش ہو، وہ اپنی ڈاڑھی کو ہموار کرتا ہے۔

عراقی قیدی اپنی آنکھیں جھکائے ایک قطار میں کھڑے ہیں۔ تبھی جب سب برادران نیم دائرے کی صورت کھڑے ہو گئے، تو نفیس اور بیلے رقاصہ جیسا حُسن لیے لیلیٰ حرکت میں آئی اور ان سب آدمیوں کے سامنے اپنی جگہ سنبھال لی۔

گنجے شخص کے علاوہ جس کی گردن جھکی ہوئی ہے اور اُس سے خون بہ رہا ہے، باقی سب قیدی نوجوان ہیں، 20 یا 30 برس کے۔ دو تو تین انچ سے بڑے دکھائی نہیں دیتے۔ کوئی بھی شخص چلاّتا یا التجا نہیں کرتا، وہ وہاں کھڑے ہیں، جانوروں کی طرح اپنے دانتوں سے ایک دوسرے کی قمیصوں کو کاٹتے ہوئے۔

مونٹی کو امید ہے کہ ابوخالد نے اُسے اور سنی کو دیکھ لیا ہوگا۔ جب تک اُس کو معلوم نہ ہو کہ وہ واپس آچکے تھے، وہ انہیں تقریر میں شامل نہ کر پائے گا۔ مونٹی کے معدے میں ایک عارضی سی گھبراہٹ کی اینٹھن ابھرتی ہے، لیکن اس کے بدن میں پھیلنے سے پہلے وہ ختم ہو گئی۔ یقیناً کمانڈر کو علم ہے کہ وہ یہاں ہیں... نینوا کا مشن اُن کے بغیر شروع نہیں ہوسکتا ہے۔ وہ ان قیدیوں کے ساتھ فوجوں کو اکٹھا کر رہا تھا۔ نینوا کے حملے سے بڑا کچھ نہیں ہوسکتا، وہ فتح جس کا تمام تر انحصار مونٹی اور سنی پر تھا۔

لیکن جب ابوخالد ایک مرتبہ پھر تیزی سے اپنے فون کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے، سب برادران سے خطاب کے لیے دائرے کے سامنے آتا ہے، وہ مونٹی یا سنی کو اپنے ساتھ شامل ہونے کے لیے نہیں کہتا۔ وہ ان پر توجہ بھی نہیں دیتا۔

''آج ہم نینوا لے لیں گے۔'' کمانڈر نے اتنی دھیمی آواز میں کہا کہ مونٹی کو زور لگا کر سننا پڑا۔

''ہمارے آدمیوں کے ہماری زمین پر آزادی سے حرکت کے لیے ہمیں نینوا کو مزاحمت سے پاک کرنا ہوگا، جو تب سے ہم سے لڑ رہے ہیں جب سے ہم نے عراق میں پیش قدمی کا آغاز کیا۔''

برادران نے اپنے ہتھیار بلند کیے اور نعرے لگائے لیکن ابوخالد نے انہیں خاموش کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔

''اتوار تک ہم نینوا کے آخری غداروں کو بھی شہر کے دروازوں پر سولی پر چڑھا دیں گے۔''

اس پر زنجیروں والے گروہ میں سے ایک نوجوان حوصلہ ہار دیتا ہے۔ وہ اپنے دانتوں کے درمیان موجود کپڑے کو چھوڑ کر اپنا چہرہ جھکا لیتا اور سسکیاں بھرتا ہے۔

مداخلت پر ابو خالد کا چہرہ غصے سے سیاہ پڑ گیا۔ سیم اپنی سوویت Makarov پستول نکالتا، روتے ہوئے لڑکے کی طرف بڑھتا اور اس کی گردن پر گولی چلا دیتا ہے۔

لڑکے کے گھٹنے مڑ جاتے ہیں، جیسے وہ اچانک توڑ دیئے گئے ہوں اور وہ مٹی پر گر جاتا ہے۔

برادران مختصر ترین لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے اور پھر کسی نے... ایک تنہا آواز، کون؟... خوشی سے نعرہ لگایا۔ ایک مرتبہ جشن میں پہلی آواز اٹھنے کے بعد باقی تمام اونچی آواز میں سیٹیاں بجاتے، ہنسی اڑاتے اور تالیاں بجاتے ساتھ دیتے ہیں۔ کئی ایک برادران اپنی کلاشنکوفیں اٹھا کر آسمان کی جانب ہوائی فائرنگ کرتے ہیں۔

مونٹی کو ٹیڑھے ہوتے ہوئے اپنے قدموں تلے زمین گھومتی محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنی آنکھیں بند کرتا اور آہستگی سے سانس بھرتا ہے لیکن وہ خون کی بُو سونگھ سکتا ہے، جہاں وہ کھڑا ہے وہاں سے ایک نمکین سی بو۔

''اوہ میرے خدایا!'' سنی، مونٹی کی جانب جھکتا ہے۔ ''کیا نشانہ ہے!''

مونٹی اپنی آنکھیں کھول کر اُس کی جانب دیکھتا ہے۔ کیا سنی نے دیکھا نہیں کہ ابھی کیا ہوا تھا؟ وہیں، لیلیٰ کے عین سامنے، اُس لڑکے کا جھکا ہوا شکستہ جسم پڑا ہے، اس کا لہو گرم ریت کو بھگو رہا ہے۔

مونٹی یہ کوشش کرتے کہ خود کو بیمار محسوس نہ کرے، اپنی آنکھیں دوبارہ بند کر لیتا ہے۔ لیکن وہ لیلیٰ کو سن سکتا ہے، اُسے یقین ہے۔ وہ لیلیٰ کی آواز کو برادران کی چیخوں اور شور و غل کے مقابل بلند ہوتے سنتا ہے۔ اُس کی آنکھیں جھٹکے سے کھلتی ہیں۔

لیلیٰ۔

وہ ضرور دہشت زدہ ہو گی۔

وہ اُس کی آدمیوں کی آوازوں سے بلند آواز سنتا ہے۔ لیکن مونٹی سمجھ نہیں پاتا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

مونٹی اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہوتا اور لیلیٰ کو تلاش کرتا ہے۔ وہ لاش کے بالکل برابر میں کھڑی ہے۔ اُس نے اپنی ہتھیلیاں اپنے چہرے کے سامنے جوڑ رکھی ہیں۔ اس کے بال اُس کے حجاب کے نیچے ہیں۔ شاید وہ آئی لائنر نہیں ہے بلکہ وہ اس کی آنکھوں کی ہلالی شکل کی محراب ہے۔ مونٹی کو اب لیلیٰ کے ساتھ ہونا ہے، اُسے تھامنا، اُس کی ڈھال بننا اور اُسے اس سب سے نکالنا ہے۔

وہ اپنی محبوبہ کے ذرا ذرا قریب ہوتے ہوئے جمع شدہ برادران میں سے آہستگی حرکت کرتا

ہے۔

''یہ آدمی نینوا کا میئر ہے۔'' ابو خالد گنجے شخص کی کہنی پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچتے ہوئے مجمع کو خاموش کرواتا ہے۔

میئر کے ہاتھ اب بھی اُس کے سر کے پیچھے بندھے ہوئے ہیں۔

''یہ ہمارے برادران پر حملہ آور آدمیوں کا رہنما ہے۔ یہ خود کو حریت پسند کہتے ہیں۔'' کمانڈر تلخی سے ہنستا ہے۔ ''میں نے انہیں تنبیہ کی ہے کہ تائب ہو جاؤ اور اعلان کر دو کہ تم ہمارے مقصد کے خادم ہو۔ ہماری افواج میں شامل ہو جاؤ اور عراق کو آزاد کرواؤ۔ ہماری جنگ لڑو یا پھر ہم سے لڑو۔''

میئر اپنے بیٹوں کو دیکھتا ہے، اپنے منہ پر بندھے کپڑے کے باعث وہ اُن سے بات کرنے سے قاصر ہے۔

''لیکن اس نے انکار کر دیا ہے۔''

متوقع خاموشی میں، فون کے بجنے کی ہلکی سی آواز سنی جا سکتی ہے۔ ابو خالد اپنے آدمیوں کے چہرے کھوجتے ہوئے آہستگی سے بولتا ہے۔

''یہاں کون ان کے پہلے حریت پسند کو ہلاک کرنا چاہتا ہے؟''

منتخب کیے جانے کی خاطر تمام برادران اپنے ساتھیوں کو دھکے دیتے اور کہنیاں مارتے آگے بڑھ آتے ہیں۔ مونٹی اپنا سر جھکائے رکھتا ہے اور لوگوں کے بولنے کے ہلکے سے شور میں حرکت کرتا اور محتاط انداز میں لیلیٰ کی جانب بڑھتا ہے۔ وہ کمانڈر کو توجہ سے دیکھتے ہوئے اپنی جگہ پر کھڑی ہے۔ مونٹی اُس کے جس قدر قریب حرکت کرتا ہے، اتنا ہی اُسے خون کی بُو تیز ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، سہ پہر کی دھوپ میں متعفن ہوتی ہوئی۔

''میں۔'' سنی جو ہجوم میں کہنیاں مار کر آگے بڑھا ہے، کمانڈر کو پکار کر کہتا ہے۔ ''کمانڈر، پلیز، میں۔''

مونٹی، سنی سے آنکھوں ملانے کی کوشش کرتا ہے، اس دوران اب بھی اپنا سر جھکائے رکھنے کی اور غیر نمایاں رہنے کی کوشش کرتے ہوئے... وہ لیلیٰ کے اس قدر قریب ہے... لیکن سنی پہلے ہی اس سے اتنی دُور جا چکا ہے کہ اُسے دیکھ نہیں پایا۔ مونٹی گہری سانسیں لیتا ہے، اُس کے حلق میں جلن کا ایک احساس سا رینگ رہا ہے، یوں جیسے اُسے قے آنے والی ہو۔ سنی کیا کر رہا ہے؟

مونٹی کی آنکھوں میں دھوپ پڑ رہی ہے اور وہ آنکھیں جھپکتا ہے، ایک بار، دو بار، شمار کرتے کہ وہ لیلیٰ سے کتنی دُور ہے... پانچ آدمی، شاید چھے۔ اُس نے اب تک اُسے نوٹس نہیں کیا جس دوران اُس کے اردگرد ہر کوئی منظر کو بہتر طور پر دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے دوسروں کو دھکے دے رہا اور پرے ہٹا رہا ہے، جسموں کا اچھلتا ابھرتا سمندر۔

سنی بھیڑ کی رہنمائی کرتے چڑوا ہے کی طرح میسٔر کا ہاتھ تھام لیتا ہے اور ہوا میں فخریہ مٹھی بلند کرکے اپنے برادران کی داد و تحسین، سیٹیوں اور نعروں کا خیر مقدم کرتے ہوئے گاڑیوں میں سے ایک کی جانب بڑھتا ہے۔

سنی لڑائی کے لیے رِنگ میں اکڑ کر داخل ہوتے ہوئے باکسر کی طرح جمع شدہ لوگوں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے انہیں عینی شاہد بننے کا کہتا ہے۔ وہ مونٹی کی طرف دیکھ کر آنکھ مارتا اور ہوا میں ایک بوسہ اچھالتا ہے۔

مونٹی اپنی ناک سے سانس لیتا ہے۔ اُسے ہکلاہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔ وہ تھوک نگلتا ہے اور او پر دیکھتے ایک قدم آگے بڑھتا ہے، جس دوران سنی میسٔر کی طرف جھکتا اور اُس کے کان میں کچھ کہتا ہے۔

سنی، میسٔر کے کندھے پر ہاتھ رکھتا اور دھیرے سے اُسے گھٹنوں پر جھکا دیتا ہے۔ جب میسٔر زمین پر ہے، سنی اپنا ہونٹ اس کے کان تک لاتا اور ایک بار پھر سرگوشی کرتا ہے۔

وہ سیدھا ہوتا ہے، اپنا فون سیم کو تھمانے سے پہلے اپنے کارگو ٹراؤزر کو جھاڑتا ہے۔ سیم ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سنی اپنی بیلٹ سے خنجر کھول کر نکالتا ہے اور میسٔر کے چھدرے بالوں کو اپنی بند مٹھی میں تھام کر اس کے چہرے کو جھٹک کر اوپر کرتے ہوئے اس کے عقب میں کھڑا ہو جاتا ہے۔

سنی لمحہ بھر کو اپنی آنکھیں بند کرتا اور گہری سانس بھرتا ہے، آہستہ سے سانس خارج کرتے ہوئے۔ وہ اپنی آنکھیں کھولتا اور سیم کو دیکھ کر سر ہلاتا ہے، جو فون پکڑ کر ویڈیو بنانا شروع کرتا ہے۔

مونٹی سیاہ ملبوس لوگوں میں سے جگہ بناتے ہوئے جو اپنی پشت سے گولیوں کی پٹیاں لٹکائے ہوئے ہیں، گزر کر لیلیٰ کے مزید قریب ہوتا ہے۔

سیم فون کو سنی کے سامنے کرتا ہے جو لینز میں دیکھ کر بولتا ہے، اُس کا اس سے زیادہ مضبوط برٹش لہجہ جو مونٹی نے کبھی سنا ہے۔

''میرا نام سلیمان جمیل ہے اور میں یروشلم کا سپاہی ہوں، جنت کا حق دار۔''

لمحہ بھر کو یوں لگتا ہے جیسے سنی نے کچھ بھی نہیں کیا، اپنے خنجر کی صرف دھار ہی آدمی کے گلے پر رکھی ہے، ایک غیر مرئی لائن بناتے ہوئے، ویسے ہی جیسے اس نے کئی راتوں کو ریت پر لکیر کھینچی تھی۔ مونٹی ان پھولوں کا سوچتا ہے جو سنی نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ریت پر اپنے خنجر سے بنائے تھے، یوں جیسے کوئی مصور اپنا برش چلاتا ہو۔

مونٹی اب سنی کو آدمی کا گلا کاٹتے ہوئے دیکھتا ہے، ایسی فنکاری سے اُس کی رگیں کاٹتے ہوئے جو اس نے اس وقت تک خفیہ رکھی تھی اور حیران ہوتا ہے کہ کیسے اس نے ایسے شخص کے ساتھ اتنی دور کا سفر کیا جسے وہ جانتا تک نہیں۔

سنی، جلاد۔

میٹر کا جسم صدمے سے جھٹکا کھاتا ہے، اُس کی کٹی ہوئی سانس کی نالی سے خون خرخراتے ہوئے باہر نکلتا ہے جس دوران وہ ہوا کے لیے سانس بھرتا اور کھانستا ہے۔ فلموں میں کوئی آدمی فوراً ہی مر جاتا ہے؛ جیسے ہی اُس کی گردن کاٹی جاتی ہے، کسی ڈھیر کی صورت گر جاتا ہے۔ لیکن میٹر تگ ودو کرتا ہے۔ بغیر لفظوں کے، بے زبانی سے، چپ چاپ وہ سانس لینے کی جدو جہد کرتا ہے۔

مونٹی کو اب لیلیٰ کے پاس ہونا چاہیے۔ وہ اپنی آنکھیں بند کرتا اور اپنے اور اس کے درمیان مردوں کو دھکیلتے آگے بڑھتا ہے، لیلیٰ کے پاس عین اُس وقت پہنچتا ہے جب وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھتی ہے۔ وہ اُسے تھامنا چاہتا ہے، اس کے رونے سے قبل اُس کو تسلی دینا چاہتا ہے، لیکن جب وہ اس کے قریب ہوتا ہے، اتنے قریب کہ اس کے بالوں میں اب بھی منڈلاتی تمباکو کی ہلکی سی مہک سونگھ سکے، وہ اپنے سر کو پیچھے کی جانب خم دیتی اور اپنے تالو پر رقص کرتی زبان کے ساتھ سورج کی طرف منہ اٹھا کر چلاتی ہے۔

''اللہ اکبر۔'' سنی اس زبان میں نعرہ لگاتا ہے جو اس کی نہیں۔

لیلیٰ آسمان کی جانب اپنا منہ اٹھاتی اور کسی دلہن کی طرح لمبی چیخ مارتی ہے۔

اپنے سینے میں تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ گہری سانس لیتے ہوئے مونٹی اُس کے عقب میں کھڑا ہے۔ ''لیلیٰ۔'' وہ دھیرے سے پکارتا ہے۔

لیکن اس کی زبان اپنا جنگی نعرہ جاری رکھتی ہے۔

وہ خوف زدہ نہیں، وہ جشن منا رہی ہے۔

''لیلیٰ۔'' مونٹی اس کے بالوں کے عقب سے کہتا ہے، جیسا اُس نے کبھی ایک مرتبہ کیا تھا، ماضی میں جب وہ ایک مختلف عورت تھی، ماضی میں جب وہ ابھی ایک لڑکی تھی۔ لیکن وہ اُسے سنتی نہیں۔ مونٹی دھیرے سے اُسے چھوتا ہے۔ فوراً ہی وہ اس کے کندھوں کو اٹھتے اور اس کے جسم کو جھرجھری لیتے دیکھتا ہے۔

لیلیٰ غصے سے مڑتی ہے۔

''مجھے چھونے کی جرأت مت کرنا۔'' وہ غصہ سے دیکھتے ہوئے مونٹی پر تھوکتی ہے، یوں جیسے وہ کوئی اجنبی ہو۔

''لیلیٰ۔'' مونٹی ہکلا جاتا ہے۔ کیا وہ اسے پہچانتی نہیں؟ جب لیلیٰ نے آخری بار اُسے دیکھا تھا، تب سے اُس کی ڈاڑھی بڑھ گئی ہے اور وہ دھوپ سے سنولا گیا ہے، کچھ دبلا ہو گیا ہے، لیکن بس اتنا ہی۔ ''یہ میں ہوں۔''

وہ اپنا لمبا سیاہ عبایا اپنے گرد مزید لپیٹتی اور اس سے رخ موڑ لیتی ہے۔

''میں تمہاری خاطر یہاں آیا ہوں، لیلیٰ۔'' مونٹی نرمی سے اپنی بات جاری رکھتا ہے۔ ''میں اب ایک سپاہی ہوں۔''

اُن کے ارد گرد تمام برادران چلا رہے ہیں، کچھ ہوائی فائرنگ کرتے ہیں، دوسرے ڈھول کی دھن کی نقل کرتے ہوئے زوردار تالیاں بجاتے ہیں۔ کسی نے بھی لیلیٰ کو مونٹی پر چلاتے نہیں دیکھا۔

لیلیٰ اپنا چہرہ ذرا سا موڑتی ہے، صرف اتنا کہ مونٹی اس کے ہونٹوں کو حرکت کرتے دیکھ سکے اور مڑے بغیر کندھے پر سے اس سے مخاطب ہوتی ہے۔ ''اگر تم نے مجھے تنگ کرنا بند نہ کیا مونٹی، تو میں کسی کے ذریعے تم سے چھٹکارا پالوں گی۔''

یہ پہلی مرتبہ ہے کہ لیلیٰ نے اس کا نام لیا ہے۔

''گھر چلے جاؤ، مونٹی۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

تکبیر... برادران چلائے، حقیقت میں یہ جانے بغیر کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ تکبیر۔

سنی

"مجھے کبھی اتنا اچھا محسوس نہیں ہوا، کبھی نہیں، کبھی بھی نہیں۔

تاج مجھے دو، میں بادشاہ بننے والا ہوں۔"

سنی ریت پر پشت کے بل لیٹا اپنی کلاشنکوف لیے چہچہا رہا ہے۔ صحرا تیز دُم دار ستاروں کی روشنی سے تابندہ ہے، جھلملاتی کرنوں کی صورت چمک دار سبز اور سنہری دُمیں۔ صبح کے چار بجے ہیں اور توپوں کی گھن گرج زمین کو ہلاتی ہے۔

"میں ایک نیا انسان ہوں، مونٹی۔" سنی اپنے ہونٹ چباتا اور آہستہ سے سر ہلاتا ہے۔ "اُس میئر کی زندگی لی اور اس کی روح اپنی روح میں کھینچ لی، سنا تم نے؟ تمہیں معلوم ہے کسی انسان کی جان لینا کیسا ہوتا ہے؟" سنی، مونٹی کی نظروں میں نظریں گاڑ دیتا ہے۔ اُسے اتنے توجہ سے دیکھتا ہے کہ وہ مونٹی کو اندر سے کانپتے "محسوس" کر سکتا ہے۔ اُس کا ننھا سا، قیمتی دل سنی کی پسلیوں میں، سنی کی ہڈیوں کو کھنکھناتے ہوئے دھڑکتا ہے۔ اس کو پورا وجود مونٹی کے خوف سے قوت پا رہا ہے۔ یہ کسی پاگل سی جادوگری جیسا لگتا ہے، مگر یہ سچ ہے۔ وہ تمام شکوک، وہ ساری تکلیف، سنی نے پلکیں جھپکا کر بھگا دی۔ پلکیں جھپکا کر آنسو پی کر اسے مار دیا۔

سب بیت چکا ہے، سب کا سب۔ اب سنی کو کچھ بھی رو کے ہوئے نہیں، دوبارہ جنم لیا ہے اُس نے۔

"میری دو روحیں ہیں، مونٹی۔ میری اور اُس کی۔ اُس کی طاقت، اُس کی مضبوطی، اُس کا خوف، اُس کی دہشت... وہ سب کی سب مجھے مل گئی۔ جب میں نے اُس کا گلا کاٹا تو اس سب کو اپنی رگوں میں دوڑتے محسوس کیا۔ جب میں نے اُس کا گندا خون بہایا تو میں نے اُس کے جہان کو وراثت میں پا لیا، مونٹی۔ وہ اب میرا ہے۔ وہ شخص جو کچھ بھی تھا، وہ اب میں ہوں۔"

مونٹی اپنی سانسیں رو کے سنی کی بات سنتا ہے۔

میں نے ایک آدمی کی جان لی، میں نے اس کی روح کو کھا لیا۔

اب آگ سے باہر نکلنے کی کوئی راہ نہیں، باس۔ اب یہی ہیں ہم۔ آگ کی پیدائش، بیٹے۔ خون سے جنم لیے ہوئے۔

مونٹی کو علم نہیں کہ کیا کہے۔ سنی اُس کے چہرے پر یہ دیکھ سکتا ہے... وہ مفلوج ہے۔

حالات بدلتے ہیں، مونٹی دھیرے سے زیرلب کہتا ہے، اب یہ ختم ہو چکا ہے۔ ہم نے یہ کرلیا، ہم کامیاب رہے۔ کیا ہمارا کام ختم نہیں ہو گیا؟

''اوہ نہیں، بیٹے۔'' سنی اپنا سر جھٹکتا ہے۔ ''یہ صرف آغاز ہے۔'' رات کی خنک ریت میں اپنا جسم اُس کی جانب گھسیٹتے ہوئے وہ مونٹی کے قریب چلا آتا ہے۔ ''تم اسے بجھا سکتے ہو، مونٹی، مگر آگ پھوٹتی رہے گی۔''

مونٹی

مونٹی رات بھر سو نہیں پایا۔ یہ جانتے ہوئے کہ سنی اس کے برابر میں لیٹا تھا، وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ اپنی آنکھیں بند نہیں کر پایا۔ مونٹی کو سنی پر جتنی بھی باتوں کا شبہ تھا... جھوٹ بولنا، جاسوسی کرنا، اشتعال... اُس نے ایک بار بھی یہ تصور نہ کیا تھا کہ وہ کوئی قاتل تھا۔ آخر وہ اُس کے اندر یہ کیوں کر نہیں دیکھ پایا تھا؟

نینوا پر حملے کا آغاز نصف شب کے بعد کیا گیا۔ مقامی لوگوں کی کشمکش کے دوران اُمہ تحریک نے شہر پر بمباری کر دی۔ حتیٰ کہ اب گھنٹوں بعد بھی فاصلے پر بھاری مشین گن فائر کر رہی تھی۔

مونٹی نظر اٹھا کر رات کے آسمان کو دیکھتا ہے۔ وہ روشن ہے، وہ خود کو بتاتا ہے۔ آتش بازی، ستارے اور بس۔ صرف روشنی۔

لیلیٰ اُسے نہیں چاہتی، بدتر یہ کہ وہ اس سے نفرت کرتی ہے۔ مونٹی کا خیال تھا کہ وہ اپنی پرانی زندگی کو کوئی کمی محسوس کرتی تھی، یہ کہ وہ اکیلی تھی... اُس کی طرح... حتیٰ کہ لوگوں کی اس فوج میں بھی۔

ہو سکتا ہے کہ وہ باقی سب کی وجہ سے اُس پر پھٹ پڑی ہو، کیوں کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی انہیں ساتھ دیکھے۔ شاید لیلیٰ نے خیال کیا ہو کہ مونٹی اُس کا راز کھول دے گا؟ لیکن وہ ایسا کبھی نہ کرتا۔ اُس نے اس کی آواز میں موجود غیظ کے بارے میں سوچا، وہ تلخی جس سے وہ اُس سے مخاطب ہوئی تھی۔ کیا وہ اُس کے بغیر یہاں خوش تھی، پروپیگنڈا ویڈیوز بنا کر اور سر قلم کرنے والوں اور قاتلوں کو ترغیب دے کر؟

مونٹی اپنے پہلو کے بل لیٹتا ہے اور آسمان کی گہری نیلاہٹ میں دھماکہ خیز سنہری روشنیوں کو لمبی لکیریں چھوڑتے دیکھتا ہے۔ وہ لیلیٰ کے متعلق سوچتا ہے، کراچی کے آلودہ ساحل پر اپنے لمبے ہاتھ پھیرتے ہوئے، اُس کے چہرے پر گرتے اُس کے بال، کیسے وہ اُس کا چہرہ اپنی انگلیوں میں تھامتی تھی اور نقرئی کنکری ریت کے ذرات اُس کی ٹھوڑی اور ہونٹوں کے گوشوں پر چھوڑ دیتی، کیسے وہ اس کے قریب سے قریب تر آ گئی تھی، یہاں تک کہ اس کا شانہ مونٹی کے دل کے مقام کو چھونے لگا۔ مونٹی، اُس نے سرگوشی میں کہا تھا، ہوا، نمک اور دھویں سے بوجھل تھی، مونٹی کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟

اُس کا دل اس یاد سے مسرور ہو گیا۔

لیکن وہ کسی اور زمانے کی بات تھی۔ وہ کوئی اور عورت تھی۔

اور سنی۔ سنی کون تھا؟

مونٹی اٹھ بیٹھتا ہے اور مختلف فائر ٹیموں کو اپنی پُر جوش تیاری کرتے دیکھتا ہے۔ نینوا کی نیند کے عالم میں، دو گھنٹے قبل فاصلے پر بمباری شروع ہو چکی تھی۔ وہ شہر کی پانی کی سپلائی اور ٹیلی فون ایکسچینج کو پہلے ہی اڑا چکے تھے۔

خبریں آگے پیچھے پہنچاتے ہوئے، لاشوں (ہلاکتوں) کی تعداد کو بڑھ چڑھ کر بیان کرتے ہوئے برادران اب اپنے عارضی پڑاؤ کے گرد تیز تر بھاگ دوڑ میں تھے۔ مقامی ملیشیا نے کسی دفاع کا آغاز اب جا کر کیا تھا، مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ نینوا پر آرٹلری کے راؤنڈ بارش کی طرح برس رہے تھے۔

مونٹی، سنی پر نگاہ ڈالتا ہے؛ وہ اپنی کلاشنکوف کو خوشی سے گیت سناتا ہوا اس قدر پُرسکون دکھائی دیتا ہے، جیسے اُس سے پہلے کبھی نظر نہ آیا تھا۔ ''کون ہے محبوب لڑکی؟ کون ایک بڑے عظیم دن کے لیے تیار ہے؟''

کل اُس نے ایک آدمی کا گلا کاٹا تھا اور اب وہ مرتے ستاروں کو دیکھ رہا ہے اور اپنی کلاشنکوف کو گیت سنا رہا ہے۔

''ننھی حسینہ کون ہے؟'' مونٹی اپنے ہتھیار کو سہلاتے ہوئے اپنی بانہہ پر سر رکھتے ہوئے اپنا پہلو بدلتا ہے۔ ''تم ہو، ہاں، تم ہی ہو۔''

سنی

سنی نے رات بھر مونٹی کو پہلو بدلتے، اچھلتے، چونکتے حرکت کرتے دیکھا۔ اس نے پلک تک نہ جھپکائی، مسلسل یہ چیک کرتے ہوئے اپنی نگاہیں سارا وقت سنی پر رکھیں کہ وہ وہیں موجود تھا۔ یوں جیسے وہ خوف زدہ تھا کہ سنی اُسے چھوڑ دے گا۔

اب جب برادران کھانے کو تیزی سے نگلتے ہوئے چپٹے لوبیا اور روٹی کا مختصر ناشتہ کر رہے ہیں، اس سے قبل کہ ان سب کو ان کے فرائض کے لیے بلایا جائے، مونٹی دبے پاؤں حدرسائی سے پرے کہیں جانے کے لیے چوری چھپے نکلتا ہے۔ لیکن وہ سنی کو اپنی نگرانی کرتے ہوئے نہیں دیکھ پاتا۔

''اب بہت دیر ہوگئی ہے، مونٹی۔''

وہ اپنے قدموں پر دم بخود ہوگیا۔

''ہم نینوا کو مٹی میں ملا دیں گے۔ کوئی بھی شہر نہیں چھوڑتا ہے جب تک کہ ہم نہ کہیں۔'' سنی اُس مدھم سی روشنی میں مونٹی کی آنکھوں کی سفیدی دیکھنے کی کوشش کرتا ہے، جو ہر دھماکے کے بعد بھڑکتی اور پھر غائب ہوجاتی ہے۔ ''حتیٰ کہ تم بھی نہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ کس نے کہا کہ میں چھوڑنا چاہتا ہوں؟''

سنی آہستہ سے اٹھ بیٹھتا اور اپنے جوتوں کے تسمے باندھتا ہے۔ ''میں تمہیں دیکھ کر یہ بتا سکتا ہوں، مونٹی۔ تم دہشت زدہ ہو۔''

گھبراہٹ زدہ مونٹی اپنا سر جھٹکتا ہے۔ ''یہ بس... میں نے ایسا کچھ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

یہ سب پہلے سنا تھا، یار۔ ریڈار سے چھپتے ہوئے میں اپنے لیے اچھے مواقع کی تلاش میں ہوں،'' کچھ مزید لڑکوں کو بھرتی کرتے ہوئے۔'' اس بات کا کوڈ کہ میں صرف ایک بزدل ہوں اور بس فیفا کھیلتے ہوئے گھر رہنا چاہتا ہوں۔ وہی غلاظت، مونٹی، بس بدبو مختلف ہے۔

سنی اپنی چیزیں اکٹھی کرنا جاری رکھتا ہے۔ ''تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے، مونٹی۔ میں بتا سکتا ہوں، مجھے اب بپتسمہ دیا جاچکا ہے، مجھ میں اب ہر قسم کی طاقتیں ہیں۔''

آرٹلری شیلز کی سیٹی کے بعد شدید تباہ کن گرج سنائی دی۔ مونٹی اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام کر جھک گیا۔ سنی اُسے کانپتے دیکھ سکتا ہے۔

سیم انہیں پکار کر بلاتا ہے... وہ چاہتا ہے کہ سنی اُس ہائی لیکس کے پچھلے حصے پر سوار ہو جو بھاری مشین گن سے فائر کرنے والی ہے۔

سنی اچھل کر مسلح گاڑی کے پچھلے حصے پر سوار ہوتا اور اس پر لگی مشین گن کا جائزہ لیتا ہے۔ وہ کسی ٹینک کا الگ کیا گیا حصہ دکھائی دیتی ہے جسے اس گاڑی پر جوڑ دیا گیا ہو۔

وہ اس بھاری مشین گن (Dushka) پر اپنی انگلیاں پھیرتا ہے۔

''تم نے دیکھا اُسے؟'' سنی چلا کر مونٹی سے کہتا ہے،''یہ بے بی ایک منٹ میں چھ سو راؤنڈ فائر کرتی ہے۔ ایک منٹ میں، سنا تم نے؟''

مونٹی اپنی جھکی نظروں کے ساتھ سر ہلاتا ہے۔

سنی اُس میں موجود دہشت کو دیکھ سکتا ہے۔ جو کچھ بھی ہے، سنی یہ جانتا ہے... کوئی بڑا راز ہے جس کی مونٹی حفاظت کر رہا ہے اور اس میں اب کچھ دیوانی سی توانائی ہے۔ لڑکے میں اس دہشت کو چھپانے کا کوئی ہنر نہیں، جو وہ محسوس کر رہا ہے۔

''تم یہاں کس لیے آئے ہو، مونٹی؟''

مونٹی بے چینی سے اپنا بوجھ اپنے ایک سے دوسرے پیر پر ڈالتا ہے۔

سنی چھلانگ لگا کر ہائی لیکس سے اترتا اور اُس کی جانب بڑھتا ہے۔''تمہیں ہتھیاروں میں ذرہ برابر دلچسپی نہیں۔ تم فتح کرنا اور ہلاک کرنا نہیں چاہتے... تمہارے چہرے کے اس خراب و بیمار تاثر سے کم سے کم یہی لگتا ہے۔''

وہ بولتے ہوئے مونٹی کے گرد چکر لگتا ہے۔

''اور تمہیں مشین سے متعلق کچھ علم نہیں، یا جنگجوؤں کے بارے میں، جن کا ہمیں یہاں مشاہدہ کرنا اور محفوظ بنانا ہے تو پھر تم یہاں آئے کس لیے؟''

مونٹی دوبارہ اپنی نظریں اپنے جوتوں پر جما لیتا ہے۔

''اگر یہ کوئی راز ہے مونٹی...'' سنی اس کے اس کے اتنے قریب کھڑے ہو کر کان میں سرگوشی کرتا ہے کہ مونٹی اُس کے منہ کی بدبو کو محسوس کر سکتا ہے۔''تو میں معلوم کر لوں گا۔''

Yalla یا شباب! ہائی لیکس پر سے سیم چلاتا ہے۔ بیس کے لگ بھگ گاڑیاں قطار میں کھڑی ہیں، سب پر ہلکی مشین گنیں نصب ہیں، ZZU-32 طیارہ شکن توپیں اور محبوب Dushkas۔

آدمی فار مشین بناتے ہیں، ایک برادر ڈرائیونگ کر رہا ہے، ایک برادر نیویگیٹ کر رہا ہے، ایک شوٹنگ، ایک اسلحے کی تیاری کر رہا ہے۔ زنجیروں والے گینگ کے قیدیوں میں سے ایک، میٹر کے

بیٹوں میں سے ایک کو سیم باہر کھینچتا ہے۔ وہ پندرہ سولہ برس کا ہوگا، بالکل بچہ۔ اُس کے ہاتھ اب تک پشت پر بندھے ہیں اور اُس کا چہرہ گرد سے اٹا ہوا ہے، سوائے اس کے رخساروں پر چند لکیروں کے۔

''ٹرک پر چڑھو۔'' اپنے ہاتھوں کی مدد کے بغیر وہ ہائی لیکس پر چڑھنے کی جدوجہد کرتا ہے تو سنی اُسے لات رسید کرتا ہے۔ ''مجھے اب مزید پرواہ نہیں۔'' سنی مدد سے انکار کرتے ہوئے اپنے بازو سینے پر باندھ لیتا ہے۔ ''مجھے پرواہ نہیں۔''

سیم جو قیدی کو ٹرک کے اوپر کھینچتے ہوئے اس کی ٹی شرٹ تھامے ہوئے ہے، ہنستا اور اُسے گرا دیتا ہے۔ لڑکے کا چہرہ ہائی لیکس کے فرش کو چھوتا ہے۔ دھاکا! سیم لڑکے کی گردن اپنے بوٹ کی ایڑی سے کچلتا ہے، اسے دباتا ہے یہاں تک کہ اس کا دَم گھٹنے لگتا ہے۔

سنی ہائی لیکس سے ٹیک لگاتا ہے، سیم کے بوٹ اور میسّر کے لڑکے کی سطح پر جھکتے ہوئے وہ اپنا فون سیلفی بنانے کے لیے مونٹی کو تھماتا ہے۔ ''تصویر لو، مونٹی۔''

مونٹی ایک بھی لفظ کہے بغیر تصویر اتارتا ہے۔

سنی ہائی لیکس کے فرش پر بیٹھتا ہے اور رنگ بڑھاتے ہوئے، سٹرکچر کو ایڈجسٹ کرتے ہوئے وہیں تصویر کو ایڈٹ کرنے لگتا ہے۔

''لڑکو!'' سیم اپنا واکی ٹاکی نکالتا اور ایک منٹ کے لیے کان سے لگا لیتا ہے۔ ''تمہیں اترنا ہوگا۔''

''کیا؟'' سنی اپنے فون سے نظر اٹھاتا ہے، ''کیوں؟''

سیم اپنے کندھے اچکاتا ہے۔ ''ابو خالد بیس کیمپ میں ہے۔'' وہ سختی سے ہاتھ میں واکی ٹاکی تھامے ہاتھ سے اُس اپارٹمنٹ بلاک کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کسی قونصل فلیٹ جیسا دکھائی دیتا ہے۔

کیا ہم لڑائی کے لیے نہیں جارہے؟''

''نہیں، وہ اب تمہیں وہاں بلا رہے ہیں۔''

سنی اپنا سر جھٹکتا ہے۔ ''شرم کی بات ہے، واقعی۔'' وہ اپنی انگلیاں چٹخاتا اور مونٹی کو کچھ ایسے تاثر سے دیکھتا ہے جو فخر و غرور سے مشابہ ہے۔ ''اس میں ہر طرح کی تاریکی نہاں ہے۔''

سنی اپنی نظریں اس پر جمائے رکھتا ہے۔

''رازوں سے بھرا ہے، ہمارا مونٹی۔''

مونٹی اس کی جانب نہیں دیکھتا، لیکن سنی اُسے پُرسکون ہوتے ہوئے گہری سانس بھرتے دیکھ سکتا ہے۔

اُن کے سامنے موجود قتل عام ایک انتہائی بکواس ہے۔ نینوا کے اہم مقامات پر بغیر مسلح Hummers کھڑی ہیں اور برادران پہلے ہی مزاحمتی جنگجوؤں کو قطاریں بنوا کر ہلاک کرنا شروع کر چکے

ہیں، ہسپتال، ڈاک خانے، ٹیلی فون ایکسچینج اور تمام بڑی چورنگیوں اور بازاروں کے باہر ٹینک متعین ہیں۔

سنی کو اپنا جسم قد آور ہوتے، اپنا حوصلہ پرواز کرتے محسوس ہوتا ہے۔ اُس کے تاج (کامیابی) اور گوریلا کے ساتھ اب عوز اُس سے کیسے لڑ سکتا ہے؟ عوز ایک بالشتیا ہے۔ سنی ایک دیو۔ عوز ایک چیونٹی ہے، اپنی کالونی کے بوجھ تلے کچلی ہوئی چیونٹی۔ سنی ایک جنگجو ہے، ابھرتا اور گرتا ہوا، لیکن ہمیشہ روشنی بردار۔

وہ اپنے کزن کے نام ای میل میں فلٹر شدہ اور فریش اَپ شدہ تصویر لگاتا ہے۔ موضوع ہے: کیا تم، یا کوئی جسے تم جانتے ہو، انقلابی ہے؟

#fuckyou #naturalbornkillerz #swag

مونٹی

مونٹی مسلح گاڑی کے عقبی حصے میں بیٹھا ہے جسے کریموف تیزی سے نینوا کے مضافات میں اپارٹمنٹ بلاک کی طرف بڑھا رہا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ابو خالد نے اب تک سنی اور اُس سے بات نہیں کی۔ اُس نے صحرا میں پڑاؤ کیے برادران کے ساتھ رات نہیں گزاری اور نہ ہی گزشتہ رات ان سے معلومات لینے کے لیے کسی لیفٹیننٹ کو بھیجا تھا۔ کسی نے ان سے کچھ دریافت نہ کیا تھا... نہ ابو خالد نے، نہ ہی اُس کے نائبین میں سے کسی نے۔ سیم نے پوچھا کہ آیا انہیں مزہ آیا۔ ایرڈو تصویریں دیکھنا چاہتا تھا، اور بس اتنی ہی بات ہوئی۔

وہ دنیا کے خطرناک ترین ملکوں میں سے ایک میں 150 کلومیٹر پیدل چلے تھے، بے فائدہ۔ بظاہر کسی وجہ کے بغیر مونٹی کو صحرا عبور کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، تنہا اور بلا حفاظت۔ یہاں کوئی اسے رکھنا نہیں چاہتا، کسی کو اس کی ضرورت نہیں۔

وہ جان سے جا سکتا تھا۔ مونٹی اپنے بجتے ہوئے سر کو اپنے ہاتھوں میں تھامتا اور سوچتا ہے کہ یہ سب کیسا ضیاع رہا تھا۔ وہ یہاں مر بھی سکتا تھا۔

اور کس کی خاطر؟

کیا یہاں آنے کی کاوش اس قابل (فائدہ مند) تھی، صرف اس لیے کہ لیلیٰ اُس پر تھوک دے؟

وہ اپنی آنکھیں بند کرتا اور سینے میں ابھرتی گھبراہٹ کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ سب ٹھیک ہوگا۔ ابو خالد، نینوا پر حملہ آور دستوں کا حصہ نہیں، وہ لڑائی کے کہیں قریب بھی نہیں۔ وہ کبھی نہیں ہے۔

رات کا طویل نقاب ابھی اٹھا نہیں اور نینوا کی گلیاں ہلکی نارنجی نیلگوں چمک میں نہائی ہوئی ہیں۔ یہ وہ روشنی ہے جو مونٹی نے کبھی صرف صحرا میں دیکھی ہے۔ آسمان پر لہریے بناتے رنگوں کے روشن لچھے۔ اسے کاغذوں کے اُن پُرزوں کا خیال آیا جو بجھنے سے پہلے لحظہ بھر کو رنگوں کے خیرہ کن ہالے کی

صورت جلتے تھے، کسی بھی آگ کو روشن کرنے میں ناکام۔

نینوا کے الیکٹریکل پلانٹ اور پاور گرڈ کو پہلے ہی نشانہ بنایا جا چکا ہے۔ شہر اب کئی گھنٹوں سے شمعوں کی روشنی میں لڑ رہا ہے۔ جب ان کی مسلح گاڑی خستہ حال، گولیوں سے اٹی عمارتوں کے قریب سے گزری، مونٹی نے کھڑکیوں سے جھانکنے کی کوشش کی، لیکن وہ تاریک اور سرد ہیں اور ہائی لیکس اتنی تیزی سے گزری کہ وہ کچھ دیکھ نہیں پایا۔

وہ گہری سانس بھرتا ہے۔ نینوا کا سقوط گھنٹوں دُور ہے۔ وہ ابو خالد کو معلومات فراہم کریں گے اور وہ اس سے نکلنے کی راہ تلاش کر لے گا۔ لیکن اُس کے معدے سے دہشت کا احساس اٹھتا ہے اور لمحے بھر کو مونٹی کو خیال ہوتا ہے کہ وہ بیمار ہونے والا ہے۔

وہ دوبارہ اپنی آنکھیں بند کرنا چاہتا ہے، انہیں لمحے بھر کو بند کرنا اور آرام دینا چاہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی منزل کو پہنچ جائیں۔ مگر کوئی اُسے دیکھ رہا ہے۔ وہ نگاہ اٹھاتا ہے اور سنی ہے وہاں، اُس کے سامنے ہائی لیکس کے فرش پر بیٹھا ہوا سنی اور اس کے چہرے پر پھیلتی ایک کمزور سی مسکراہٹ۔

O

مونٹی آہستہ سے اپنی آنکھیں کھولتا ہے، اس کے کانوں میں ایک نرم سی دھن بج رہی ہے۔ یہ ایسا گیت ہے جسے وہ پہلے سن چکا ہے، اگرچہ خوابوں کی دھند بھری برزخ میں، اسے یاد نہیں آیا کہ کہاں، یہاں تک کہ وہ آنکھیں کھولتا اور اپنے عین سامنے ابو خالد کو اپنا موبائل فون اُس کے چہرے کی طرف اٹھائے کھڑے پاتا ہے۔ ''کیا تمہیں کوئی شعور بھی ہے کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟ یا میرے اردگرد کیا ہو رہا ہے؟'' لیکن دوسری طرف جو کوئی بھی تھا، اُس نے فون رکھ دیا اور ابو خالد عربی زبان میں کچھ گالیاں بکتے ہوئے فون کو اپنی ٹانگ پر زور سے مارتا ہے۔ مونٹی جلدی سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

وہ اپنی معذور ٹانگ کو گھسیٹتے ہوئے اپنی طرف آتے کمانڈر کے پیروں کی چاپ سنتا ہے۔ ابو خالد اپنا بھاری ہاتھ مونٹی کے کندھے پر رکھتا ہے۔ ''یا مصطفیٰ۔'' وہ ناک سڑکتے ہوئے اُسے ہلاتا ہے۔ ''یا مصطفیٰ؟''

مونٹی ایک ایک کر کے آنکھیں کھولتے ہوئے یقین دہانی حاصل کرتے کہ تیوری چڑھائے، جاگنے کی اداکاری کرتا ہے، یوں جیسے کہ واحد چیز جو اُس نے سنی، وہ اس کا نام تھا۔ کمانڈر کی آنکھوں کی پتلیاں پھیلی ہوئی ہیں اور اس کے نتھنوں کے گرد جلد خشک اور سرخ ہے۔

مونٹی جلدی سے اپنے بالوں اور اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھ بیٹھتا ہے۔ انہیں ہائی لیکس سے اتار کر نینوا کے مضافات میں ایک اپارٹمنٹ میں لایا گیا تھا۔ لیکن کمانڈر اُن کے خیر مقدم کے لیے وہاں موجود نہ تھا۔ اس کی بجائے مونٹی اور سنی کو ایک خالی کمرے میں لے جایا اور انتظار کرنے کو کہا گیا۔

وہ کب سو گیا تھا؟ وہ کتنی دیر سے منتظر تھے؟ مونٹی کی نگاہیں سنی کی تلاش میں کمرے میں گھومیں لیکن وہ وہاں موجود نہیں۔ ایک پُر حدت روشنی کمرے کو بھر رہی ہے، ابھی صبح کا وقت ہے۔ مونٹی کمرے کے سرد فرش پر تنہا ہے، اس کی پشت دیوار سے لگی ہوئی ہے۔

''مجھے افسوس ہے۔'' وہ ہکلاتا ہے، ''میں بے حد تھکن زدہ تھا۔''

وہ اپنی انگلی اپنی آنکھوں کے گوشے پھیرتا اور پلکوں پر سے نیند میں جمع مواد کو صاف کرتا ہے۔

ابو خالد ہاتھ میں چائے کے دو کپ اٹھائے ہوئے ہے اور ایک کپ وہ مونٹی کو تھما دیتا ہے جس دوران ایک نائب کرسی لے آتا ہے۔

مونٹی بے انتہا میٹھی چائے کی چسکی لیتا ہے، جس کی چینی اس کے حلق میں تہ چڑھا دیتی ہے۔

''تم نے خوب کام کیا، یا مصطفیٰ۔'' ابو خالد آرام سے بیٹھتے ہوئے اسے مبارک باد دیتا ہے۔

''تم نے خود کو ثابت کیا اور ایسا نہیں کہ اسے نوٹس نہ کیا گیا ہو۔'' کمانڈر سر ہلاتا اور اپنے کپ کو زمین پر دھرنے سے پہلے ایک بڑا سا گھونٹ بھرتا ہے۔ ''لیکن سنی نے مجھے بتایا کہ تم پریشان ہو؟''

مونٹی کو اپنے پیٹ میں اینٹھن محسوس ہوتی ہے۔

''اُس کا کہنا ہے کہ تم کچھ غیر متوازن ہو، اُس سب کے باعث جو تم نے دیکھا۔'' ابو خالد، مونٹی کے قریب جھک آتا ہے۔ ''ہم نے یہاں اپنی موجودگی جمالی ہے۔'' وہ غیر آباد کمرے میں اپنا ہاتھ لہراتا ہے۔ ''ہم فاتح ہیں، یا مصطفیٰ، ہم سپاہی ہیں۔ یہ وقت ہمارا ہے۔ تم ایک پاسبان ہو... ایک آدمی کے لیے اس سے عظیم تر کیا ہو سکتا ہے؟''

مونٹی بات نہیں کرنا چاہتا، کیا ہو اگر سنی کہیں قریب ہی ہو مگر وہ اتنا کمزور ہے کہ کھڑا نہیں ہو سکتا اور جہاں وہ بیٹھا ہے، وہاں سے دروازے سے باہر دیکھ نہیں سکتا۔

''لیکن ابو خالد...'' بے یقین کہ کیسے بیان کرے، مونٹی بات شروع کرتا ہے۔ ''پیش قدمی بہت خطرناک تھی... ایسے لمحات آئے کہ مجھے یقین نہ تھا کہ ہم بچ پائیں گے۔''

کمانڈر اپنا چائے کا کپ فرش سے اٹھاتا ہے۔ ''مصطفیٰ، تم جانتے ہو کہ ہم شہدا کو کیسے دفناتے ہیں؟ کیا تم جانتے ہو کہ لڑکوں کو مٹی کو کیسے لوٹاتے ہیں، اُن کے مرد بننے سے پہلے؟''

مونٹی اپنا سر ہلاتا ہے۔ وہ نوٹس کرتا ہے کہ ابو خالد کی چائے سیاہ نہیں، وہ زردی مائل ہے، شہد کی طرح۔

''ہم رقص کرتے ہوئے ان کی میت اٹھاتے ہیں، ہم ان کے جنازے کے پیچھے کسی بارات کی طرح چلتے ہیں، دلہا کو اس کی دلہن تک لے جاتے ہوئے۔''

ابو خالد اپنے کپ سے آہستہ سے چسکی بھرتا ہے۔

''جنازے کے پیچھے ہماری عورتیں گیت گاتے ہوئے اس کی قبر تک جاتی ہیں۔ ہم انہیں گلاب

کی پتیوں سے غسل دیتے ہیں، یا مصطفیٰ۔ ہم موت سے خوف نہیں کھاتے۔''

مونٹی سمجھ جاتا ہے کہ وہ اس وجہ سے ناخوش ہے، یہی وجہ ہے لیلیٰ اُسے اس کے خوابوں میں ڈراتی ہے۔ اس نے خود کو لیلیٰ پر ثابت کرنے کے لیے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا، صرف ستاروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے صحرا میں سفر کیا، لیلیٰ پر یہ ثابت کرنے کو کہ وہ کسی اور قسم کا آدمی تھا۔ لیکن وہ چاہے جس بھی قسم کا آدمی بننے کی کوشش کرے، وہ اُسے نہیں چاہتی۔

''لیکن یہ ختم کیسے ہوتا ہے؟'' مونٹی کا دل پریشانی سے دھڑکتا ہے۔ سی کہاں ہے؟

کمانڈر کی آنکھیں چمک رہی ہیں، اب آپ ان کی سفیدی نہیں دیکھ سکتے۔ اچانک مونٹی سوچتا ہے کہ آیا یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی نہیں لڑتا، اسی وجہ سے کیا وہ اُسے کبھی میدان میں نہیں دیکھتا۔ اپنی حوصلہ افزا گفتگوؤں کے بعد کیوں وہ اپنے لیفٹیننٹ کو سرگوشی کرتا اور اپنے خیمہ میں غائب ہو جاتا ہے۔

کیا وہ نشہ میں مخمور ہے؟

''جب منگولوں نے شاہراہِ ریشم پر قبضہ کیا، کوئی انہیں نہ روک سکا۔''

مونٹی احتیاط سے، غور سے سنتا ہے۔ اس کا سر دُکھ رہا ہے۔ اسے کچھ اندازہ نہیں کہ انہیں اس سنسان اپارٹمنٹ بلڈنگ میں کتنا عرصہ رہنا پڑے گا، اس سے پہلے کہ وہ جا سکے۔

''کوئی نہیں۔'' ابو خالد دہراتا ہے۔

''تو پھر منگول سلطنت کا خاتمہ کیسے ہوا؟''

''ایسا نہیں ہوا۔'' اپنے نفاست سے استری کیے گئے ٹراؤزر کی شکنوں کو درست کرتے ہوئے کمانڈر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

کیا اُس کے چائے کے کپ میں وہسکی ہے؟

مونٹی سوالیہ انداز میں نظر اٹھا کر ابو خالد کو دیکھتا ہے۔

''منگول، چین، ازبکستان، تاجکستان، قزاقستان پر حکومت کرتے ہیں۔'' ابو خالد بند مٹھی سے اپنے سینہ پر ضرب لگاتا ہے۔ ''ہم منگول ہیں۔''

مونٹی کو اپنی گردن کی پشت پر خوف رینگتا محسوس ہوتا ہے۔ وہ یہاں مرنا نہیں چاہتا، ان لوگوں کے لیے نہیں، اُس لڑکی کے لیے جو اس سے محبت نہیں کرتی، جو اُس سے نفرت کرتی ہے... اس لیے نہیں۔

''دوسری جانب تم...'' ابو خالد اپنی پستول اپنے ٹراؤزر کی پچھلی طرف اڑستا ہے۔ مونٹی کو یاد نہیں آتا کہ اُس نے یہ Glock (پستول) نکالی کب تھی۔ کیا اُسے کچھ فرضی دکھائی دے رہا ہے؟ کمانڈر اپنے آزاد ہاتھ سے مونٹی کے شانے پر دھپ لگاتا ہے۔ ''منگول تمہیں الٹا لٹکا دیتے اور بھیڑیوں کو کھلا دیتے، یا مصطفیٰ۔''

سنی

سنی اس بری حالت میں، مایوسی بھری جوزف فرٹزل عمارت سے نکلنے اور لڑکوں کی طرف پرواز کرنے کو ہے۔ وہ اپنے اندر دوڑتی توانائی، ایک اونس توانائی بھی ضائع کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ تاریک سیڑھیوں کے ذریعے باہر نکل پاتا، اُس کی ای میل نوٹی فکیشن کی آواز آتی ہے۔ اور پھر ایک اور۔ اور بار بار۔ بار بار۔

سنی اپنا اِن باکس کھولتا ہے، دیکھو اور جان لو، باخبر باملاحظہ... عوز کی طرف سے ایک، عوز کی طرف سے دو، اور عوز کی طرف سے تین ای میلز ہیں۔

اُس کی کوئی دس ای میلز ہوں گی۔ وہ آہستگی سے ڈاؤن لوڈ ہو رہی ہیں۔ سب عوز کی طرف سے اور سب کے موضوع ایک سے ہیں: دوبارہ جنم؟

سنی کا دل پھڑپھڑاتے پروں کی طرح دھڑکتا ہے۔

وہ جانتا تھا کہ عوز لکھے گا۔ سنی جانتا تھا کہ عوز واپس لوٹ آئے گا۔ عوز نے سنی کو دیکھا، اس نے اس کی آنکھوں میں جنگ کا تاثر دیکھا۔ عوز اب مزید خود کو اُلو نہیں بنا سکتا۔ اُن میں سے ایک سب سے آگے بڑھ رہا ہے اور وہ عوز نہیں ہوگا۔ سنی نگاہوں میں ہے۔ اُسے سنا جا رہا ہے۔

سنی کوئی بھیڑ بکری نہیں ہے، اب مزید نہیں۔ اُسے اب قصوروار محسوس نہیں کروایا جا سکے گا، وہ عوز اور پپا کے ہاتھوں اِدھر سے اُدھر حرکت نہیں کرے گا۔ سنی اب خود ایک مرد ہے۔ وہ نگاہوں میں ہے۔ سنی کو سنا جا رہا ہے۔ اس کے پاس اب اپنی تعلیمات ہیں، ایک زبان جس میں دنیا کو پکارا جائے۔

عوز نے ضرور وہ تصویر دیکھ لی ہوگی اور دہشت زدہ ہوگا۔

عوز نے ضرور سنی میں یہ دیکھ لیا ہوگا... آگ سچائی، طاقت۔

اور پھر وہ ای میل کھولتا ہے:

Reforming Radicals

Newsletter 2, January 2017

A Rebirth?

Renounce • Reject • Reform



Patriarchy + Religion= FRAUDS

Ozair here, back with our second newsletter. Wow! Thanks to all 100,000 of you who signed up! Keep spreading the word, we have centuries of backwardness to fight!!

Which brings me to my next point: anyone with the Internet will have seen Layla. They call her the nightingale of war, the princess of jihad. Sound familiar?

Layla, a young woman, has become an emblem for radical hatred, fundamentalism and violence and is the quasi leader of a crazy (trust me, I know) militant group in Iraq.

Layla is working to erase the West from the map, conquer the Middle East, and convert the world away from atheism. But did you also know she has a secret past as a different kind of video star?

This week Reforming Radicals brings you an exclusive investigation into the hypocrisy, lies and secret past of one of the world's most vocal supporters of terror. For the first time

Why does religion produce liars?

The constant judgement of religion creates the necessity for lies. No one is more affected by this than women, who are never central enough to influence religions but are included enough to be traumatized by its rules.

Are sex-tapes un-Islamic?

In a word, yes. They are also anti-Christian, anti-Jewish, anti-Hindu, anti-Buddhist, anti-Jain, anti-Sikh, anti-fun basically. Morally and ethically, so long as you and your partner have discussed consent, the global connectivity of the Internet, and fluidity of gender constructs and respect, then they're fine by us!

Lunch with BHL!

No one understands the oppression of women more than Bernard-Henri Lévy, global feminist and humanist icon. Tune into our YouTube page to see clips from our CEO's lunch with the legendary philosophe and his thoughts on Islam, terror and the great cafés of Paris.



Unsubscribe

مونٹی

''تمہیں یاد ہے؟'' سنی، مونٹی کے سر پر کھڑا ہے۔ مونٹی نظر اٹھا کر دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے سنی کو دیکھتا ہے۔ وہ ضرور ابھی آیا ہوگا۔ سرد ریڈی ایٹر کے برابر میں فرش پر بیٹھا مونٹی گھٹنوں سے اکیلا تھا، اپنی فکروں میں گم، کمانڈر کی طرف سے اس پیغام کے انتظار میں کہ وہ جا سکتے ہیں۔ ''میں ایک پاسبان ہوں۔'' مونٹی نے الفاظ بار بار اپنے آپ سے دہرائے۔ میں ایک پاسبان ہوں۔ میں ایک پاسبان ہوں۔ میں ایک پاسبان (محافظ) ہوں۔ اُس نے کسی دعا کی طرح ان الفاظ کی تلاوت کی۔

''تمہیں یاد ہے کہ ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' سنی کی آواز اُس کے خیالوں میں کسی دھویں کی طرح آ گھسی۔ مونٹی ہر لفظ کو اپنی جانب سفر کرتے دیکھ سکتا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں رگڑتا ہے، بے یقین کہ سنی کو اپنے دماغ میں داخل ہونے سے کس طرح روکے۔

''یقیناً۔''

مونٹی کو یاد آیا کہ وہ یہاں کیا کر رہے تھے۔ جمہوریت نامنظور، شریعت نامنظور۔ ہمارا قانون سب سے بالاتر۔ قومی شناخت، لالچ، حرص، سیکولرازم، کفار، بدعنوانی اور انحطاط کے خطرات سے دنیا کی حفاظت کرتے ہوئے۔ لیلیٰ۔ لیلیٰ کے ساتھ ہونا، اُسے تلاش کرنا، اُسے گھر واپس لانا۔ لڑکی جس سے اُسے محبت تھی۔ یہ تھا جو وہ یہاں کر رہا تھا۔

لیکن وہ سمجھ نہیں پاتا کہ وہ ابھی تک اس اجاڑ کمرے میں، زنگ خوردہ نقرئی ریڈی ایٹر کے برابر میں کیوں بیٹھے ہیں۔

''تم؟'' مونٹی، سنی سے پوچھتا ہے۔ ''تمہیں یاد ہے؟''

سنی مسکراتا ہے۔ ''اٹھو۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھتا اور باہر جھانکتا ہے۔ ''ابو خالد ہم سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

مونٹی اٹھ بیٹھتا ہے اور صرف تب ہی نوٹس کرتا ہے کہ سنی بدل چکا ہے۔ وہ اب کمانڈر کی طرح خاکی کیمو پہنے ہوئے ہے، اس کی قمیص ٹراؤزر کے اندر اڑسی ہوئی ہے، اس کا خنجر اس کی پیٹی میں جڑا ہوا

ہے۔

وہ نظر اٹھا کر سنی کو دیکھتا ہے۔ سنی جس کی اُس سے زیادہ شخصیات ہیں، جتنی اُس کی۔ سنی جسے معلوم ہے کہ اس جنگل میں کیسے راہ تلاش کرنی ہے، کیوں کہ وہ تشدد اور دل آویزی کا اعلیٰ توازن رکھتا ہے۔ سنی، صحرا میں اُس کا واحد دوست۔

راہداری کو دیکھتا ہوا سنی دروازے کے درمیان میں کھڑا ہے۔ دھوپ آہستہ آہستہ ڈھل رہی ہے۔ مونٹی فرش پر جہاں بیٹھا ہے، وہاں سے دیکھ سکتا ہے کہ دھوپ کی ایک کرن سنی کے چہرے پر اتر کر اُسے روشن کر رہی ہے۔

''اُس کے پاس ہمارے لیے ایک مشن ہے۔'' سنی کوراہداری کی جانب سے رخ موڑ کر مونٹی کی طرف دیکھتا ہے، جو فرش پر سکڑ سمٹ کر بیٹھا ہے۔ وہ مسرور دکھائی دیتا ہے۔ مونٹی نے سنی کو کبھی اتنا پُرسکون نہیں دیکھا۔ ''حقیقتاً تمہارے لیے ایک مشن۔''

''ایک اور؟'' مونٹی پوچھتا ہے۔

اوہ ہاں، سنی جواب دیتا ہے۔ اس کا چہرہ مسرت سے معمور ہے۔

O

''ہم ناکام ہو چکے ہیں۔'' ابو خالد اپنے عارضی دفتر کا کام دیتے کمرے میں ایک دھاتی کرسی پر بیٹھتے ہوئے آہ بھرتا ہے۔ وہ فیصلہ کن انداز میں اپنے ہاتھ باندھ کر اپنی گود میں دھر لیتا ہے۔ ''ہم ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہے ہیں۔''

''لیکن ابو خالد...'' مونٹی ہچکچاتے ہوئے بات شروع کرتا ہے۔ ''ہم جیت چکے ہیں۔'' وہ مزید ایک دن لڑتے ہوئے، پیش قدمی میں صرف کرتے ہوئے مزید ایک ہفتے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ یہ دوبارہ نہیں کر سکتا۔ وہ جیت چکے تھے۔ وہ لوگوں کو مرتے اور قاتلوں کے طور پر دوبارہ جنم لیتے دیکھ چکا ہے۔ وہ یہاں کام ختم کر چکا ہے۔ منگولوں کا کیا ہوا؟ وہ تو ابھی آج صبح کی بات تھی۔ ہے ناں؟

مونٹی، سنی کو دیکھتا ہے جو بالکل سیدھا کھڑا ہے، اس کے چہرے پر کسی جذبے یا احساس کا کوئی نشان تک نہیں۔

''نہیں، مصطفیٰ۔'' ابو خالد آہستہ سے اپنا سر ہلاتا ہے۔ ''ہم تب تک کچھ فتح نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم اندر سے بوسیدہ یا گلے سڑے ہوں۔''

عراقی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اپنی ہتھیلیاں اپنی رانوں پر رکھ کر خود کو اس طور متوازن کرتا ہے جیسے کوئی کہیں زیادہ بوڑھا شخص۔ ''ہمیں گمراہ کیا گیا۔''

ابو خالد، مونٹی اور سنی دونوں کو گھورتا ہے۔

''ہمیں دھوکا دیا گیا ہے۔''

مونٹی اپنی سانس روک لیتا ہے اور کنکھیوں سے سنی کو دیکھتا ہے، جو اُس کی طرف نظر نہیں کرتا۔

''ابونینوا۔'' ابو خالد، سنی سے مخاطب ہوتا ہے، ''مصطفیٰ کو ویڈیو دکھاؤ۔''

ابونینوا؟ نینوا کا باپ؟ مونٹی، سنی کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ کب سے؟

جب سے کمانڈر کمرے میں داخل ہوا ہے، سنی پہلی بار مونٹی کی جانب مڑتا اور آنکھ مارتا ہے۔

کیسی ویڈیو؟

سنی اپنی جیب سے اپنا تباہ حال آئی فون نکالتا اور لائیو لیک پیج کھولتا ہے۔ چھوٹے سے سیاہ چوکور کو کھلنے میں لمحہ لگا اور جب وہ بالآخر کھلتا ہے تو مونٹی کو علم نہیں کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ وہ بہتر طور پر دیکھنے کے لیے سنی سے ٹیک لگا لیتا ہے، اتنا قریب کہ وہ اس کی جلد پر تازہ صابن کی مہک محسوس کر سکتا ہے۔ سنی کب نہایا تھا؟ کہاں؟

ویڈیو دانے دار ہے اور مونٹی یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے آنکھیں سکیڑ لیتا ہے کہ روشنی کے سبز فلٹر کے ذریعے کیا رونما ہو رہا ہے۔ اور پھر اُسے موسیقی سنائی دیتی ہے۔

ایرک کلیپٹن۔

''اُس نے ہمیں رسوا کیا ہے۔'' ابو خالد لڑکوں کے سامنے آہستہ سے لڑکھڑا کر چلتا ہے۔ ''اس ویڈیو کے ساتھ اُس نے ہمارے برادران کو ذلیل کیا ہے، ہماری تنظیم اور ہمارے نصب العین کو شرمسار کیا ہے۔''

لیلیٰ۔ اوہ، لیلیٰ۔

ابو خالد کی آواز غصے سے کپکپا جاتی ہے۔ ''اس نے ہمارے عقائد کی بے حرمتی کی ہے۔ اُس نے ہمارے لوگوں کا مضحکہ اڑایا ہے۔ اب ہمارا کس قسم کا مستقبل ہے؟''

جب مرد لیلیٰ کی ٹانگوں کی طرف رینگتا ہے تو مونٹی، سنی کی سکرین کو اپنے ہاتھ سے ڈھانپ دیتا ہے، فون کو پرے کرتا ہے۔

انہیں کچھ معلوم نہیں، انہیں معلوم نہیں کہ جس شخص نے ٹیپ بنائی تھی وہ ایک ٹی وی اسٹیشن کا مالک ہے، کسی نے اس کے دفتر کے کمپیوٹر پر یہ ویڈیو پائی اور اسے لیک کر دیا۔ انہیں معلوم نہیں کہ فیروز نے اُسے حدود کیس کی دھمکی دی تھی، تنبیہ کی تھی کہ اگر اُس نے اُن کے کھوئے ہوئے وقار اور عزت کی تلافی کے لیے اس کے خاندان کو ادائیگی نہ کی تو وہ اُسے، اُس کی کمپنی، اس کی نیک نامی کو عدالتوں میں گھسیٹے گا... اور یہ تھا... یہ تھی وہ شے... جس نے لیلیٰ کو آگ کا بپتسمہ دیا تھا اور اُسے عراق میں اُمہ تحریک کی طرف دھکیل دیا تھا۔

تین منٹ سے کم وقت میں، انہوں نے اُسے برباد کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن دنوں بعد، ایک اور ویڈیو میں، اُسی لیلیٰ نے اُنہیں دکھا دیا تھا کہ وہ ٹوٹنے والی نہیں تھی۔ کوئی مرد لیلیٰ کو برباد نہ کر سکتا

تھا۔ لیلیٰ، شیرنی ہے۔ لیلیٰ، ایک درندہ۔

میں خود میں لاکھوں کی میراث سنبھالے ہوئے ہوں۔ میں نے شب قدر کو جنم لیا۔ اس نے پہلی ویڈیو میں کہا تھا، اُس کے بال تازہ تازہ سیاہ حجاب میں ڈھانپے گئے تھے۔ اُس نے کوئی میک اَپ نہیں کررکھا تھا اور اس کے ناخن رگڑ کر صاف کیے گئے تھے۔ لیلیٰ کی آنکھوں میں وہ روشنی تھی جو مونٹی نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ کچھ فاتحانہ اور بہادرانہ، کچھ خالص۔

اُس نے اپنے براڈ کاسٹ کا آغاز تلاوت سے کیا تھا، بہترین عربی زبان میں اداشدہ، اپنی میز پر رکھے کاغذ سے پڑھتے ہوئے اُس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ایک مرتبہ تلاوت مکمل کرنے کے بعد، لیلیٰ نے سر اٹھایا اور کیمرے میں دیکھا۔ ''خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ رب العالمین ہے۔ تم سب، انسانوں کی مایوسی بھری، پسماندہ و مظلوم بیٹیو، آگے بڑھو اور اپنے غیظ و غضب پر قابو پاؤ۔ اٹھو، میری بہنو، نیند سے جاگے شیروں کی طرح اٹھو۔ اپنے ہتھیار اٹھاؤ۔ ہم اس بار لڑنے آئی ہیں۔''

ابو خالد اور اُس کے آدمی، لیلیٰ سے ناانصافی، اس دنیا کی اس کے خلاف غیر منصفی کے بارے میں کیا جانتے تھے؟

تعلیم یافتہ غربا کی مخصوص علیحدگی و تنہائی، زندگی کو بیرون سے دیکھنے کی حد تک محدود، ان بڑے گھروں کے دروازوں سے باہر، جن کے اندر داخل ہونے کی انہیں اجازت نہ تھی؟ ابو خالد اور اس کے آدمیوں کو اُس بھوک کا کیا علم تھا جس سے وہ دنیا کو صرف کرتی تھی، ایک وقت میں لائبریری کی ایک کتاب؟ وہ لیلیٰ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، کچھ بھی نہیں۔ یہ معجزہ ہے کہ انہیں اتنی دیر بعد معلوم ہوا، چاہے لیلیٰ نے جھوٹ کا جیسا بھی جال گھڑا ہو، مگر مونٹی کو خدشہ تھا کہ وہ بالآخر جان لیں گے۔

''میں دیکھنا نہیں چاہتا۔'' مونٹی کہتا ہے۔ اسے اپنے ہاتھ کانپتے محسوس ہوتے ہیں، اسے امید ہے کہ سنی نے ان پر توجہ نہیں دی۔

''بہت دیر ہو چکی ہے۔'' ابو خالد نے ناک سے سانس کھینچی۔ ''لوگ اسے دیکھ چکے ہیں، جس لمحے ہمارے برادران سمجھ گئے کہ ہم اُمہ تحریک کو ایسی آلائش سے پاک کرنے کے ناقابل ہیں، ہم وہ ''سب کچھ'' کھو دیں گے، جس کی تعمیر کے لیے ہم لڑتے آ رہے ہیں۔'' وہ چھوٹے سے خالی کمرے میں ٹہلتا ہے، اس کی مٹھیاں اُس کے پہلوؤں میں بھنچی ہوئی ہیں۔

''اسے ہٹایا جا سکتا ہے...'' مونٹی تصدیق کے لیے سنی کی طرف دیکھتے ہوئے بات شروع کرتا ہے۔ اُسے انٹرنیٹ کے متعلق مونٹی سے زیادہ علم ہے۔ وہ ہر وقت اپنے فون پر مصروف ہوتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ ایسے کام کیسے کرنے ہیں۔

لیکن سنی اپنا سر جھٹک دیتا ہے۔

''یہ نہیں ہٹائی جا سکتی۔''

وہ پیج پر سکرول ڈاؤن کر کے گرے رنگ میں ایک چھوٹا سا نمبر دیکھتا ہے۔ ''تم نے دیکھا یہ؟ پہلے ہی ہزاروں لوگ دیکھ چکے ہیں۔ لوگ کلپ کو ڈاؤن لوڈ کر چکے ہیں، کاپی اور شیئر کر چکے ہیں۔ تم اب اسے اَن دیکھا نہیں کر سکتے۔''

''تم اسے بجھانے کی کوشش کر سکتے ہو، یا مصطفیٰ۔'' ابو خالد اپنا ہاتھ ہوا میں لہراتا ہے۔ اس کی آواز تنفر سے بھاری ہے۔ ''لیکن آگ اٹھتی رہے گی۔''

مونٹی کا دل ڈوب جاتا ہے۔

سنی۔

اس تمام وقت میں، یہ سنی کا کیا دھرا تھا۔

''کریموف!'' ابو خالد دروازے کی طرف رخ کر کے سرزنش کرتا ہے۔ انگشتیا کے باسی کا سر دروازے سے جھانکتا ہے اور جب وہ کمانڈر کے سامنے چوکس کھڑے مونٹی اور سنی کو دیکھتا ہے تو اُس کی آنکھوں میں ہلکا سا حاسدانہ تاثر ابھرتا ہے۔ ''مجھے نوٹ بک لا دو۔''

کمرے میں تن کر چلتے ابو خالد کی پشت اُن کی طرف ہے۔ ''ہم نے اس سے تفتیش کی ہے، اس کے کاغذات کا جائزہ لیا... ان کی کچھ سمجھ نہیں آتی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اُسے کس نے یہاں بھیجا ہے اور وہ کس کے لیے کام کر رہی ہے۔'' دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا ہے اور کریموف لیلیٰ کی سرخ نوٹ بک اپنے دنوں ہاتھوں میں تھامے اندر آتا ہے۔ کمانڈر اُس سے وہ جھپٹ لیتا ہے اور اشتعال کے عالم میں صفحے پلٹتا ہے، بے تکی شاعری اور بے ربط تحریر کے صفحوں کے صفحے۔ کچھ اشعار انگریزی میں لکھے ہیں، کچھ اردو میں، بقیہ صفحات طویل واداس اقتباسات سے بھرے ہیں۔ ابو خالد، لیلیٰ کی تحریر شدہ انگریزی الفاظ کی فہرست پر رکتا ہے۔ صاف ستھرے کالموں میں تحریر فہرست، ان کے گرامر کے صیغے اور تعریفیں احتیاط سے سرخ روشنائی سے درج ہیں۔

وہ اس طرح کی فہرستیں تب بنایا کرتا تھا جب وہ امریکیوں کے لیے ترجمہ کر رہا تھا۔ اس کے پاس بالکل اسی طرح الفاظ کی ڈائری ہوا کرتی تھی۔

''وہ جھوٹی ہے۔'' کمانڈر نوٹ بک کو دیوار پر دے مارتے ہوئے چیختا ہے۔ مونٹی اسے فرش سے ٹکراتے دیکھتا ہے۔ اس کے صفحات دنیا کے سامنے عیاں ہیں۔ ''وہ یہاں، ہماری نگرانی کرتے ہوئے، اس تمام وقت ہمیں دھوکا دیتے ہوئے، ہماری ناک کے عین نیچے رہی ہے۔'' ابو خالد گہری سانس بھرتا ہے، دغابازی اُس کے پھیپھڑوں میں جگہ بنا رہی ہے۔

''اور چوں کہ تم دونوں نے ہمارے لوگوں کی ایمان داری اور غیرت کے مطابق کام کرتے ہوئے خود کو ثابت کیا ہے، اس لیے میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔'' ابو خالد اُن دونوں کے جسموں کے درمیان موجود خلا میں بولتے ہوئے ان کے گرد چکر لگا کر مونٹی اور سنی کے عقب میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ ''آج

تم ہماری تحریک سے کہیں عظیم تر مقصد کے سپاہی ہو۔ آج ہمارے قبیلے کو پاک کرنے کے لیے تمہارا انتخاب کیا گیا ہے۔''

''یہ ایک اعزاز ہے۔'' سنی اپنا سر جھکاتا ہے۔ ''شکریہ ابو خالد۔''

''کس کام کے لیے منتخب؟'' مونٹی پوچھتا ہے۔ مگر کمانڈر پہلے ہی دھاتی کرسی کی طرف بڑھ کر اپنے ہاتھوں کو اپنی گود میں تہ کر کے اس پر بیٹھ چکا ہے۔

ابو خالد اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے کرسی کی پشت سے اپنا سر ٹیک لیتا ہے، یوں جیسے کمرے میں چکر لگا کر تھک چکا ہو۔

سنی دروازے کی طرف بڑھتا ہے اور مونٹی خاموشی سے اس کا پیچھا کرتا ہے۔ مڑ کر ابو خالد کو دیکھتے ہوئے جس کی آنکھیں اب بھی بند ہیں، وہ فرش کی طرف جھکتا اور لیلیٰ کی سرخ نوٹ بک اٹھاتا اور اُسے تیزی سے اپنے ٹراؤزر میں اڑس لیتا ہے۔

جیسے ہی وہ کمرے کے باہر دروازے پر محافظ کھڑے برادران کے پاس سے گزر کر آگے بڑھتے ہیں... مونٹی، سنی کو گردن سے پکڑ کر اپنے سینے کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ''یہ تم تھے؟''

سنی ہنستا ہے اور اپنا ہاتھ مونٹی کی پشت پر مارتا ہے۔ ''تم کیسے راز دان ہو۔''

مونٹی، سنی کو تھامے رکھتا ہے اور لمحے بھر کو اسے مشتعل ہوتے محسوس کرتا ہے۔ ''تم ہی یہ اُس تک لے گئے ہو؟''

لیکن سنی خود کو مونٹی کی گرفت سے آزاد نہیں کرواتا۔ وہ بس مونٹی کی دم گھونٹتی گرفت سے اپنے جسم کو پرے کرتے ہوئے خود کو متوازن کرتا ہے۔ ''میرا خیال تھا کہ تم بالکل گئے گزرے ہی ہو، مونٹی صاحب۔ مگر تم میں تو ابھی ذرا دم خم ہے۔''

سنی خود کو مونٹی کے بازو سے آزاد کرواتے اور اُسے اس سے زیادہ سختی سے گرفت میں لیتے ہوئے اٹھتا ہے، جتنی سختی سے اُسے پکڑا گیا تھا۔

''تم غلیظ، غلیظ کتے۔'' سنی اس کے کان میں کہتا ہے، ''تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تمہارے پاس ایسی بے ہودگی کا خفیہ ذخیرہ بھی ہے، ہر رات لیلیٰ کے بارے میں آہیں بھرتے ہوئے... مجھے حقیقت میں پہلے ہی جان لینا چاہیے تھا۔'' سنی اپنی انگلیاں چٹخاتا ہے۔ ''مجھے علم ہونا چاہیے تھا۔''

مونٹی سمجھ نہیں پاتا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے اُسے معلوم ہوا کہ انہیں ابو خالد کے متعدد محافظوں کی حفاظت میں لے جایا جا رہا ہے، جو ان کے عقب میں چل رہے ہیں۔ یہ یقین دہانی حاصل کرنے کو وہ اپنی قمیص اپنے ٹراؤزر کے اوپر کھینچ لیتا ہے کہ کوئی بھی اس کے کمر بند میں اڑسی سرخ نوٹ بک نہ دیکھ پائے۔

سنی متروک عمارت کی سیڑھیاں تیزی سے اترتا ہے۔ ''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، مُش۔ تم

جواب دینے سے کترانا چاہتے ہو؟'' وہ سیڑھیاں اترتے ٹھہرتا ہے اور اپنا منہ اپنے دوست کے اس قدر قریب لا کر سرگوشی کرتا ہے کہ اس کی سانس مونٹی کے کانوں کو گدگداتی ہے۔ ''میں یہ سہرا اپنے سر لے کر خوش ہوں۔''

مونٹی پرے ہٹتا ہے اور اپنے گرم اور مرطوب کان کو رگڑتا ہے۔ ''کس چیز کا سہرا؟''

''قتل کا، بے بی۔ یہی بات ہے۔''

مونٹی سیڑھیوں کا جنگلا تھام لیتا ہے۔ اسے اپنا دل رکتا محسوس ہوتا ہے۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''سیکس ٹیپ والی تمہاری گرل فرینڈ، بلڈ۔'' سی کہتا ہے، ''وہ ختم ہو چکی ہے۔''

لیلیٰ

مون سون کا موسم ہے اور تنگ گلیاں بارش کے پانی سے بھری پڑی ہیں اور کہیں پسماندہ عمارت کی اوپری منزل پر پتلے سے جستی دروازے کی جانب بڑھتے، سینڈلوں میں قید چھوٹے چھوٹے پیر پانی کے جوہڑوں میں بھاگ رہے ہیں۔

کیا وہ ہنس رہی ہے؟

لہروں کا جوش ہے، تا حد نظر پھیلے نقرئی سمندر کی لہریں پسپا ہونے سے پہلے گدلے ساحل پر اپنا دباؤ ڈال رہی ہیں۔ وہ ابھرتی ہیں اور پھر دم توڑ دیتی ہیں، یوں جیسے زمین کے مرکز کی جانب واپس لوٹ جاتی ہیں۔ ابھرتی اور ڈوبتی ہیں، ابھرتی اور ڈوبتی ہیں۔ لہردار خول، سب کے سب ٹوٹے ہوئے، کسی خفیہ موزیک کی طرح ریت تلے دفن ہیں۔ لیس دار شفاف جلد والے سینکڑوں ہزاروں سمندری کیکڑے اُس کے ہاتھوں پیروں کی انگلیوں پر چڑھ رہے ہیں جنہیں وہ گہرائی سے گہرائی میں کھودتے ہوئے ساحل سمندر میں گاڑتی ہے۔ دن بھر اُس کے بدن سے پٹرول کی بُو اٹھتی رہے گی۔

یاد تکلیف دہ ہے۔

وہ سب کچھ دیکھ سکتی ہے، سب کچھ، ہر ہلکی سی سانس کے ساتھ، ہر مایوسی بھری سانس اندر کھینچنے کے ساتھ۔ مچھر کالونی، سی ویو پر سیاہ بادل، اس کے کامریڈ کے نرم جھریوں بھرے ہاتھ جن سے وہ شیلف سے کتاب اتارتا ہے، اس کے ہونٹوں سے لگا شراب کا گلاس۔

لیلیٰ چیختی ہے۔

''بکواس بند کرو۔'' اُن میں سے ایک چلاتا ہے۔ ہلکے رنگ کی آنکھوں والا لڑکا۔ وہی تھا۔ وہ جانتا تھا۔ اُسے کیسے معلوم ہوا؟ کیا اُسے ہمیشہ سے معلوم تھا؟

وہ چیختی رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کا گلا دُکھنے لگا ہے۔

''بکواس بند کرو!'' لڑکا چلاتا ہے اور اُسے زور سے ضرب لگاتا ہے، اس سے کہیں زیادہ سختی سے جب وہ لمحہ بھر پہلے اُس کے کمرے میں آ گھسا تھا۔ بندھی ہوئی لیلیٰ توازن کا احساس کھو چکی ہے۔ وہ

گر جاتی ہے۔ اُس کا جسم لڑکے کے تھپڑ کی طاقت سے کنکریٹ کے فرش سے جاٹکراتا ہے اور اُس کرسی کے وزن سے جس سے انہوں نے اُسے باندھ رکھا ہے، جیسے اُس کی ہڈیوں سے کوئی لنگر باندھ دیا گیا ہو۔

لیلیٰ کی آنکھوں کے بند پپوٹے پھڑ پھڑاتے ہیں۔

یادوں میں موجود لڑکی ہنس رہی ہے۔ اُس کے بال شانوں تک لمبے ہیں اور اگر چہ اُسے تب یہ معلوم نہ تھا، وہ خوش تھی۔ بے حد خوش۔

اُس کے ارد گرد موجود مرد عربی زبان میں اُس پر چلاّتے ہیں۔ لیلیٰ غیظ وغضب میں ابھرتی تین یا شاید دو آوازیں سن سکتی ہے۔

لیکن یکا یک، دوبارہ یہی کچھ ہے:

گیس ککر، اس کے بچپن کے گھر میں سیمنٹ کے فرش پر ساتھ سوتے اُس کے بدن پر اُس کی ماں کی بھاری ٹانگ، مینا، بغیر ایگزاسٹ کے موٹر سائیکلیں، روتا ہوا ایذرا، اُس کا آنسوؤں بھرا چہرہ، کلفٹن والے اُس خوب صورت گھر کے جنگل گارڈن میں گم، سوویت لائف کے بے رنگ صفحوں کے صفحے۔ ''تم گھن گرج کو سنو اور مجھے یاد کرو گی۔'' لیلیٰ کو اسامہ کی آواز سنائی دی، عمر کے باعث خشک اور کھڑکھڑاتی آواز۔ ''اور سوچو گی: وہ طوفان چاہتی تھی۔'' اُس کے سفید بال شیر کی ایال کی طرح لمبے تھے۔ وہ اپنی نوٹ بک کے صفحات پر روشنائی کے نیل دیکھ سکتی تھی۔ تمام الفاظ، گفتگوئیں، بحثیں، نظمیں... سب کچھ آپس میں گھل مل گیا تھا۔ لیلیٰ کو اپنا سر چکراتا محسوس ہوا۔ انیتا روز، کبھی اتنی شیریں یا دلکش نہ تھی۔ کسی بھی طور ایک نام۔ '' آسمان کا کنارا گہرا قرمزی ہوگا۔ اور تمہارا دل جیسا کہ وہ تب تھا، آتش گرفتہ ہوگا۔''

اُسے اپنے رخسار پر ٹھنڈک کا احساس ہوا، یوں جیسے وہ وہیں تھی، اپنے گھر میں، فرش پر اپنی تھکن زدہ ماں کے ساتھ سوئی ہوئی۔ اور پھر لڑکے، اُن میں سے دو، وہ ٹھیک طرح سے دیکھ نہ پائی، اُس پر جھک آئے، جس دوران وہ خیالوں اور دھول کے درمیان تھی، اور اُسے ضرب لگاتے، گالیاں دیتے، چیختے چلاّتے ہوئے اپنے پیر اُس تک لائے۔

لیکن لیلیٰ اُسے دیکھ سکتی تھی، چاہے اُسے اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کو جدوجہد ہی کرنی پڑی تھی، وہ اُس کا مہربان، مسکراتا ہوا چہرہ اور اُس کی آنکھوں کی براؤن دل سوزی کو دیکھ سکتی تھی۔

کامریڈ، مجھ سے وعدہ کرو؟

وعدہ ہے۔

یہ الفاظ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنا۔

ہمیشہ، پکی بات۔

مونٹی

کسی طور مونٹی حرکت کر رہا ہے۔ اگرچہ ہر قدم بہت بوجھل محسوس ہوا، مگر وہ ایک کے آگے ایک قدم رکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ گراؤنڈ فلور پر پہنچ گیا۔

سیڑھیوں پر ٹھنڈک ہے لیکن سنی اور اُس کے عقب میں آتے ہوئے آدمیوں کی بُو کو کوئی چیز نہیں چھپا رہی، جنسی طور پر پُر جوش کتوں کی طرح۔

برادران اپنے ہتھیاروں کو دفاعی انداز میں اپنے سینوں کے ساتھ لگائے ہوئے ہیں۔ مونٹی کلف زدہ خاکی کیموفلاج میں ملبوس سنی کو جوش کے عالم میں دیواروں سے ٹکراتے ہوئے دیکھتا ہے، اُس کے پیر کسی عمدہ باکسر کی اِدھر اُدھر حرکت میں رقصاں ہیں۔

سنی تاریک پارکنگ لاٹ کی جانب اشارہ کرتے اپنا سر جھٹکتا ہے۔ ''برادران پہلے ہی اُسے وہاں رکھے ہوئے ہیں، باندھ کر۔''

مونٹی گہری سانس بھرتے ہوئے خود کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ سب کچھ غلط ہو چکا ہے۔ سب کچھ جس کی اُس نے منصوبہ بندی کی تھی... یہاں آنا، لیلیٰ کو تلاش کرنا، سب کچھ... سب بے حد غلط رخ لے چکا ہے۔

سنی

ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ سنی بائیں طرف حرکت کرتا ہے۔ مدمقابل آتے اور بہتر کارکردگی دکھاتے ہوئے وہ دائیں طرف حرکت کرتا ہے۔

''بھاگ جاؤ، لڑکو۔'' وہ محافظوں سے ترخ کر کہتا ہے جو سیڑھیوں تک ان کے پیچھے آئے ہیں، اور اپنی کلائی کی جنبش سے انہیں برخاست کرتا ہے۔ ''ہم سنبھال لیں گے۔''

فتح کے تین دن بھی نہ ہوئے تھے اور اُس کے کھاتے میں وہ اہم قتل لکھے جانے والے تھے... پہلا، میسّر۔ لیلیٰ، ناکارہ منافق، دوسرا۔

سنی اپنے ہاتھ اپنی جیب میں گاڑتا اور پلاسٹک کی چھوٹی سی تھیلی نکالتا ہے۔ وہ لیس دار لئی کی ایک چٹکی نکالتا ہے جو ابو خالد نے اُسے دی تھی اور اسے اپنی ہتھیلی پر مروڑتا ہے۔ ترقی شدہ بے بی۔ جھڑپ کا وقت۔

''برائے مہربانی تصور کرو کہ اس کے کتنے بیمار مداح اب ہماری بکواس کو ٹیون اِن کریں گے۔ ہم مشہور ہونے والے ہیں، بھائی۔''

یوں لگتا ہے جیسے اُس میں موسیقی ہے۔ سنی اُسے اپنے جسم میں دوڑتے، اپنی رگوں میں تیرتے محسوس کر سکتا ہے۔

''تصور تو کرو مونٹی، کلاسیکی جہادی ویڈیوز۔ گرتا ہوا ٹاور، نمبر ایک۔ پھر سر قلم کرنے کی سیریز... لیکن صرف بڑے بڑوں کے، ڈینئل پرل، عراق مورخہ 2005ء/2006ء۔'' وہ لئی کو مٹر کے دانے جتنی گیند کی صورت مسل لیتا ہے اور اپنی زبان تلے رکھتا ہے۔ سنی اسے چوستا ہے، اس کا ذائقہ ایک ہی وقت میں میٹھا، دھواں زدہ اور تلخ ہے۔ ''پھر ابو غریب کے مناظر ہیں۔'' سنی خام افیون کی تیسری ٹکیہ بناتے ہوئے لمحے بھر کو اس بارے میں سوچتا ہے۔ ''شاید وہ نہیں...''

ان تمام سہو یا غلطیوں کو کسی آٹو کریکٹ کی طرح پکڑتے ہوئے یہ شے اس کے دماغ کو تیز کر دیتی ہے۔

''پھر ہم... تم اور میں، کزن، اس بہروپی کتیا کو ہلاک کرتے ہوئے۔تم اور میں۔''

وہ براؤن لئی کی چھوٹی سی گیند مونٹی کی طرف بڑھاتا ہے، اگرچہ وہ جانتا ہے کہ وہ نہیں لے گا، Fucking Nerd۔

سنی کے یہ بتانے کے بعد بھی کہ ابو خالد کہتا ہے کہ اس سے مدد ملتی ہے، مونٹی اپنا سر جھٹکتا ہے۔ سیم بھی یہ لیتا ہے، پابندی سے۔لیکن کچھ نہیں۔ وہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار و چوکنا کھڑا ہے، پھولا ہوا سینہ، پوری طرح چوکس جسم، ہر مرتبہ اپنا سر موڑتے ہوئے، جب وہ باہر گیراج میں برادران کو لیلیٰ کو تھپڑ لگاتے سنتا ہے۔

کھال کے ادھڑنے کی آواز خاصی صاف ہے۔ جیسے ڈرم اور Bass کی دھن۔سنی کو اب ڈرم کا خیال آتا ہے، اس موسیقی کا جو اس نے اپنی ہتھیلی کے آگے تنے ہوئے ڈرم سے اخذ کی تھی لیکن وہ بیت چکا ہے۔گزر چکا، گزر چکا ہے۔

یہ افیون نہیں ہے۔ وہ بمشکل ہی کھا سکا۔لیکن آپ اپنے خون میں کہیں وہ ضرب، وہ دھن پالیتے ہو اور یہ شعلے کو ہوا دیتی ہو، تم جانتے ہو؟ یہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔سنی اب ڈرم کے بارے میں نہیں سوچتا۔ وہ پلکیں جھپکا کر اس کی یاد کو دور بھگاتا ہے، پلکیں جھپکا کر دور کر دیتا ہے۔

تھپڑ مارنا جاری وساری ہے۔ وہ اگرچہ اُسے چیختے ہوئے سن نہیں پاتا... برادران نے ضرور اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا ہوگا۔

مونٹی مڑتا اور گیراج میں داخل ہونے لگتا ہے۔کیا ہو رہا ہے، مونٹی! ہمیشہ کوئی سرپرائز۔ جوش جذبہ سے معمور، ہمیشہ کی طرح۔

''چلو چلیں، بے بی۔'' مسترد شدہ افیون کو اپنے منہ میں ڈالتے ہوئے سنی اُس کے عقب میں چلا آتا ہے۔''چلو، یہ کر گزریں۔''

وہ گیراج سے نکلتے محافظوں کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہے، جنہیں مونٹی نے زبردستی باہر نکالا ہوگا ... بے رحم ہے آج، میرا بھائی... اور ٹہلتے ہوئے پارکنگ لاٹ میں داخل ہوتا ہے۔

آؤ، یہ کر گزریں۔

مونٹی

خالی پارکنگ لاٹ کے آخر میں واحد دھاتی کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے، مونٹی اُسے دیکھ لیتا ہے۔

تاریک گیراج میں جب وہ اُسے دیکھنے کے قابل ہوئی تو وہ لیلیٰ کی آنکھوں کو پھیلتے دیکھتا ہے۔ دہشت زدہ۔ یہ پہلی بار ہے کہ اُس نے اُس کو کبھی خوف زدہ دیکھا ہے۔

وہ اس کا سیاہ عبایا پھاڑ کر اُسے کرسی سے باندھ چکے ہیں۔ اگرچہ برادران اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس چکے ہیں، مونٹی دیکھ سکتا ہے کہ لیلیٰ کا منہ، اُس کے تِل کے عین اوپر، کٹا ہوا ہے۔ اس کے ہونٹ سرخ اور سوجے ہوئے ہیں۔ جیسے اُسے ابھی ابھی مارا پیٹا گیا ہو۔ یوں جیسے اس کا سختی سے بوسہ لیا گیا ہو۔ مونٹی بتا نہیں سکتا ہے کہ دونوں میں سے کیا بات سچ ہے۔

اس کا چہرہ خراشوں اور ضربوں کا نقشہ ہے، اس کی ایک آنکھ کے گرد پھٹی ہوئی جلد کا حلقہ ہے اور آنکھ پوری طرح بند ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور بنا ڈھکے ہوئے ہیں اور وہ اس کے بالوں سے جھانکتے کھوپڑی کے کچھ حصے دیکھ سکتا ہے، یوں جیسے اس کے کچھ لمبے سیاہ بال کھینچ کر اکھیڑ لیے گئے ہوں۔

جب وہ اسے دیکھتی ہے تو اس کا سینہ ہوا سے پھیل جاتا ہے اور جتنا ہو سکا، وہ اونچی آواز میں چیختی ہے۔ اس کے منہ میں ٹھونسے گئے کپڑے کے پیچھے سے ایک گھٹی ہوئی آواز نکلتی ہے۔

سنی تن کر لیلیٰ کی طرف آگے بڑھتے ہوئے اپنی بیلٹ سے خنجر نکالتا ہے۔ وہ اس کا بلیڈ اُس کے چہرے کے سامنے لہراتا ہے۔ ''کسی نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔'' وہ اونچی آواز میں سیٹی بجاتا ہے۔

لیلیٰ کا سر پیچھے کی طرف ہو جاتا ہے اور وہ تکلیف سے کراہتی ہے۔

''ہیلو سسٹر۔'' سنی جھک جاتا ہے تاکہ اس کی آنکھیں لیلیٰ کی سطح پر آجائیں۔ ''ایسا تم نے کیا ہے؟ کیا تم پہلے کبھی آگ کے ساتھ کھیلی ہو؟ لڑکی، کیا کبھی تم جلی ہو؟''

لیلیٰ کی نظریں مونٹی اور سنی کے درمیان حرکت کرتی ہیں۔

مونٹی اُس سے نظریں چرالیتا ہے۔

''میں جلا ہوں۔'' سنی دق کرتے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے لیلیٰ سے پرے ہٹتا اور اس کے عقب میں آ جاتا ہے۔ ''ہم سب آگ سے کھیلتے ہیں۔ کون ہے کہ جسے ماچس کی ڈبیہ تھما دی گئی ہو تو وہ آگ سے نہ کھیلا ہو؟ ہر کوئی جس سے انہیں محبت ہو، ہر کوئی جس کی انہیں پرواہ ہو، اُن کو تباہ کرنے کے خیال سے کسی کی آنکھوں میں چنگاریاں نہیں پھوٹتی ہیں؟ اپنی پوری زندگی میں آگ سے کھیلا ہوں، بہن، اس لیے مجھے معلوم ہے۔''

لیلیٰ ان رسیوں سے الجھتی ہے جو اسے کرسی سے باندھے ہوئے ہیں۔ وہ طیش سے اپنا سر جھٹکتی ہے، جیسے اپنے منہ میں ٹھنسے کپڑے کو کاٹ رہی ہو، اسے تھوک دینے کی کوشش کرتے ہوئے اُس کی صحیح سالم آنکھ میں آنسو بھر رہے ہیں۔

سنی اپنی ران کے ساتھ بلیڈ کو صاف کرتا ہے اور لیلیٰ کی کرسی کی جانب قدم بڑھاتا ہے۔

لیلیٰ کو باندھنے والی رسیاں اُس کی حرکت سے تن جاتی ہیں۔ جب وہ ہذیانی انداز میں رسیوں کو کھینچتی ہے، مونٹی اُس کی ہنسلی کی ہڈی کے گرد جلد کو سرخ ہوتے دیکھتا ہے۔ ''جو ہو رہا ہے، یہ ہے، ڈارلنگ۔'' مونٹی اپنا جسم لیلیٰ کے گھٹنوں کے درمیان رکھتے ہوئے، اس کے سامنے اکڑوں بیٹھ جاتا ہے۔ ''تم ایک بری لڑکی ہو اور ابھی تمہیں اس کی سزا ملنے والی ہے۔''

لیلیٰ کے چہرے سے ہر رنگ نچڑ جاتا ہے اور وہ اپنا چہرہ اپنے سینہ پر جھکا کر سسکیاں بھرنے لگتی ہے۔ اس کا پورا جسم خوف سے جھٹکے کھا رہا ہے۔

سنی اس کی ٹانگوں کے بیچ آگے بڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے اس کا چہرہ اٹھاتا ہے۔ اس کے چہرے کو دائیں بائیں موڑتے، اُس کا جائزہ لیتے ہوئے، وہ اشتیاق سے اُسے دیکھتا ہے۔ افیون اُسے ذرا سست کر رہی ہے۔

لیلیٰ بسورتی ہے اور سنی کے ہاتھوں سے پرے ہوتے ہوئے اپنا چہرہ آزاد کروانے کی سعی کرتی ہے۔ جتنا ہو سکے، وہ بلند آواز میں چیختی ہے لیکن اپنے منہ پر سختی سے بندھے کپڑے کے ساتھ بمشکل ہی کوئی آواز نکال پاتی ہے۔

''تم نہیں چاہتی کہ میں تمہیں ہاتھ لگاؤں، شہزادی؟'' سنی ہنستا ہے۔ ''کیوں نہیں؟ باقی ہر کوئی تو لگا چکا ہے۔''

لیلیٰ پاگلوں کی طرح اپنی کرسی کو دھکیلتی ہے، اسے پیچھے کی طرف جھلاتی ہے تاکہ وہ گر جائے۔ سنی کرسی کے فریم کا پچھلا حصہ جھپٹ کر پکڑ لیتا ہے۔ اس کے ایسا کرنے کے دوران لیلیٰ اپنا سر اُس کے چہرے پر سیدھا دے مارتی ہے۔

اس کی ضرب کی طاقت سے سنی کا سر پیچھے کی طرف ہوتا ہے اور وہ اپنے گرنے کے دوران

لڑکھڑا کر پیچھے ہوتے ہوئے فرش سے ٹکرا جاتا ہے۔

مونٹی، سنی کو زمین سے اٹھنے کے لیے مدد دینے کی خاطر تیزی سے بڑھتا ہے مگر وہ اچھل کر کھڑے ہوتے اسے پرے دھکا دیتا اور لیلیٰ پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔

سنی، لیلیٰ کو اتنی زور سے تھپڑ مارتا ہے کہ چیخنے کی سی آواز آتی ہے۔ ''مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش؟ مجھ پر؟ یہاں تمہاری حکومت ختم ہو چکی ہے، لیلیٰ۔ لعنتی، تم ہماری نیک نامی کو داغ دار کر رہی تھیں؟''

وہ منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے چیخ رہا ہے۔ ''تمہیں معلوم بھی ہے کہ میں کون ہوں؟ میں ایک مجاہد ہوں۔'' اُس کے چہرے پر اُسی سرخی کی چمک ہے جو مونٹی پہلے دیکھ چکا تھا۔ ''میں ایک مجاہد ہوں۔ میں اے سی والے کمرے میں بیٹھ کر انٹرنیٹ پر تقریریں نہیں جھاڑتا۔ میں بزدلوں کے لیے نیوز لیٹر نہیں لکھتا۔ میں اُس مٹی کی توہین نہیں کرتا جس سے میرا خمیر اٹھا ہے۔ میں اس کا دفاع کرتا ہوں۔ میں اس کی حفاظت کرتا ہوں۔ میں حق کے لیے لڑتا ہوں۔ میں باہر نکلتا اور جنگ کرتا ہوں۔''

سنی کی آنکھیں روشن ہیں اور اس کی آواز بلند اور صاف۔

''میں نے دوسروں کی محنت کے بل بوتے پر اپنا نام نہیں بنایا۔ میں محنت کی۔ میرے ان ہاتھوں پر خون ہے۔'' سنی چاقو تھامے ہوئے اپنے ہاتھ کو اپنے سینے پر مارتا ہے، اپنے سینے کی درمیانی ہڈی پر۔ ''میں یہاں ہوں۔ مجھے دیکھا گیا ہے۔ توجہ کے قابل۔ سنا تم نے؟ تم مجھ سے احترام بھرا سلوک روا رکھو گی۔''

لیلیٰ اپنی کرسی پر گری جاتی ہے۔ اُس کا سر نیچے ہونے پر اُس کے الجھے ہوئے بال اس کے چہرے پر پڑتے ہیں۔ اس کا سر اس قدر نیچا ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے اس کی ٹھوڑی اُس کی گردن سے آن ٹکی ہے۔

''تم مجھ سے احترام کا ویسا سلوک کرو گی جس کا میں مستحق ہوں۔'' سنی اپنی ناک سے اس کی ناک چھوتے ہوئے اپنا چہرہ لیلیٰ کے عین مقابل لے آتا ہے، قبل اس کے کہ وہ سیدھا ہوتا ہے اور جھک کر اُسے دیکھتے ہوئے اپنے چاقو کی دھار سے اس کی ہنسلی کی ہڈی کو چھوتا ہے۔

''تم مجھے اور یہاں میرے بوائے مونٹی سے مناسب Fucking آداب کے ساتھ سلوک کرو گی اور ہم تمہاری خاطر اس کام میں عجلت کریں گے۔'' وہ مونٹی کی طرف مڑتا ہے۔ ''کیا ہم ایسا نہیں کریں گے، میرے بھائی؟''

لیلیٰ اپنا سر اٹھاتی اور سیدھا مونٹی کی طرف دیکھتی ہے۔ اور اگرچہ وہ اس سارے وقت اُسے دیکھتا رہا تھا، اگرچہ اس نے سب دیکھا اور سنا تھا، اگرچہ اُس نے سنی کو اُسے تھپڑ مارتے اور لیلیٰ کی نرم و نازک گوری جلد پر اپنا چاقو پھیرتے دیکھا تھا، اسے یقین نہ ہو سکا کہ آیا عین وہیں، اُس کے منہ میں ٹھنسے

کپڑے کے تناؤ تلے، وہ اپنا منہ کھولتی اور چپکے سے اُس سے، صرف اُس سے مخاطب ہوتی ہے۔
مونٹی۔
مونٹی، اسے خیال ہوا کہ لیلیٰ نے سرگوشی کی۔
بے چینی سے اُس کی نوٹ بک کو چیک کرتے ہوئے، اس کا ہاتھ اپنے کمر بند تک جاتا ہے۔
مونٹی... اس کے نام کے حروف کو مکمل طور پر ادا کرتے ہوئے۔

سنی

''قلوپطرا، قلوپطرا۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم یہاں کس قسم کی عیار، پُراسرار طاقت دیکھ سکتی ہو؟''

سنی اپنی مٹھیاں اپنی آنکھوں سے مسلتا ہے۔ عوز کا نیوز لیٹر ہے جسے ایک لاکھ احمقوں نے پڑھا ہے اور اسے کوئی ایک شخص بھی نہ مل سکا جو ایک بنیادی تصور سمجھ پاتا ہو: عہد شکنی۔

اُس تک آتی آوازیں، اس کے کان سے سختی سے لگے خول میں ابھرتے سمندر کی طرح، وہ اب اُن سب سے بات کرتا ہے۔ سنی اُن میں سے ہر کسی سے مخاطب ہے...پا، عوز، وہ لڑکی، وہ، وہ۔ وہ۔

''میں دیکھ چکا ہوں، سنا تم نے؟ شکار ختم ہوا، ملکہ مر چکی ہے۔''

وہ سچ کو اپنے سر پر کسی تلوار کی طرح اٹھائے تانے ہے۔ وہ سب شاعری اسی میں ہے، وہ سب گیت، جان دینے والے کشمیری مردوں کے لکھے وہ تمام اشعار، وہ بڑھتے اور اُس کے اندر ٹوٹ جاتے ہیں۔ ''کشمیری، کشمیر، کشمیر۔ ہم دوبارہ سرینگر میں ملیں گے۔''

پا، میں قابل توجہ ہوں۔ کیا اب آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ محبت ہے؟

کیا کبھی تھی؟

''تم بوتے ہو، تم کاٹتے ہو۔'' سنی، لیلیٰ پر غراتا ہے۔ دنیا اسی طور کام کرتی ہے، اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ ہماری ہے یا اُن کی۔

''عورتو، کیا میں ٹھیک کہتا ہوں، مونٹی؟'' وہ اپنے ہاتھ اپنے بالوں میں پھیرتا ہے۔ اسے امید ہے کہ وہ ٹھیک دکھائی دیتا ہے، کہیں بھی کوئی آئینہ نہیں دیکھا۔ سنی گولیوں کی پٹی کو سینے پر درست کرتا ہے۔ ویڈیو کے لیے اچھا دکھائی دینا ہوگا۔ ''انہیں کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں کیا چاہیے۔''

''سچ ہے۔'' مونٹی اچانک کہہ اٹھتا ہے۔ پہلی بار ہے کہ اُس نے کبھی سنی سے اتفاق کیا ہے۔ کیا بات ہے، مونٹی؟

سنی اپنے ہاتھ کی پشت کو اپنے چہرے سے رگڑتے ہوئے سانس اندر کھینچتا ہے۔ اس کا دماغ

تیز ہے، بے حد تیز اور واضح۔ اسے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ نہ کوئی تکلیف، نہ اداسی، کچھ نہیں۔ یوں جیسے اس کے سینے میں کوئی کلاک بج رہا ہے اور اُس کی زندگی اُسے گزار رہی ہے۔ لیکن وہ اسے محسوس نہیں کرتا کیوں کہ وہ وقت پر یقین نہیں رکھتا۔ سنی اپنی آنکھیں بند کرتا اور کھولتا ہے، تاکہ وہ جان لے کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔ اسے اپنے دل میں سکوت محسوس ہوتا ہے، پہلی مرتبہ۔

''وہ کبھی نہیں جانتے کہ وہ چاہتے کیا ہیں۔'' مونٹی کی بازگشت سنی کے قریب آتی سنائی دیتی ہے۔

سنی اپنی ہتھیلی پر تھوک لگاتا اور اپنی ڈاڑھی کو درست کرتا ہے۔ وہ یہ کلپ فوراً ہی عوز کو بھیجنے والا ہے۔

اس کی درستی کرو، عوزی:

غدار + بکاؤ = تم

جھوٹا+Fuckface= تم

سنی ایک ہاتھ سے اپنا فون نکالتا ہے، کیمرا کھولتا ہے۔ اس کے تھریڈز اور جنگی نام سے عوز فوراً ہی جان لے گا کہ اُس کی ترقی ہو چکی ہے۔ پھر، عوز کو ای میل کرنے کے بعد، سنی اپنے کزن کے نام پیغام کے ساتھ اسے ورلڈ وائیڈ ویب پر براہِ راست ڈال دے گا: میں تمہارے پیچھے آرہا ہوں، عوز۔ اگلی باری تمہاری ہے، کزن۔

اُس کی automatovakalashnikova# سیریز اچھی جا رہی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک نئے ہیش ٹیگ کے ساتھ تیار کرتا ہے: cleopatra#

''مونٹی۔'' سنی اُسے اپنا فون دیتے ہوئے بلاتا ہے، ''اسے پکڑو۔''

مونٹی

مونٹی اپنا سر جھٹکتا اور ہاتھ آگے بڑھاتا ہے۔
''نہیں۔'' وہ کہتا ہے،''یہ کام میں کروں گا۔تم ویڈیو بناؤ۔''
سنی متاثر ہوکر اپنی بھنویں اچکاتا ہے۔
باہر نینوا پر، بے ربط بارش کی طرح، توپیں برستی ہیں۔ ہر دھماکے کے ساتھ زمین کانپ اٹھتی ہے، مگر اتنے فاصلے پر ضرور کہ بالآخر آپ کا جسم صدمے سے کپکپانا بند ہو جاتا ہے اور کچھ وقت کے بعد آپ مزید خوف زدہ نہیں رہتے۔
قریب ہی کوئی تنہا کتا بھونکتا ہے۔
یہ عجیب چیز ہے، بہادری۔ جب تک کہ وہ اپنے خیالوں کا پیچھا کرتا ہے، جب وہ آتے ہیں تو ان کا مشاہدہ کرتے ہوئے، مونٹی کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جیسے چاہے ان سے انحراف کرسکتا ہے۔ وہ بموں کی آواز کو پرے دھکیل کر بھونکنے کی آواز پر توجہ مرکوز کرتا ہے، ایک غراہٹ جو اتنی گہری ہے کہ کتے کی نسبت کسی بڑے، زیادہ خطرناک جانور کی جانب سے آتی محسوس ہوتی ہے۔ شاید۔
اب کچھ بھی ممکن ہے۔
وہ نوٹ بک کو محسوس کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اپنے کمر بند پر پھیرتا ہے۔
''ٹھیک ہے مونٹی۔'' سنی بلیڈ اپنے دوست کی کھلی ہتھیلی پر گرا دیتا ہے۔''معلوم نہیں تھا کہ ہم ایسا کرنا چاہ رہے تھے۔'' وہ لیلیٰ کی جانب ایک ہوائی بوسہ اچھالتا ہے۔''سوری ڈارلنگ۔ میں ایسا خود کرنا چاہتا تھا مگر یہاں میرا یہ بوائے ایک Fucking چھپا رستم ہے۔'' اس لمحے کی فلم بنانے کے لیے تیار سنی، اپنا فون تھام لیتا ہے۔ #killtime
لیلیٰ، مونٹی کو دیکھتی ہے، اس کا ہانپتا ہوا جسم، حقیقت میں کپکپاتا ہوا، جس دوران وہ روتی چلاتی ہے، اتنی آہستہ جیسے کلاک کی سکینڈ کی سوئی دھیرے سے حرکت کر رہی ہو۔
''چلو، مونٹی۔'' سنی اپنے سمارٹ فون سے لیلیٰ کو دیکھتے ہوئے اپنا سر ہلاتا ہے۔''آؤ، یہ

کر گزریں۔''

''تیار ہو؟'' مونٹی پوچھتا ہے۔

''بے بی، میں پہلے ہی پیدا ہو چکا ہوں۔'' سنی سکرین سے اپنی نظریں نہیں ہٹاتا۔

مونٹی ایک دولمحہ اپنے ہاتھ میں چاقو تھامے رکھتا ہے اور اپنے خیالوں کو ہدایت دیتا ہے۔ وہ گہری سانس بھرتا ہے اور خود کو اُس پر متذبذب ہونے یا پچھتانے سے منع کرتا ہے جو وہ کرنے جا رہا ہے۔ وہ ایک مجاہد ہے۔ یہ واحد راستہ ہے۔

مونٹی اپنی ایڑیوں پر گھومتا ہے اور اپنی پوری طاقت سے چاقو گھونپ دیتا ہے۔

سنی کی پسلیوں سے چاقو کو کھینچ کر باہر نکالنے کے بعد، مونٹی اپنی آنکھیں بند کرتا اور نینوا کے فصیل بند شہر پر نیچی پرواز کرتے ہیلی کاپٹر کی آواز سنتا ہے۔

یہ اُس طرح سنائی نہیں دیتا جیسا کہ فلموں میں، جہاں ہیلی کاپٹر کے پروں سے محض سیٹی کی آواز ابھرتی ہے، گھنے ترین درختوں میں پرندوں کی چہچہاہٹ جیسی دھیمی۔ یہاں یہ کانوں کی طرف دوڑتے خون کی طرح، کسی سرنگ میں جیٹ انجنوں کی طرح، گہرا، دھم دھم کی سی گھوں گھوں کرتا غیر مسلسل شور ہے۔

مونٹی باہر پارکنگ لاٹ میں رات کو مسلسل چیختے کتے کی آواز سنتا ہے۔ وہ گہری سانس لیتا اور اپنی کرسی پر چیختی اور روتی ہوئی لیلیٰ کو نہ سننے کی کوشش کرتا ہے۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا ہے۔

وہ ایک پاسبان ہے، ایک مینارۂ نور۔

وہ اسی لیے یہاں بھیجا گیا تھا، اسی سبب وہ صحرا میں پیدل چل کر نینوا پہنچا تھا، اسی سبب وہ اس فوج کا ہراول دستہ ہے۔ وہ ایک پاسبان ہے، ایک محافظ۔ یہ تو سچ ہے۔

''The fuck?'' سنی، مونٹی کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اپنے جسم کے گرد جمع ہوتے گرم، گہرے سرخ خون کو دیکھتا ہے۔ وہ اپنے پیروں کو حرکت دینے کی کوشش کرتا ہے، اس سے قبل کہ اس کے جوتے گہرے سرخ لہو سے داغ دار ہو جائیں، لیکن وہ ایسا کر نہیں پاتا۔ سنی ذرا سی جنبش بھی نہیں کر پاتا۔

وہ نظریں اٹھا کر مونٹی کو دیکھتا ہے۔

اور عین اُسی لمحے سنی سوچتا ہے کہ مونٹی... جس کا چہرہ ہلکا سا سنولایا ہوا تھا، جس کی ناک کی نوک کی رنگت دھوپ سے سوختہ ہو چکی تھی... کسی طور اُس وقت سے حسین تر تھا جب وہ پہلی بار ملے تھے۔

اظہارِ تشکر

میں دل کی گہرائیوں سے مشکور ہوں:

کارل برو ملے، پنکج مشرا، میری ماؤنٹ، کیرولینا سٹن، بنکی اربن، مولی اٹلس، لوسی مورس، کیرولین عیسیٰ اور مسعود گل سرخی، شاعری کے تراجم کے لیے موافق غزل، روزانا فورٹے، مینڈی گرین فیلڈ، نٹالی وال، میرو گوکالے، گارووشری ناگیش، گنجن اہلاوت، وروِن تالوار، امبر چیٹر جی اور کیٹی لوفٹس جنہوں نے بڑی جانفشانی اور سرگرمی سے مسوّدے کو کئی بار پڑھا۔

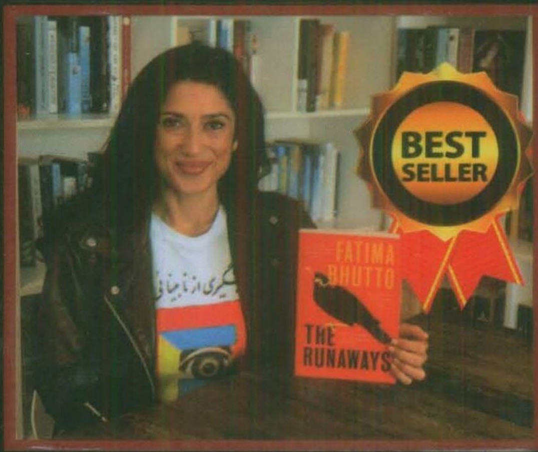
عزیز ترین C۔

الیگرا، اور مینیا، سرل، میگھا، سونی اور P کی دوستی کے لیے جس کی قدر کرتی ہوں۔

ایڈریان گل جو برسوں پہلے ہی اس کتاب کے متعلق پُرجوش تھے اور اس کے لیے متعدد بالکل ناموزوں نام بھی تجویز کیے تھے۔

فرینک اوشن، جن کی موسیقی میرے لیے بھی مرہم کا کام دیتی تھی۔

بابا... جن کے بغیر، کچھ بھی، ان میں سے کچھ بھی نہ ہو پاتا۔ بابا، جو ہمیشہ وہ عظیم ترین تحفہ ہیں جو زندگی نے مجھے دیا اور جو وہ کبھی دے گی۔ سب سے بڑھ کر آپ کا شکریہ، میرے پیارے بابا۔



''مفرور'' اردو زبان میں شائع ہونے والا فاطمہ بھٹو کا پہلا ناول ہے۔ یہ ان کے انگریزی زبان میں شائع ہونے والے ناول "The Runaways" کا ترجمہ ہے۔ فاطمہ بھٹو نے بے حد اعلیٰ مہارت اور ذہانت سے یہ جرأت مندانہ ناول لکھا ہے۔

ناول کا موضوع مذہبی انتہا پسندی اور طبقاتی تقسیم اور نئی نسل میں شناخت کے بحران میں اس کی جڑیں اور نوجوانوں کا اس کی جانب نفسیاتی رجحان ہے۔ یہ کہ کس طرح غربت، عدم اطمینان اور بیگانگی کے تجربات انتہا پسندی کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ ناول کی کہانی مختلف طبقوں اور پس منظر کے تین کرداروں کے گرد گھومتی ہے جو یکسر مختلف راہوں کا سفر کرتے ہوئے ایک مذہبی انتہا پسند تنظیم کا حصہ بن کر عراق کے صحرا میں ایک جہادی تربیتی کیمپ میں پہنچتے ہیں جہاں زندگی اور موت ہم قدم ہیں۔ انیتا روز نچلے طبقے سے تعلق رکھتی ہے، اپنے مارکسٹ ہمسائے سے مستعار لی گئی کتابیں اسے ایک اور دنیا میں فرار کا موقع دیتی ہیں جہاں بائیں بازو کا لٹریچر ہے اور انقلابی شاعری۔ کراچی کے دوسرے سرے پر مونٹی کا باپ جو آدھے شہر کا مالک ہے اور سنی جس کے انڈین مسلم تارکِ وطن باپ نے بہتر مواقع کی تلاش میں برطانیہ کا سفر اختیار کیا۔

''مفرور'' صرف بنیاد پرستی اور دہشت گردانہ کارروائیوں نہیں بلکہ نوجوانوں، ان کے نقل مکانی کے تجربات اور ان کی نفسیاتی الجھنوں کے بارے میں بھی ہے۔ وہ اپنی عام زندگیوں سے کیسے فرار حاصل کرتے ہیں اور کون سی کمزوری انہیں مذہبی انتہا پسندی پر بھروسا کرنے کی طرف راغب کرتی ہے۔ عدم مساوات پر اس نسل کے جائز غصے کی حوصلہ افزائی کے باوجود یہ امر کہ سرمایہ دارانہ مخالف جذبات کس طرح بنیاد پرست اسلام پسندی کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ کہ نوجوانی کے اضطراب، نظریاتی کمزوری اور بے وقوفی کا کتنا تباہ کن فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔


ISBN 978-969-652-204-1
9 789696 522041
Jumhoori Publications

